WWW.PAKSOCIETY.COM
عشق فنا ہے عشق بقا
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
امجد جاوید
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ہمارے موجودہ معاشرے کی عکاس ایسی داستان ہے، جس میں منفرد کرداروں کی بُنت کے ساتھ ساتھ وارداتِ عشق کا وہ بیان ہے، جس کی انت انسان کے لئے فنا بھی بن سکتی ہے اور بقا بھی

عشق فنا ہے عشق بقا

مصنف : امجد جاوید

علم وعرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون042-7352332-7232336

نوٹ:

”......کچھ اس داستان کے بارے میں“

”عشق فنا ہے، عشق بقا“ ......ہمارے موجودہ معاشرے کی عکاس ایسی داستان ہے، جس میں منفرد کرداروں کی بُنت کے ساتھ، واردات عشق کا وہ بیان ہے، جس کی انت انسان کے لئے فنا بھی بن سکتا ہے یا پھر بقا جیسے دائمی مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔

یہ داستان اپنے جلو میں کئی پہلو رکھتی ہے، جس میں ایسے کردار ہیں، جو ہمارے آس پاس پھرتے ہیں، ہمارے درمیان سانس لیتے ہیں اور جن سے ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ملتے رہتے ہیں۔ انہی کرداروں سے وابستہ یہ داستانِ دلگداز، اس معاشرے کے بہت سارے کھلے راز ہمارے سامنے رکھتی ہے۔ جنہیں ہم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کرداروں اور ان کھلے رازوں کی پہچان ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اس داستان کو امجد جاوید نے اپنے اُس خاص منفرد اسلوب میں لکھا، جو انہی کا وصف ہے، اور یہ طے ہے کہ وہ مکمل تحقیق کے بعد ہی کوئی تحریر منظر عام پر لاتے ہیں۔ ایسا اس لئے بھی ہے کہ جہاں وہ صاحب طرز ادیب ہیں، وہاں صحافیانہ رنگ بھی رکھتے ہیں۔ یوں ان کا اسلوب ”دو آتشہ“ ہے۔ اس داستان میں کچھ نازک معاملات کو چھوتے ہوئے انہوں نے کمال مہارت سے اپنا پیغام دیا ہے کہ آج کل کا نوجوان، جس طرح اپنے آپ کو منوانے کے لئے جدوجہد کر رہا ہے، ایک واضح مقصد نہ ہونے کے باعث وہ کس راستے پر چل پڑتا ہے۔ معاشرے کے انہی نشیب و فراز اور اپنی ذات کی نفی کر دینے والے حالات کی جانب نشاندہی کرتی اس داستان میں وہ اشارے موجود ہیں جن سے تعمیرِ سیرت کے ذریعے اعلیٰ انسانی اقدار کے مقامات تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

امجد جاوید نے یہ داستان، بہت منفرد انداز میں کہی ہے۔ جس میں تہہ در تہہ کھلتے راز، عشق کی انوکھی تشریح، انسانی نفسیات کے مختلف پہلو، سماجی مسائل کی نشاندہی، فلسفیانہ رنگ، زبان و بیان کی وہ سادگی کہ جس سے بات سیدھی دل میں اتر جائے، اور تحریر کی وہ چاشنی جس سے قاری نہ صرف مستفیذ ہوتا ہے بلکہ نئے آنے والے خیالات اسے سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس داستان میں قاری کے تصور کو تحریک دی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ امجد جاوید کی یہ داستان، ”عشق فنا ہے، عشق بقا“ اپنی سابقہ تحریروں کی مانند عوامی قبولیت کی سند ضرور حاصل کرے گی۔

(انشاءاللہ)

گل فراز احمد

امجد جاوید کی زندہ تحریر

"عشق فنا ہے، عشق بقا" میں عشق کا تاثر گہرا ہے۔ یہ معاشرے میں ستم کے شکار دو بے کچھ افراد کی داستان ہے۔ اس جبر کی کہانی جس نے عام آدمی کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے۔ امجد جاوید کی دردمندی، مسائل کی تہہ تک پہنچ کر ان عوامل کو بے نقاب کرتی ہے جو اس انتشار اور افراتفری کے ذمے دار ہیں۔ امجد جاوید کا قلم گہرائی کے ساتھ موضوع کو کھنگالتا اور سچ کی پرتوں کو الٹنے کی سعی کرتا نظر آتا ہے۔ تاہم "عشق فنا ہے، عشق بقا" محض جذبوں کی شدت اور اپنے موقف کے اظہار کی داستان نہیں، امجد جاوید کو کہانی کہنا آتا ہے، اور اسی باعث کہیں اس کہانی میں اکتاہٹ کا جھول نہیں۔ تحریر کی رفتار، بیانیہ کی روانی اور چابکدستی جہاں قاری کو باندھے رکھتی ہے، وہیں دیکھے بھالے، آس پاس کے کردار، بلا کے گہرے تاثر کے ساتھ نمودار ہو کر انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ میں ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہوں گا کہ امجد جاوید کا اسلوب اپنی پہچان بنانے میں کامیابی سے ہمکنار ہے۔ امجد جاوید کی یہ تحریر زندہ ہی نہیں، جوان بھی رہے گی۔

دستگیر شہزاد

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ڈاکٹر جمیل کی بکواس سن رہی تھی جو نہایت گھٹیا انداز میں اُس سے "اِظہارِ عشق" کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ اگر نرس ہونے کی وجہ سے اِس وقت ڈیوٹی پر نہ ہوتی تو اَب تک اُس کے منہ پر کئی تھپڑ مار چکی ہوتی۔ ڈاکٹر جمیل اس کے جذبات سے بے نیاز انتہائی سوقیانہ انداز میں اپنی کہے جا رہا ہے جبکہ راحیلہ اُس کے لفظوں سے تعفن محسوس کرتے ہوئے خود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ جو اَب تک اِس ماحول سے مزاحمت کرتی چلی آ رہی تھی اُسے لگ رہا تھا کہ یہ ماحول اُسے توڑ کر رکھ دے گا۔ اس نے اَب تک جو خود میں توانائی بچا کے رکھے ہوئے تھی اُسے ڈر تھا کہ اسی قوت کے باعث وہ کہیں پھٹ نہ جائے۔ یوں وہ خود کو تو سزا دے گی ہی لیکن کسی نہ کسی کی جان بھی ضرور لے لے گی۔ اِس سے بچنے کا راحیلہ نے یہی حل تلاش کیا تھا کہ وہ اس قسم کی بیہودہ گفتگو سنتی رہے مگر اس کے معنی اور مفہوم کو اپنے دماغ تک رسائی نہ لینے دے جبکہ ادھیڑ عمر ڈاکٹر اپنے خباثت زدہ چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"دیکھو راحیلہ! مَیں بالکل سیدھا اور صاف گو انسان ہوں۔ مَیں تمہیں شادی وغیرہ کے سبز باغ نہیں دکھاؤں گا کیونکہ مَیں پہلے ہی سے شادی شدہ ہوں' میرے دو بچے ہیں مگر مَیں تم سے دوستی ضرور چاہوں گا۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن چکی ہے۔ میری یہ دوستی تمہیں کہاں سے کہاں تک پہنچا دے گی' اِس کا تم اندازہ نہیں کر سکتی ہو۔" ڈاکٹر جمیل نے انتہائی ملائمت اور پیار بھرے لہجے میں ڈھیرے ڈھیرے بھانے کے بعد چند لمحے خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھا رہا تاکہ اُس کے چہرے پر سے اُبھرتے ہوئے تاثر سے اپنی کہی ہوئی بات کا اندازہ لگا نے مگر راحیلہ کا چہرہ سپاٹ رہا۔ وہاں کچھ نہ پا کر اُس نے مزید کوشش کی اور بولا۔

"مَیں جبر کا قائل نہیں اور نہ ہی کسی طرح کی بلیک میلنگ کو اچھا سمجھتا ہوں۔ سیدھی سی بات ہے' تم مجھے اچھی لگتی ہو اور مَیں تمہارا ساتھ چاہتا ہوں۔ اِس کے عوض تمہارے سارے مسائل حل ہو جانے کی مَیں ضمانت دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ پھر سے خاموش ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگا مگر راحیلہ کے چہرے پر ذرا سا تاثر بھی ایسا نہیں اُبھرا کہ جس سے ڈاکٹر جمیل کو ہلکا سا بھی اشارہ مل جائے۔ وہ اِس کے تعفن زدہ لفظوں والی بکواس پر کسی بھی قسم کا کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن ڈاکٹر جمیل بھی اپنی دھن کا پکا تھا' وہ اسی طرح کی باتیں کرتا رہا جیسے کسی شکار کو گھیرے میں لانے سے پہلے پوری طرح تھکا دیا جائے۔ ادھیڑ عمر ڈاکٹر اچھا خاصا شکاری معلوم ہو رہا تھا۔ راحیلہ کے اندر غبار اُٹھتا چلا جا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ ان باتوں پر چپ سادھے رکھتی' کوئی جواب نہ دیتی۔ اپنی ڈیوٹی کرتی اور واپس ہاسٹل چلی جاتی' پھر وہاں جا کر اپنے آنسوؤں سے تکیہ بھگوتی رہتی۔ یہاں تک کہ اُس کی روم میٹ نسرین جو زرف اُس کی ڈھارس بندھاتی' اُسے حوصلہ اور تسلی دیتی---

اِس وقت بھی اُس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی' ڈیوٹی ختم ہونے میں تھوڑا وقت باقی تھا۔ اُس نے ایک سرد آہ لی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ ڈاکٹر جمیل کو پوری طرح نظر انداز کر دینا چاہ رہی تھی مگر وہ باوجود کوشش کے اُسے نظر انداز نہیں کر پا رہی تھی کیونکہ اس کے بدبودار لفظوں نے ماحول میں سڑاند بچا رکھی تھی۔ اُس نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا تو اُس کی نگاہ کھڑکی سے باہر پڑی جہاں کاریڈور کے آخری سرے پر لوگ آ جا

رہے تھے۔ اس وقت وہ ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی۔ ڈاکٹر جمیل اُسے اپنے سامنے بٹھائے مسلسل بیہودہ باتیں کرتے چلا جا رہا تھا جبکہ وہ ذہنی اذیت کی اس حد تک پہنچ گئی تھی جہاں سے بے حسی کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اُسے ڈاکٹر کی باتیں تو سنائی دے رہی تھیں مگر وہ ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہی تھی۔ اُس کی نگاہ کھڑکی سے باہر کاریڈور میں اِن مریضوں پر تھیں جو دوسرے ڈاکٹروں سے چیک اَپ کروانے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کھڑکی میں سے کاریڈور کا آخری سرا بھی دکھائی دے رہا تھا جہاں داخلی دروازہ تھا۔ اُس کی ساری توجہ اِسی جانب تھی کہ اُس داخلی دروازے میں سے چند پولیس والے اندر داخل ہوئے' جن کے گھیرے میں ایک لمبا تڑنگا نوجوان تھا' اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پیروں میں بیڑی تھی۔ قدم قدم چلتے ہوئے بیڑی کی جھنکار ایک عجیب خوفزدہ کر دینے والا تاثر پیدا کر رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چل رہا تھا' بیڑی کا کنڈا اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اِنہی لمحات میں راحیلہ نے سکھ کا سانس لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ پولیس والے ملزم کو لے کر اِنہی کے کمرے میں آئیں گے۔ یوں تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی' وہ ڈاکٹر جمیل کی خرافات سے بچ جائے گی۔

کھلے دروازے میں سب سے پہلے ایس ایچ او داخل ہوا' پھر ملزم اور اس کے بعد دوسرے پولیس والے تھے۔ راحیلہ نے محسوس کیا کہ پولیس والوں کی تعداد معمول سے کچھ زیادہ ہی ہے' بلاشبہ وہ کوئی خطرناک مجرم ہوگا' تبھی اُس نے کمرے کے عین وسط میں کھڑے اِس ملزم کو دیکھا۔ لمبا قد' موٹی لیکن قدرے سرخ آنکھیں' ستواں ناک' پتلے پتلے ہونٹ جس پر ہلکی ہلکی مونچھیں بہت ہی جچ رہی تھیں' داڑھی پر اچھی خاصی لوئیں تھیں' بے ترتیب اور اُلجھے ہوئے بال کافی بڑھے ہوئے تھے۔ سرخ گال اور اِسی طرح ہونٹ' جو دائیں طرف سے پھٹا ہوا تھا' تنی ہوئی گردن پر دائیں جانب نیل پڑا ہوا تھا۔ مسلی ہوئی شلوار قمیص پر دھبے تھے' اُنگلیاں میلی ہو رہی تھیں۔ بلاشبہ وہ پولیس تشدد کا شکار ہو چکا تھا۔ اُس نے ملزم کو بہت غور سے دیکھا تھا اور تبھی اُسکے دل نے لمحے بھر میں گواہی دے دی کہ یہ نوجوان گنہگار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس سطح کا مجرم ہے' جس طرح پولیس اِسے یہاں لے کر آئی ہے۔ اُس کے چہرے پر ایک مانوس قسم کی معصومیت تھی' صرف اُسکی آنکھیں چہرے سے اجنبی دکھائی دے رہی تھیں' جن میں غصہ' نفرت اور بے باکی پوری طرح جھانک رہی تھی۔ اُس نے خالی کرسی دیکھی اور اُس پر بیٹھ گیا' تو ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اُسے کالر سے پکڑا اور غصے میں بولا۔

”اوئے! مر رہا ہے تو جو یہاں کرسی پر ڈھیر ہو رہا ہے ---- اُٹھ' کھڑا ہو جا۔ جب تک صاحب نہ کہیں تو کیسے بیٹھ سکتا ہے۔“

اگرچہ اس کے بیٹھ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا لیکن سپاہی کا یہ حکم محض اِسے ذلیل کرنے کے لئے تھا۔ اِس پر نوجوان نے گھوم کر اُس سپاہی کی طرف دیکھا۔ نوجوان کی نگاہوں سے شعلے برسنے لگے تھے جسے بھانپتے ہوئے ایس ایچ او نے فوراً کہا۔

”کوئی بات نہیں' بیٹھے رہو۔“ یہ کہہ کر اس نے ڈاکٹر جمیل کی طرف دیکھا جو عینک میں سے ایس ایچ او کو دیکھ رہا تھا' دونوں کی نگاہیں ملیں تو اُس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر صاحب! اِس کا میڈیکل چاہئے' کل اِسے ریمانڈ کے لئے پیش کرنا ہے۔“

”اوہ اچھا ----“ ڈاکٹر نے ساری بات سمجھتے ہوئے نوجوان کو غور سے دیکھا اور پھر ایس ایچ او سے پوچھا۔ ”کوئی ہڈی وڈی تو نہیں ٹوٹی ہے نا اس کی ----؟“

”آپ خود تسلی کر لیں' دیکھ لیں اِسے ----“

ایس ایچ او نے کہا تو ڈاکٹر نے اُٹھتے ہوئے اُسے ایک بیچ پر لیٹ جانے کا اشارہ کیا۔ تبھی وہ نوجوان ہاتھ کے اشارے سے اُسے روکتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو ڈاکٹر! پہلے مجھے پانی پینا ہے۔۔۔" اس کے لہجے میں ایسی غراہٹ تھی کہ ماحول میں سناٹا چھا گیا۔

"اِسے پانی پلاؤ۔"

ایس ایچ او نے ایک سپاہی کی جانب دیکھتے ہوئے حکم دیا تو نوجوان دھاڑتے ہوئے بولا۔

"اوئے مجھے تم نے کرآئے ہو تمہی پانی پلاؤ۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے ایک ہی سانس میں کئی گالیاں بک دیں۔ ایک لمحے کے لئے ایس ایچ او کی تیوریوں پر بل پڑے آنکھوں سے غصہ چھلکا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ بے عزتی برداشت کرتے ہوئے خود پانی لینے بڑھ گیا۔ اُس نے کونے میں دھرے کولر میں سے پانی کا ایک گلاس بھرا اور نوجوان کے پاس لے آیا۔ تبھی ملزم نے اُس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی جانب دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے گلاس گرا دیا' ایس ایچ او کے ہاتھ سے گلاس گر کر چکنا چور ہو گیا۔

"تمہیں اپنے باپ کو پانی پیش کرنے کی تمیز نہیں ہے؟"

نوجوان ملزم نے کسی گھاگ مجرم کی طرح کہا تو راحیلہ کانپ کر رہ گئی' اُسے وہ اپنا سارا تاثر ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا جو چند لمحے پہلے اُس نے اپنے تئیں ذہن میں بنایا تھا۔

"تم یہاں سے چلو' تمہیں ساری تمیز میں سکھاؤں گا۔۔۔"

ایس ایچ او نے دانت پیستے ہوئے کہا جسے بہرحال راحیلہ نے سن لیا۔ ایک لمحے کے لئے تصور میں وہ نوجوان اُسے خون میں لت پت دکھائی دیا تو وہ لرز گئی۔

"تمہیں تین دن ہو گئے ہیں مجھے تمیز سکھاتے ہوئے لیکن اب تک نہیں سمجھا پائے ہو۔ ڈرو اس وقت سے جب تم میری زبان بولو گے بے غیرت!"

ملزم نے غراتے ہوئے سرد لہجے میں کہا تو ایس ایچ او بھنا کے بولا۔

"تیرے جیسے کئی بھڑوے آئے اور گئے۔ گنجے کی طرح اپنے تکوے نہ چٹوائے تو میرا نام بھی سلامت خان نہیں۔۔۔ چل' میڈیکل کروا۔" اُس کے لہجے میں نخوت اور غصہ مکمل مل گیا تھا۔

"پہلے پانی۔۔۔"

وہ طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے حقارت سے بولا۔ اسی لمحے راحیلہ نے ایک طرف پڑا ہوا گلاس اُٹھایا اور کولر سے پانی بھرنے چل دی۔ تبھی ملزم نے کہا۔

"نہیں، یہی لے کر آئے گا۔۔۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو اس لئے چپ چاپ۔۔۔" ایس ایچ او غصے میں کہتے ہوئے خاموش ہو گیا تو وہ بولا

"مجھے کھول کر دیکھو پھر میں تجھے بتاؤں۔۔۔ ایک دفعہ کھول تو سہی۔"

اُس نے انتہائی غصے میں کہا تو ایس ایچ او بولا۔

"صبر۔۔۔ صبر میرے بچے! صبر کر۔ ابھی جا کے تجھے کھولتا ہوں۔"

"تم وہاں بھی نہیں کھولو گے مجھے۔۔۔ ایک بندھے ہوئے مرد کو تو پانچ دس ہیجڑے بھی مار سکتے ہیں۔"

ملزم کی آواز میں کسی زخمی چیتے کی سی غراہٹ تھی۔ راحیلہ کو نجانے کیوں وہ اچھا لگ رہا تھا۔ پانی بھر کر وہ آگے بڑھی اور اُس کے بالکل قریب جا کر اُس کا ہاتھ پکڑا اور اس میں گلاس تھماتے ہوئے بولی۔

"یہ لیں، پانی پی لیں۔۔۔"

راحیلہ کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اُس نے نگاہ اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ راحیلہ نے اس کی نگاہوں میں نجانے کتنی جولانیاں دیکھیں۔ مخمور نگاہوں میں کس قدر گہرائیاں تھیں، ایک لمحے میں وہ ڈور تک ڈوب جانے کے باوجود اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔

"نہیں، لے جاؤ۔۔۔"

ملزم نے کہا تو وہ اس کی نگاہوں کے سحر سے نکل آئی۔ اُس نے خود کو سمیٹا اور پھر دھیمے سے لہجے میں بڑے رسان سے بولی۔

"جوش سے نہیں، ہوش سے کام لیتے ہیں۔ پھر پہاڑ بھی ہوں نا رستے میں تو وہ بھی رستہ دے دیتے ہیں۔۔۔ پی لو۔" اُس کے یوں کہنے پر ملزم نے اِسے غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت اور پھر ممنونیت اُتری۔ اُس نے دھیرے سے گلاس پکڑ لیا۔ چند گھونٹ پانی پینے کے بعد اُس نے گلاس واپس کر دیا۔

"دیکھا، دیکھا۔۔۔ اس بے غیرت کو پیاس نہیں تھی یونہی تنگ۔۔۔"

ایس ایچ او نے کہنا چاہا تو ملزم نے غراتے ہوئے کہا۔

"خاموش۔۔۔ خاموش رہو ورنہ ابھی تجھے اپنے جوتے صاف کرنے پر لگا دوں گا۔"

"اوئے چل، سیدھا ہو کر بیٹھ۔۔۔" یہ کہہ کر ایس ایچ او نے گویا جان چھڑائی اور ڈاکٹر کو اشارہ کیا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟" ڈاکٹر نے سرسری سے معائنے کے بعد ملزم سے پوچھا۔

"جنید اقبال۔۔۔" اُس نے عام سے انداز میں کہا اور پھر تیزی سے بولا۔ "اس رپورٹ کی کوئی وقعت ہو گی یا نہیں مگر تمہارے بارے میں پتہ چل جائے گا کہ تم کیا شے ہو۔ رپورٹ لکھتے ہوئے میری یہ بات ذہن میں رہے۔"

"اوئے لے چلو اسے باہر۔۔۔"

ایس ایچ او نے کہا تو وہ سپاہی اسے باہر لے گئے۔ ایس ایچ او اپنی پسند کے مطابق رپورٹ بنوانے لگا۔ راحیلہ ایک جانب کھڑی رہی۔ ڈاکٹر اور ایس ایچ او مصروف تھے کہ نسرین جوزف آ گئی۔ ڈیوٹی ٹائم ختم ہو چکا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر کی قطعاً پروا نہیں کی اور وہ دونوں باہر چلی گئیں۔ جنید پولیس کے نرغے میں باہر لان کے ایک کونے میں کھڑا تھا۔ راحیلہ کو نجانے کیا سوجھی وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔ نسرین کو حیرت ہوئی کہ یہ کدھر جا رہی ہے؟---وہ جنید کے پاس جا کھڑی ہوئی اور اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی۔

"خوشی ہو یا اذیت! اسے برداشت کرنے کی صلاحیت انسان کے اندر ہوتی ہے---میری دُعائیں ہے تمہارے لئے---"

اُس نے کہا تو جنید نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ کتنے ہی لمحے وہ یونہی ساکت رہا۔ راحیلہ آگے بڑھ گئی۔ اس کے اندر ایک عجب طرح کی طمانیت اُتر آئی تھی۔

"کون تھا وہ تم نے کیا کہا ہے اُسے---کیا بات تھی؟"

نسرین ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گئی تو راحیلہ نے کہا۔

"ہاسٹل چلو بتاتی ہوں---"

اُس کے یوں کہنے پر نسرین اُلجھتے ہوئے اس کے ساتھ چلتی چلی گئی اُن دونوں کا رُخ اپنے ہاسٹل کی طرف تھا۔

☆☆

ہر شہر میں ایک مخصوص چوک تو ہوتا ہی ہے جہاں رات گئے تک چہل پہل رہتی ہے۔ اس چوک میں بھی رات کا دوسرا پہر گزر جانے کے باوجود رونق تھی۔ ٹریفک کا زور بہت حد تک ختم ہو گیا تھا' کھانے پینے کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں اور لوگ کھانے پینے کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھے۔ ہر جانب سکون محسوس ہو رہا تھا۔ بس ایک پنواڑی کی دوکان پر ریڈیو بج رہا تھا' جس کے ساتھ ہی چائے کی دوکان تھی اور کئی لوگوں کے ساتھ وہاں ہمایوں بھی اپنے تین دوستوں کے ساتھ چائے پینے گیا تھا۔ وہ چاروں لاء کے طالبعلم تھے اور ان دنوں اس کے فائنل امتحان چل رہے تھے۔ رات گئے پڑھائی کے بعد وہ یہاں چائے پینے آ گئے تھے۔ وہ یہاں آتے تو پنواڑی کی دوکان پر رکھے ریڈیو پر ضرور تبصرہ کرتے۔ پنواڑی نے وہ ریڈیو نشانی کے طور پر اَب بھی رکھا ہوا تھا۔ جب اُس کے باپ نے یہ دوکان شروع کی تھی تب یہ نیا تھا اور اَب دوسری نسل تک منتقل ہو گیا تھا۔

"دیکھو ریڈیو خاموش ہو گیا ہے۔ اب پتہ نہیں کس بینڈ پر کون سا اسٹیشن لگ گیا ہے؟" تنویر نے ہنستے ہوئے کہا تو اتنے میں چائے آ گئی۔

"چل چھوڑ تو چائے پی---"

ہمایوں نے کہا تو وہ چائے کی جانب متوجہ ہو گئے۔ وہ چائے پی رہے تھے کہ اچانک اُن کے قریب ہی ایک پولیس وین آ کر رُکی اور اگلے ہی لمحے اس میں سے چند سپاہی نکل کر آگے بڑھے۔ ایک سب انسپکٹر آگے تھا۔ وہ تیزی سے ساتھ ہی آئس کریم کی دوکان میں گھسے اور جاتے ہی سب انسپکٹر کاؤنٹر پر کھڑے آئس کریم والی دوکان کے مالک کو گریبان سے پکڑ کر باہر لانے لگا۔ وہ حیرت زدہ سا کچھ کہنے کی کوشش کرنے لگا مگر اس نے ایک نہ سُنی اور اُسے کھینچ کر دوکان سے باہر لے آیا۔ اس کھینچا تانی اور مزاحمت میں لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو گئے' ہمایوں بھی اُسی جانب دیکھ رہا

تھا۔ چند لمحے بعد وہ دوکاندار کو گھسیٹ کر سڑک پر لے آئے۔ اس دوران اس پر تھپڑوں اور مکوں کی بارش ہوتی رہی۔ دوکاندار بے چارہ ان سے یہی پوچھتا رہا کہ قصور تو بتائیں مگر اُسے قصور تو کیا بتایا جاتا' اُسے غلیظ گالیاں بھی دینے لگے۔ اُن کے اردگرد جو لوگ اکٹھا ہونا شروع ہو گئے وہ سب تماشا دیکھ رہے تھے' کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ پولیس والوں کا ہاتھ روک سکیں۔ ہمایوں بھی اُنہی تماشائیوں میں شامل تھا جو تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھا اس نوجوان دوکاندار کو پٹتا ہوا دیکھتا رہا۔ وہ نوجوان بے دَم سا ہو کر سڑک پر گر گیا تو ایک سپاہی نے اُس کے کپڑے اُتارنا شروع کر دیے۔ انہی لمحات میں نجانے ہمایوں کو کیا ہوا' وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور سب انسپکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''یہ سراسر لاقانونیت ہے۔ بس کرو' یہ ظلم مت کرو--- کچھ تو اس کی عزت کا خیال کرو۔''

اس کے یوں کہنے پر یکدم سناٹا چھا گیا۔ سب انسپکٹر نے اس کی جانب یوں دیکھا جیسے وہ بہت بڑا گناہ کر چکا ہو۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور پھر انتہائی حقارت سے بولا۔

''اوئے' تو کون ہے ہمیں عزت اور قانون کا سبق پڑھانے والا--- پہلے میں تجھے تو بتادوں کہ عزت اور قانون کیا ہوتا ہے؟''

یہ کہتے ہوئے اُس نے ایک زوردار تھپڑ ہمایوں کے گال پر دے مارا۔ تبھی اس سب انسپکٹر کی مدد کے لیے دو سپاہی لپکے' اُنہوں نے بھی اسے تھپڑوں اور مکوں پر رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی غلیظ ترین گالیوں کا طوفان اِن کے منہ سے اُبلتا رہا۔ ہمایوں نے کسی قدر مزاحمت کی کوشش کی لیکن اس کی پیش نہ چلی' چند ہی لمحوں میں وہ نڈھال ہو گیا۔ تبھی سب انسپکٹر نے اُونچی آواز میں کہا۔

''اُٹھاؤ اِن دونوں کو اور تھانے لے چلو' وہیں پوچھتے ہیں---''

یہ کہتا ہوا وہ وین میں بیٹھا تو سپاہی نے پہلے دوکاندار کو اور پھر ہمایوں کو وین میں جانوروں کی طرح پھینکا اور انہیں لے کر چل دیے۔ یہ سب آناً فاناً ہوا۔ وہ تو چلے گئے مگر چوک میں سوائے تبصروں کے اور کچھ نہ رہا' اس کے تینوں دوست بھی فوراً ہی وہاں سے چلے گئے۔

تھانے پہنچتے ہی اُنہیں سیدھا اس کمرے میں لے جایا گیا' جہاں ایک مدھم سا بلب روشن تھا اور ننگے فرش پر ایک لڑکا اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ دو سپاہی ڈنڈے لے کر اس کے اوپر کھڑے تھے اور ایس ایچ او ایک کرسی پر بیٹھا یہ کارروائی انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ ہمایوں کو یوں لگا جیسے وہ لڑکا بے ہوش ہو چکا ہے۔ وہ اپنے آپ کو پولیس ٹارچر سیل میں پا کر خوف زدہ ہو گیا۔

''تمہیں تو ایک کو لانے کے لئے بھیجا تھا اور تم دو لے آئے ہو---؟'' ایس ایچ او نے اِن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آئس کریم والا تو یہ ہے۔'' سب انسپکٹر نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''---اور یہ دوسرا---؟'' ایس ایچ او نے پوچھا۔

''یہ خواہ مخواہ کا خدائی فوجدار ہے' قانون اور عزت کی بات کرتا ہے۔ میں اسے ذرا قانون اور عزت کا سبق دینے کے لئے لایا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے مختصر سے انداز میں تفصیل بتادی۔ یہ سن کر ایس ایچ او نے کہا۔

''اسے اِدھر رہنے دو اور آئس کریم والے کو لے جاؤ' پوچھ اس سے اور نہ بتائے تو اِسے بھی لے آنا۔'' یہ کہہ کر اس نے ہمایوں کی طرف

دیکھا اور کہا۔ ”کیوں بے تجھے کیوں خارش ہوئی تھی؟“

”میں۔۔۔تو۔۔۔میں نے تو صرف۔۔۔“

ہمایوں نے ہکلاتے ہوئے کہا تو فرش پر پڑے ہوئے لڑکے نے خود کو سیدھا کر لیا۔ وہ جنید تھا‘ اس نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مرد بن اوئے مرد۔۔۔ جو کہا ہے‘ اس پر قائم رہ۔۔۔“ یہ کہہ کر وہ ایس ایچ او کو غلیظ سی گالی دیتے ہوئے بولا۔ ”چار دن ہو گئے‘ مجھ سے ایک بات بھی نہیں منوا سکے ہیں۔“

”بکواس بند کر۔۔۔“ ایس ایچ او دھاڑا۔

”یہ بکواس تو بند نہیں ہو گی‘ تجھے جو اکھاڑنا ہے‘ اکھاڑ لے۔۔۔“

جنید نے انتہائی طنز سے کہا‘ ایس ایچ او دانت پیس کر رہ گیا۔

”تجھے اگر صبح عدالت میں پیش نہ کرنا ہوتا تو میں بتاتا‘ ایک بھی ہڈی سلامت نہیں رہنی تھی۔۔۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے دونوں سپاہی کی طرف دیکھا اور پھر سارا غصہ ہمایوں پر اُتار دیا۔ جنید اپنے سامنے ہمایوں کو پٹتے ہوئے دیکھتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہمایوں بے ہوش ہو گیا۔

”اسے ہوش میں لاؤ۔۔۔“

ایس ایچ او نے کہا اور پھر سب انسپکٹر کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی چلا گیا۔ اس وقت صبح کی اذانیں ہونا شروع ہو گئی تھیں۔۔۔ شاید ہمایوں کے چوٹ کہیں زیادہ لگ گئی تھی‘ اسے ہوش نہیں آیا۔ سپاہی اپنے طور پر جتن کرتے رہے۔ تھک کر ان میں سے ایک باہر کی طرف گیا‘ تھوڑی دیر میں سب انسپکٹر اندر آیا‘ اس نے ہمایوں کو دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ تب جنید نے کہا۔

”اوئے لے جا اسے ہسپتال ورنہ تیرے گلے پڑ جائے گا۔ بندہ دیکھ کر تو ہاتھ ڈالا کرو۔۔۔“

”بک بک بند کر اوئے۔۔۔!“ سب انسپکٹر نے کہا اور سپاہیوں کو اسے اُٹھانے کا اشارہ کر کے خود بھی باہر چلا گیا۔

رات کا آخری پہر ختم ہونے کو تھا جب سرکاری ہسپتال میں پولیس وین داخل ہوئی۔ ڈاکٹر والے کمرے کے باہر دھرے بنچ پر لیٹے ہوئے بوڑھے وارڈ بوائے نے سر اُٹھایا۔ پولیس وین پر نگاہ پڑتے ہی وہ جلدی سے اُٹھ کر اس کی جانب بڑھا جہاں وین رُک چکی تھی اور دو سپاہی باہر آ چکے تھے۔ تبھی وین کی اگلی نشست سے اُترتے ہوئے سب انسپکٹر نے بوڑھے وارڈ بوائے سے اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

”ڈاکٹر ہے۔۔۔؟“

”جی وہ ابھی آ جاتے ہیں۔۔۔ آپ حکم کریں؟“

”اوئے جلدی سے بلاؤ‘ بڑا سیریس مریض ہے۔“

”جی میں ابھی لایا۔۔۔“

”یہ کہہ کر بوڑھا وارڈ بوائے ہسپتال کی کالونی کی جانب تقریباً بھاگتے ہوئے تیزی سے چل دیا۔ سب انسپکٹر ٹہلنے لگا‘ پھر ٹہلتے ہوئے رُک

کر سپاہیوں سے بولا۔

"دیکھو تو سہی زندہ ہے یا مر گیا ہے؟" یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر کو سوچا اور پھر تیزی سے بولا۔ "بلکہ ایسا کرو! اسے نکالو اور اس بنچ پر ڈال دو۔ اسے ہم نے اپنے کھاتے میں تو نہیں ڈالنا ہے---!"

اس کے حکم کے ساتھ ہی سپاہی پھرتی کے ساتھ وین کی جانب بڑھے۔ اگلے ہی چند لمحوں میں ہمایوں کو ٹانگوں اور کاندھوں سے پکڑ کر جانور کی طرح باہر نکالا اور اسے لے جا کر بنچ پر ڈال دیا جہاں پہلے بوڑھا وارڈ بوائے پڑا تھا---تقریباً دس منٹ بعد بوڑھے وارڈ بوائے کے ساتھ ڈاکٹر نمودار ہوا۔ ان دونوں کے قدموں میں تیزی تھی۔

"کہاں ہے مریض---؟"

ڈاکٹر نے آتے ہی سب انسپکٹر کی طرف دیکھ کر پوچھا تو وہ کرخت لہجے میں بولا۔

"وہ---اُدھر---بنچ پر پڑا ہے۔" ڈاکٹر نے اس طرف دیکھ کر قدم بڑھانا چاہا تو انسپکٹر نے مزید کہا۔ "سنو! ڈاکٹر! یہ لڑکا ہماری چھترول سے بے ہوش ہوا ہے۔ ممکن ہے ایسی جگہ چوٹ لگ گئی ہو جسے یہ برداشت نہ کر پایا ہو۔ فی الحال تو بے ہوش ہے مر بھی سکتا ہے لہٰذا ایسی صورت حال میں مدعا ہی غائب کرنا ہے۔ ہم اسے لائے ہی نہیں---اچھی طرح سن لیا ہے نا؟"

"پہلے مجھے مریض تو دیکھنے دو۔" ڈاکٹر نے قدرے نروس ہوتے ہوئے کہا۔

"کہا نا وہ پڑا ہے---ہم جا رہے ہیں تم اسے دیکھتے رہو۔ بچ گیا تو اچھا ہے بھگا دینا اسے---"

سب انسپکٹر یہ کہتا ہوا وین کی جانب بڑھ گیا۔ اس دوران وارڈ بوائے کسی جانب سوئی ہوئی نرس کو بھی اُٹھا لایا جو آنکھیں ملتی ہوئی آ گئی۔ وین جا چکی تھی اس کی آواز مدہم ہو کر معدوم ہو گئی تھی جب ڈاکٹر اس پر جھکا۔ اس نے نبض دیکھی، پپوٹے دیکھے دل کی دھڑکن سُنی تو اُسے یقین ہو گیا کہ مریض زندہ ہے۔ اُن تینوں نے اسے ایمرجنسی وارڈ میں ڈالا جس میں سارے دن کی گندگی ابھی تک پڑی ہوئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد ہمایوں کو ہوش آ گیا مگر یہ ہوش اُسے حواسوں میں نہیں لایا۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے اُنہیں دیکھتا رہا تو ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"اسے یہیں پڑا رہنے دو---" پھر پیڈ پر چند دوائیں لکھ کر نرس کو تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ دوائیں سٹور سے لے کر اسے دو۔ میں آفس میں ہی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

☆☆

انور علی اور اصغر علی، دونوں سگے بھائی تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک بہن تھی صغراں بی بی---انور علی اس وقت زیرِ تعلیم تھا جب اُن کے والد کا انتقال ہو گیا، اس طرح تمام تر ذمے داری انور علی کے کاندھوں پر آ پڑی۔ تھوڑی سی زمین تھی جس پر کاشتکاری کر کے وہ بہر حال

ایک خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔ بہت مشکل سے انور علی نے میٹرک تک تعلیم حاصل کر لی تو اسے گاؤں سے قریب اسی سکول میں عارضی نوکری مل گئی جس میں نہ صرف وہ پڑھاتا تھا بلکہ اب اصغر علی بھی پڑھ رہا تھا' پھر ان دنوں اس کی نوکری پکی ہو گئی جب اصغر علی پڑھنے کے لئے شہر چلا گیا۔ انور علی نے مزید تعلیم حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی کیونکہ گھریلو حالات نے اُسے اجازت ہی نہ دی تھی۔ ملازمت اور کاشتکاری نے اسے کچھ مزید سوچنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ جب انور علی انجینئرنگ کا امتحان پاس کر چکا تو انہوں نے صغراں کی شادی ساتھ والے گاؤں میں کر دی' اس کے ساتھ ہی انور علی کو بھی بیاہ دیا گیا۔ اصغر علی کی ملازمت کو ابھی سال بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی شادی بھی شہر کے ایک کاروباری گھرانے میں ہو گئی۔ والدہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوئی تو اللہ کو پیاری ہو گئی۔

وقت کا دھارا اپنی مخصوص رفتار سے بہتا چلا گیا اور اپنے پیچھے بہت ساری تبدیلیاں چھوڑتا گیا۔ انور علی کے دو بیٹے سعید اور ہمایوں پیدا ہو چکے تھے' صغراں بی بی کا شوہر اسے لے کر برطانیہ چلا گیا اور انور علی نے شہر میں شاندار گھر بنا لیا تھا جس میں اُس کے تین بچے فاخر' سلمٰی اور صفیہ' بہت پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ شروع میں دونوں بھائیوں کے درمیان بہت پیار اور احترام رہا۔ یہاں تک کہ ہمایوں اور صفیہ کی منگنی بچپن ہی میں کر دی گئی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جب اصغر علی کے پاس دولت آنا شروع ہوئی تو سب سے پہلے زرعی زمین تقسیم ہوئی اور پھر فروخت ہو گئی۔ اس کا اصغر علی کو تو کوئی فرق نہیں پڑا لیکن انور علی کی زندگی مشکل ہوتی چلی گئی۔ وہ زمین کی فروخت سے شہر کے ایک نچلے درجے کے علاقے میں گھر ہی بنا سکا' پھر ملازمت میں گھر چلانا اور بچوں کو پڑھانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا۔ یوں دن بدن اصغر علی کی دولت میں اضافے کے ساتھ معیارِ زندگی تبدیل ہوتا چلا گیا جبکہ انور علی کے حالات مشکل سے مشکل تر ہوتے چلے گئے مگر اس نے کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ بڑا بیٹا انجینئر اور چھوٹا وکیل بننے جا رہا تھا' وہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھی ان کی ضروریات کو پورا کر رہا تھا۔ سعید اپنی تعلیم کے لئے لاہور میں مقیم تھا' ہمایوں کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر بنے لیکن نجانے کیوں وہ اس کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔ اگرچہ وہ پڑھائی میں تیز تھا' ذہین اور سمجھدار تھا' ہمیشہ اچھے مارکس لیتا رہا تھا لیکن چند برسوں سے نجانے اسے کیا ہوا تھا کہ وہ ضدی' اکھڑ اور اپنی مرضی کا مالک ہو گیا تھا۔ انور علی کو سمجھ نہیں آ سکی کہ اس کے من میں کیا ہے جبکہ اصغر علی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک خوشحال اور بھرپور زندگی گزار رہا تھا' دولت نے اس کے گھر کا راستہ دیکھ ہی لیا تھا' اوپر سے کاروباری سسرال اس کے سارے کالے دھن کو کاروبار میں لگا کر سفید کر چکے تھے۔ یوں محض دولت کی بنیاد پر ان دونوں بھائیوں کی زندگی میں نہ صرف فرق پیدا ہو گیا تھا بلکہ رشتے داری کا احترام بھی تحلیل ہو چکا تھا اور اس دن تو یہ تعلق تقریباً ختم ہو کر رہ گیا تھا جب ہمایوں اور صفیہ کی منگنی کے بارے میں انور علی کی بیوی زینب نے یونہی سرسری سی بات کی تھی' اس پر اصغر علی نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

"بھابی! آج تو آپ نے اس منگنی کے بارے میں بات کر دی ہے لیکن آئندہ اس بات کا ذکر بھی نہیں کرنا' اس میں ہی بھلائی ہے۔"

"میں سمجھی نہیں---؟" زینب نے حیرت سے پوچھا۔

"اس میں سمجھ نہ آنے والی کوئی بات نہیں ہے--- وہ پرانی بات تھی' کسی کو کیا پتہ تھا کہ آئندہ حالات کیا ہوں گے۔ اب ہم میں اور آپ لوگوں میں اسٹیٹس کا بہت بڑا فرق ہے۔ آپ لوگوں کی سال بھر کی کمائی' میرے ایک مہینے کی آمدن کے برابر بھی نہیں ہے۔ ہمایوں کیا دے سکے گا

اسے؟ وکالت چلتے چلتے چلتی ہے۔ میں اپنی بیٹی کی زندگی برباد نہیں کر سکتا اس لئے میرا خیال ہے کہ ہمیں اس منگنی کے بارے میں بھول جانا چاہئے۔"

"اصغر علی! تم نے کتنے آرام سے رشتے ناتے ختم کر دیئے ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہو سکے گا' کیا بچوں کو اس تعلق کے بارے میں پتہ نہیں؟---ساری دُنیا جانتی ہے---"

"ساری دُنیا کو چھوڑیں بھابی! اور رہی بچوں کی بات تو ہمایوں ساری زندگی میری بیٹی کو وہ معیارِ زندگی نہیں دے سکے گا جو اسے اَب میسر ہے۔ میں تو کہتا ہوں یہ فضول بحث اَب ختم ہو جانی چاہئے۔"

"اس سے دونوں خاندانوں کے درمیان---" زینب کہتے کہتے رُک گئی۔

"پتہ ہے تعلقات ختم ہو جائیں گے---تو ہو جائیں' مجھے اسکی پرواہ نہیں ہے۔" اصغر علی نے حتمی انداز میں کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی۔

اس دن کے بعد اِن دونوں خاندانوں میں تعلقات تقریباً ختم ہو کر رہ گئے تھے۔ خونی رشتوں میں اسٹیٹس کے فرق نے سرد مہری گھلا کے رکھ دی تھی۔ اس کا سب سے زیادہ اثر ہمایوں نے لیا تھا۔ اگرچہ اُس نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا لیکن اُس کی سوچوں میں بھونچال آ چکا تھا۔ صفیہ بچپن ہی سے اُس کے ساتھ منسوب ہو چکی تھی' بڑھتی عمر کے ساتھ اُس نے صفیہ ہی کو اپنے خیالوں اور سوچ کی پنہائیوں میں محسوس کیا تھا۔ وہ اسے پوری طرح اپنا مان چکا تھا۔ محبت کی کونپل پھوٹی تو وہ نہ صرف اُس کے من میں پودے کی طرح پھیل چکی تھی بلکہ اپنی خوشبو سے اسے مسحور بھی کر چکی تھی۔ اس نے تعلق کے ختم ہو جانے پر احتجاج نہیں کیا تھا' بالکل خاموش تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ صفیہ کو حاصل کر کے رہے گا۔ اُس کے یقین کی بنیاد اپنے آپ پر اعتماد کی وجہ سے تھی۔ شاید یہ وہی لمحہ تھا جب اُس کی محبت نے عشق کی حدود میں قدم رکھ دیا تھا۔ کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ اندر ہی اندر اپنے من میں نجانے کتنے فیصلے کر چکا ہے۔ انور علی تو اپنے بچوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی دُھن میں' حالات کی چکی میں پس رہا تھا۔

انور علی کے لئے یہ خبر بہت بڑا دھچکا تھی کہ ہمایوں کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔ اگرچہ اُسے یہ بتا یا بھی گیا کہ ہمایوں بے قصور ہے' اُس سے محض اتنی سی غلطی ہوئی تھی کہ سب انسپکٹر کو ظلم کرنے سے باز رہنے کو کہہ بیٹھا تھا لیکن وہ شخص جس نے ساری زندگی اپنی عزت کے لئے ہی تگ و دو کی تھی' وہ اپنی نگاہوں میں آپ ہی گر گیا۔ رات کے پچھلے پہر جب اُسے بتایا گیا تھا۔ اس وقت ہی سے وہ شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ گھر میں سوگواری چھائی تھی۔ اس وقت اذانیں ہو رہی تھیں' جب زینب نے انور علی سے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"جب اُس کے دوست کہہ رہے ہیں کہ ہمارے بچے کا کوئی قصور نہیں ہے تو پھر تم کیوں اس طرح سوگوار بیٹھے ہو اور ہم اُس کی مدد نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟"

"زینب! پوری زندگی میں تھانے نہیں گیا اور اَب---" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"تم پتہ تو کرو جا کر---"

زینب نے روتے ہوئے کہا تو انور علی نے اُس کے چہرے کی جانب دیکھا اور پھر اُٹھ گیا---

www.paksociety.com

اس وقت سپیدۂ سحر نمودار ہو چکا تھا جب انور علی تھانے میں گیا۔وہاں پر سناٹا چھایا ہوا تھا' ایک جانب دو سنتری کھڑے تھے اور دفتر میں منشی لیٹا ہوا تھا' آہٹ پا کر وہ متوجہ ہوا تو انور علی نے پوچھا۔

"یہاں پر رات ہمایوں کو لایا گیا تھا' میں اُس کا باپ ہوں---"

اُس کے یوں کہنے پر منشی نے خمار آلود آنکھوں سے اُس کی جانب دیکھا اور قدرے سوچتے ہوئے بولا۔

"رات دو تین لڑکوں کو لائے تو تھے لیکن اِن میں کوئی ہمایوں نام کا نہیں ہے---خیر جو بھی ہیں' وہ اِس وقت حوالات میں ہیں۔وہاں دیکھ لو اگر اُن میں سے ہوا تو آ کے بات کر لینا ورنہ جاؤ کہیں اور جا کے پتہ کرو---"

یہ کہہ کر وہ پھر سے لیٹ گیا۔انور علی پلٹا اور حوالات کی جانب چلا گیا۔وہاں چند لوگ تھے۔اِن میں جنید بھی تھا جو دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔انور علی نے سب پر نگاہ ڈالی تو اُسے ہمایوں دکھائی نہیں دیا جبکہ جنید اُس کی جانب بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔چند لمحوں بعد وہ بولا۔

"کس کو تلاش کر رہے ہو بزرگو---؟" جنید کے لہجے میں کافی حد تک ملائمت تھی۔

"بیٹے!یہاں میرا بیٹا رات لایا گیا ہے' میں نے سنا ہے' وہ---"

انور علی اِس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا تو جنید نے پاس پڑے لڑکے کو اُٹھایا' اُس نے سر پر سے کپڑا ہٹایا تو وہ آئس کریم والا تھا۔

"یہ تو نہیں ہے---؟" جنید نے پوچھا۔

"نن نہیں۔یہ نہیں ہے---" انور علی نے تیزی سے کہا۔

"تو پھر وہ دوسرا ہو گا جو خواہ مخواہ اُسے بچاتے ہوئے پھنس گیا۔" اُس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر آئس کریم والے سے پوچھا۔"اوئے تیرے ساتھ جو لڑکا تھا' کیا تو اُسے جانتا ہے؟"

آئس کریم والے نے پہلے جنید کو اور پھر انور علی کو دیکھا' پھر سوچتے ہوئے بولا۔

"وہ لڑکا روزانہ ہی چائے پینے آتا تھا اپنے دوستوں کے ساتھ' شاید اُس کا نام ہمایوں ہے۔"

"اِس وقت کہاں ہے وہ---؟" انور علی نے جلدی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں---اِن لوگوں نے اُسے بہت مارا تھا' وہ برداشت نہیں کر سکا اِس لئے بے ہوش ہو گیا تھا۔میرا خیال ہے' وہ اُسے کہیں چھوڑ آئے ہیں---"

جنید نے کہا تو انور علی کا دل دھک سے رہ گیا۔وہ چاہے جس قدر شرمندگی محسوس کر رہا تھا لیکن آخر باپ تھا' اپنے بیٹے کے بارے میں ایسی بھیانک بات سن کر اُس کا کلیجہ منہ کو آ گیا تھا۔وہ تیزی سے منشی کے پاس گیا اور اُسے ساری صورت حال بتائی۔

"او جاؤ یار! کہیں اور پتہ کرو اُس کا---حوالات میں نہیں ہے تو ہمارے پاس نہیں۔مجھے اُس کا نہیں پتہ---اب جاؤ' میرا سر نہ کھاؤ۔"

منشی نے انتہائی کھردرے انداز میں کہا تو انور علی مایوس ہو گیا۔وہ تھانے سے نکل آیا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کرے؟ایسے میں

اُسے یہی سوجھا کہ وہ اپنے بھائی اصغر علی کے پاس جائے۔ وہ جیسا بھی ہے' اُس کی مدد ضرور کرے گا۔ اُس کا بہت زیادہ اثر و رسوخ ہے۔ اس لئے یہ کام اُس کے لئے اتنا مشکل نہیں ہو گا--- اس وقت سورج نکل آیا تھا جب وہ انور علی کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اصغر علی نے ساری روداد بہت سکون سے سُنی تھی۔ انور علی جب کہہ چکا تو بڑے سکون سے بولا۔

"دیکھیں بھائی صاحب! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن جہاں تک معاملہ ہمایوں کا ہے' میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں کچھ نہیں کرسکتا اور پھر یہ پولیس وغیرہ کا چکر میرے بس میں نہیں ہے۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"اصغر علی! میرا بیٹا بے قصور ہے---"

"اُسے کیا ضرورت تھی کسی اور کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی' اَب بھگتے---"

"یہی ایک معمولی غلطی ہوئی ہے اُس سے لیکن پولیس کا رویہ دیکھو' کوئی بتا ہی نہیں رہا کہ وہ کہاں ہے۔ تم اپنا اثر و رسوخ استعمال کرو' یہی پتہ کرو کہ وہ کہاں ہے؟ اس کے بارے میں معلوم تو ہو۔" انور علی نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں تا کہ میرے جاننے والوں کو پتہ چل جائے کہ میرے بڑے بھائی کا بیٹا مجرم ہے' تھانے کچہری میں--- کچھ تو ہے جو اُسے پولیس پکڑ کر لے گئی ہے ورنہ پولیس والوں کا سر نہیں پھرا جو یوں لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے پھریں۔ اتنی بھی اندھیر نگری نہیں ہے۔ آپ مان لیں کہ آپ کا بیٹا مجرم ہے۔ اُس نے جرم---"

"وہ بے قصور ہے---" انور علی نے سختی سے تردید کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں آپ تو کہیں گے' آپ کی اولاد ہے وہ--- بہر حال میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔"

اصغر علی نے سرد مہری سے کہا تو انور علی اُس کی طرف حیرت سے دیکھتا رہا۔ جسے اُس نے اولاد کی طرح پالا تھا' اُس کے دماغ پر دولت اس حد تک خمار کی صورت چڑھ گئی تھی کہ بھائی کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اُسے زندگی میں پہلی بار اتنا شدید دُکھ ہوا تھا' تھوڑی دیر تک تو وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا' تبھی اصغر علی نے کہا۔

"مجھے کہیں جانا ہے' آپ چائے پی کر جائیے گا---"

اُس نے جواب کا انتظار بھی نہیں کیا اور اُٹھ کر چلا گیا تھا۔ انور علی کی آنکھوں میں بس آنسو نہیں آئے ورنہ اُس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ وہ اُٹھا اور اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ وہ مایوسی کی انتہا پر تھا۔ جب اپنا ہی خون سفید ہو جائے تو پھر کسی سے کیا اُمید رکھی جاسکتی ہے؟ اُسے نہ ہمایوں سے کوئی شکوہ تھا اور نہ اصغر علی سے کوئی شکایت' اُسے گلہ تھا تو فقط اپنی قسمت سے' جس نے کبھی بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اُس نے ماضی میں جھانک کر دیکھا' شاید کہیں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو' جس کی سزا اُسے مل رہی ہو لیکن ایسا کچھ بھی اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا--- وہ انتہائی دلبرداشتہ ہو کر اپنے گھر کی دہلیز تک جا پہنچا۔

☆☆

www.paksociety.com

"تمہیں معلوم ہے تایا جی کیوں آئے تھے؟" سلمیٰ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو کالج کے لئے تیار ہوتی ہوئی صفیہ نے کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا۔

"مجھے الہام نہیں ہوتے اور پھر مجھے ضرورت بھی نہیں ہے کہ اُن کے بارے میں معلومات لیتی پھروں---"

"ارے بڑی فنٹاسٹک خبر ہے۔" یہ کہتے ہوئے سلمیٰ نے چائے کا سپ لیا۔

"کیا ہے---؟"

صفیہ نے بالوں میں کلپ لگاتے ہوئے آئینے میں دیکھا اور اسی لاپرواہی سے پوچھا تو سلمیٰ نے ساری تفصیل بتادی جس پر تبصرہ کرتے ہوئے صفیہ نے نخوت سے کہا۔

"یہ جو غریب غربا ہوتے ہیں نا' اِن کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی ناآسودہ خواہشوں اور مجبوریوں کے باعث اپنے اندر پیدا ہونے والی گھٹن کو دور کرسکیں' ایسے میں وہ اپنی اوقات سے بڑھ کر بہت کچھ کرجاتے ہیں۔ نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اُنھیں اپنی اوقات پر ہی آنا پڑتا ہے جیسا کہ اِس ہمایوں کے ساتھ ہوا ہے--- کس نے کہا تھا کہ وہ دوسروں کے معاملے میں دخل دے؟"

اپنی طرف سے اُس نے پورا تجزیہ کرڈالا تھا جس سے صفیہ کی ذہنی کیفیت کا بھرپور اندازہ ہوتا تھا۔ اُس نے اپنا سراپا آئینے میں دیکھا۔ ہلکا سا میک اَپ' جس میں آنکھوں پر خاص توجہ دی گئی تھی' بڑی بڑی آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی ڈور اور پلکوں کو مسکارے سے سجایا ہوا تھا۔ کس کر باندھی گئی چوٹی' ہلکے ذودھیا رنگ کے ناپس اور گلابی گداز ہونٹوں پر ہلکا سا لپ لائنر لگایا ہوا تھا۔ مطمئن سی ہوکر اُس نے آنچل گلے میں ڈالا اور سائیڈ ٹیبل پر دھری کتابیں اُٹھا کر بیگ پر رکھنے لگی۔

"ویسے بڑے عرصے بعد اُنہوں نے ہمارے ہاں چکر لگایا ہے۔" سلمیٰ اپنی ہی دُھن میں کہے جارہی تھی۔

"مجبوری تھی نا' ورنہ وہ کیوں آتے؟" صفیہ نے بیگ کاندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ویسے ہمایوں دیکھنے میں بُرا نہیں ہے۔ ٹھیک ٹھاک ہے' ہینڈسم ہے' بات کرنے کا بھی اُسے سلیقہ ہے۔ بس یہ---"

"---- دولت نہیں ہے۔" صفیہ نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "سلمیٰ! یہ دولت آج کی حقیقت ہے۔ اگر اِن کے پاس بھی روپے کی ریل پیل ہوتی تو ہمارے گھر مدد کے لئے نہ آتے' فوراً ہی روپیہ خرچ کرتے اور اُسے چھڑا کے لے آتے اور بات کرنے کا سلیقہ ہوتا نا اُسے تو یوں مار کھاتا----؟" صفیہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اگر اُس کی تمہارے ساتھ شادی ہوجاتی---"

"ایسا خواب مَیں بھی نہیں سوچ سکتی وہ۔ میرا باپ سلامت رہے میرے سر پر' وہ ہمیں اتنا خرچ دیتا ہے جو اُس نے اَب تک دیکھے بھی نہیں ہوں گے۔ پھر اُن کے اور ہمارے اسٹیٹس کا بہت فرق ہے۔ وہ تو مجھے وہ سہولیات نہیں دے سکتا جو مجھے یہاں میسر ہیں--- نہ مَیں اُس کے ساتھ بھوکوں نہیں مرسکتی اور پھر مجھے وہ پسند ہی نہیں ہے۔ مَیں ایسا سوچ ہی نہیں سکتی۔"

"ویسے ایک بات ہے ——" سلمٰی نے کہنا چاہا تو صفیہ جلدی سے بولی۔

"سلمٰی آپ! تم صبح صبح کیا قصہ لے کر بیٹھ گئی ہو۔ مجھے کالج جانا ہے' ابھی میں نے ناشتہ بھی کرنا ہے۔ چھوڑو ان فضول لوگوں کی بات ——"

اُس کے یوں کہنے پر سلمٰی نے شاکی نگاہوں سے اُس کی جانب دیکھا اور کپ میں پڑی ہوئی چائے ایک ہی گھونٹ میں پی گئی —— صفیہ کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

☆☆

جس طرح ہماری دم توڑتی سماجی قدروں نے اِنسانی جذبات واحساسات کو پامال کیا ہوا ہے' ٹھیک اسی طرح خود غرضی کی ہوا نے ماحول کی خوبصورتی کو زہر آلود کر کے رکھ دیا ہے۔ راحیلہ کا حسن بھی اس کے لئے عذاب بن گیا تھا۔ میٹرک کر لینے کے بعد جب اُس نے نرسنگ سکول میں داخلہ لیا تھا تو اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کن لوگوں میں جا رہی ہے۔ مسیحائی کے اس مقدس پیشے سے متعلق لوگوں کی رائے کیا ہے۔ وہ ایک نرس کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ ہسپتال کے اندر وارڈ بوائے سے لے کر ڈاکٹرز تک کیسے کیسے مردوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ اُسے تو یہ خبر بھی نہیں تھی کہ ایک نرس کسی مریض سے تنگ نہیں ہوتی بلکہ مریض کے لواحقین سے وہ زیادہ دل برداشتہ ہوتی ہے۔ راحیلہ کو احساس تو اسی وقت ہونا شروع ہو گیا تھا جب اُس نے ہسپتال میں ڈیوٹی دینا شروع کر دی تھی۔ ایک عجیب عدم تحفظ والا ماحول اُس کے اردگرد بن گیا تھا۔ ہاسٹل کے اندر ہوتی تو چند سینئر نرسوں کا اُس کے ساتھ بڑا پراسرار قسم کا برتاؤ ہوتا جیسے اُس کا بہت زیادہ ہی خیال رکھا جا رہا ہو۔ ہسپتال میں ہوتی تو سنسناتے ہوئے فقرے' بدن میں چھید کر دینے والی نگاہیں اور سوقیانہ جذبات کا اظہار اُس کی سوچوں میں زہر بھر دیتا جس سے وہ نہ صرف ہمیشہ بے چین اور مضطرب رہتی بلکہ نامعلوم خوف اُسے ہر وقت گھیرے میں لیئے رکھتا۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی پر ماحول بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے لیکن انسان کسی بھی ماحول کا حصہ اس وقت بنتا ہے جب وہ اس ماحول کو قبول کرلے ورنہ اگر اندر سے مزاحمت رہے تو تذبذب اور خوف اُسے قبولیت سے پرے رکھتا ہے۔ راحیلہ بھی شاید اس ماحول کا حصہ بن جاتی لیکن اُسے اپنی بیوہ ماں کا آنسوؤں بھرا چہرہ ہمیشہ یاد رہتا، جس نے شہر جاتی ہوئی راحیلہ سے صرف اتنا کہا تھا۔

"بیٹی! تیری ماں نے عزت سے زندگی گزاری ہے بس میری اس عزت کی لاج تیرے ہاتھوں میں ہے۔"

اُسے نہ اپنی ماں کا چہرہ بھولا اور نہ وہ درد بھرا لہجہ یہی اُس کی ڈھال بن گئے ورنہ غریب گھروں سے آئی ہوئی معصوم نوعمر اور نوخیز لڑکیاں ان گھاگ شکاریوں کے ہاتھوں میں تو بس پھڑ پھڑا کر رہ جاتی ہیں جو ہمیشہ اپنے شکار کی تاڑ میں رہتے ہیں۔۔۔ ممکن تھا کہ سبز باغ اور لالچ کی چکا چوند میں راحیلہ اپنی ماں کا چہرہ اور لہجہ بھول جاتی لیکن جب بھی کبھی ایسا ہوا اُس دھندلاتے ہوئے چہرے اور لہجے کو اُس کی روم میٹ نسرین جوزف واضح کر دیتی۔ وہ بھی انہی لڑکیوں میں سے تھی جنہیں اپنی عزت و عصمت کا پاس ہوتا ہے اور وہ ماحول کی آلودگیوں سے دُور رہنے کی حتی المقدور کوشش کرتی ہیں۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے دُکھ کا مداوا تھیں۔ اگر وہ مل کر خوش ہوتی تھیں تو آنسو بہانے میں بھی شریک رہتی تھیں۔ یوں اُن کی ٹریننگ کا آخری سال آ گیا تھا۔ اسی سال راحیلہ کا سامنا ڈاکٹر جمیل جیسے شخص سے ہوا جس نے اُسے ذہنی اذیت میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر پرانا شکاری تھا جسے شکار کو تھکا کر مارنے میں مزہ آتا تھا۔ وہ اُس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ راحیلہ جو اَب تک ماحول سے مزاحمت کرتی چلی آرہی تھی' ڈاکٹر جمیل کے سامنے آ کر اُسے یوں لگا جیسے اس کی ساری توانائی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ رسائی اور پہنچ والا بندہ تھا ورنہ ہر بار اس کی ڈیوٹی اسی ڈاکٹر کے ساتھ نہ لگتی۔ اُس نے بہتری کوشش کی اپنی سپرنٹنڈنٹ سے بھی کہا لیکن اُس کی کسی نے نہ سُنی۔ ہمیشہ اُس کی ڈیوٹی ڈاکٹر جمیل کے ساتھ لگ جاتی' جس کی توجہ مریضوں پر کم اور اس پر زیادہ رہتی جبکہ راحیلہ اس سے شدید نفرت کرتی تھی۔

"اب اُٹھ جا نسرین! ڈیوٹی شروع ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے۔" راحیلہ نے اُسے اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"اُو یار! یہ صبح صبح کی ڈیوٹی بھی نا۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے نسرین نے بھرپور انگڑائی لی پھر اٹھ کر تیزی سے تیار ہونے لگی۔ دونوں ناشتہ کرنے کے بعد جب ہسپتال کی جانب چلیں تو ڈیوٹی کا وقت ہو چکا تھا۔ دونوں تیز تیز جا رہی تھیں کہ اچانک نسرین نے کہا۔

"آج پھر اُس منحوس کا چہرہ دیکھنا پڑے گا تمہیں۔۔۔"

"اُس ڈاکٹر کا۔۔۔؟" اُس نے خیالوں میں کھوئے ہوئے کہا' پھر گہری سنجیدگی سے بولی۔ "ارے وہ تو اَب معمول بن گیا ہے لیکن جب سے میں نے جنید کو دیکھا ہے نا' تو پتہ نہیں کیوں مجھے اپنا آپ بدلتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔"

"ہائیں۔۔۔ آج صبح تو ایسی کوئی بات نہیں تھی؟" نسرین نے حیرت سے پوچھا۔

"کل ہی سے نہ صرف مجھے اعتماد آیا ہے بلکہ بہت حوصلہ ملا ہے۔ میں وہ راز جان گئی ہوں کہ بُرے سے بُرے ماحول میں بھی خود کو کیسے بچایا جا سکتا ہے۔"

"خدا کرے۔۔۔"

نسرین نے کہا اور پھر دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے وارڈز کی جانب چل دیں۔ راحیلہ خود میں بہت اعتماد اور حوصلہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ جس وقت ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچی تو اس کی ساتھی نرسیں بھی آ چکی تھیں جبکہ ڈاکٹر کی میز پر ڈاکٹر جمیل براجمان تھا۔ وہ شاید اسی کے انتظار میں تھا۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی اُس نے بڑے ہی پیار سے کہا۔

"راحیلہ! ادھر آ جاؤ اور بتاؤ کہ لیٹ کیوں ہو گئی ہو۔۔۔؟"

اُس کے لہجے میں ملائمیت ملی خوشامد تھی جس پر راحیلہ چند لمحے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچتی رہی، پھر لفظوں کو چباتے ہوئے بولی۔

"سنو ڈاکٹر! میں اَب تک تمہاری بہت زیادہ بکواس سن چکی ہوں لیکن اَب نہیں۔ اَب اگر تم نے میرے سامنے کوئی بیہودہ بات کی نا تو تمہارے دانت توڑ دوں گی۔ سمجھے تم۔۔۔؟"

اُس نے کہا تو کمرے میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ اس کی ساتھی نرسیں بھی حیرت زدہ سی خاموش ہو گئیں۔ راحیلہ نے کسی کی پرواہ نہیں کی اور اپنی کرسی پر جا بیٹھی۔ ایسا کہہ کر اُسے کوئی پشیمانی نہیں بلکہ روحانی آسودگی ملی تھی۔ وہ پُرسکون ہو گئی تھی۔ اس نے یہ دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی کہ ڈاکٹر جمیل کا چہرہ کس قدر مسخ ہو گیا ہے؟

☆☆

ہمایوں کی جب آنکھ کھلی تو پہلے اُسے سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے؟ دھیرے دھیرے جب شعور نے اُس کا ساتھ دیا تو اُسے سمجھ آنا شروع ہو گئی۔ چوک، آئس کریم والا، سب انسپکٹر، سپاہی، تشدد، تھانہ، اُسے سب یاد آ گیا۔ پھر اُسے ہوش نہیں رہا تھا۔۔۔ اُس نے اپنے اِرد گرد دیکھا۔ خاکروب کمرے کی صفائی کر رہا تھا، تبھی وہ پہچان گیا کہ وہ ہسپتال میں ہے۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو پورا بدن ٹیسوں میں بدل گیا، اُس کے منہ سے کراہ نکل گئی اور وہ پھر سے بیڈ پر ڈھیر ہو گیا۔ اُسے لگا جیسے وہ پھر بیہوش ہونے کو ہے۔ خاکروب نے کراہ سنی تو جھاڑو پھیرنا بند کر دی اور اُس کی طرف لپکا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤ، پلیز۔۔۔!" اُس نے بمشکل خاکروب سے کہا۔

"اِس وقت تو کوئی بھی نہیں ہے جی۔۔۔" وہ بولا۔

"کسی نرس ہی کو بلا دو۔" ہمایوں نے کراہتے ہوئے کہا۔

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہی رات والا ڈاکٹر آ گیا، اس کے ماتھے پر تیوریاں چڑھی ہوئیں تھیں۔ اس نے ہمایوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بولو، کیسا محسوس کر رہے ہو۔۔۔؟"

"ڈاکٹر! میرا پورا بدن۔۔۔۔ دُکھ رہا ہے اور۔۔۔۔"

"دیکھو! اگر تم اپنا بیان یہ دو کہ تمہیں کسی گاڑی وغیرہ کے ساتھ حادثہ پیش آ گیا ہے تو میں ابھی تمہیں ایڈمٹ کر لوں گا اور تمہارا علاج بھی ٹھیک ہو جائے گا۔"

"لیکن ڈاکٹر! مجھے تو پولیس نے۔۔۔۔"

ہمایوں نے کہنا چاہا تو وہ اُس کی بات کاٹ کر بولا۔

"اُسے بھول جاؤ۔"

"کیسے بھول جاؤں۔۔۔۔؟" اُس نے احتجاجاً کہا۔

"تو پھر سوری۔۔۔۔ میں تمہاری وجہ سے اَب تک یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ تم اَب تک یہاں درج نہیں ہو جانا پڑے گا تمہیں اور نئی شفٹ کے لوگ تمہیں قبول نہیں کریں گے۔ اب تمہارا جو فیصلہ ہو۔"

ڈاکٹر نے اشارے میں اُسے اپنا مدعا کہا تو ہمایوں سوچ میں پڑ گیا۔ پھر دھیرے سے پوچھا۔

"مجھے یہاں کون لایا تھا۔۔۔۔؟"

"وہ لوگ تھے وہ تمہیں یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ انہوں نے اپنا نام پتہ بھی نہیں بتایا۔" ڈاکٹر نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے ڈاکٹر! آپ بھی مجبور ہو سچ نہیں بول سکتے۔۔۔۔ خیر! ابھی میں اِس قدر ٹوٹی پھوٹی حالت میں گھر نہیں جانا چاہتا۔ آپ مجھے ایڈمٹ کر لیں۔" ہمایوں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔" یہ کہہ کر اُس نے کلپ بورڈ اُس کے سامنے کر دیا۔ "یہاں دستخط کرو۔"

ہمایوں نے دستخط کر دیئے تو ڈاکٹر نے ایڈمٹ سلپ بنا دی اور چلا گیا۔۔۔۔

اُسے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ ہمایوں کو ڈرپ لگ گئی تو وہ سوچنے لگا کہ میں کس طرح کے معاشرے میں جی رہا ہوں۔ کیا یہ انسانوں کا معاشرہ کہلانے کا حقدار ہے؟۔۔۔۔ طاقت کا قانون تو جنگل میں ہوتا ہے تو کیا ہماری شہری آبادیاں بھی جنگل بن چکی ہیں؟ بلاشبہ جرائم پیشہ لوگ کسی بھی معاشرے کے لئے ناسور ہوتے ہیں لیکن کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ معاشرے میں وہ کون سے عناصر ہیں جو مجرم پیدا کر رہے ہیں؟۔۔۔۔ جہاں خوف ہو وہاں اعتماد نہیں ہوتا اور جہاں ظلم ہو وہاں بغاوت ضرور جنم لیتی ہے۔ ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ قانون نافذ کرنے والے ادارے ہی جب قانون شکنی پر اُتر آئیں تو اس معاشرے کا اللہ ہی حافظ ہوتا ہے تب اس معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ نسلوں تک جا پہنچتی ہے پھر وہاں اخلاقی قدروں پر ماتم بے کار ہوتا ہے۔

ہمایوں کی ذہنی رو اس طرف بہہ نکلی تو اسے اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا۔ بے بسی میں انسان فقط اپنے آپ ہی کو جلا سکتا ہے۔ اُس نے ان سارے خیالات کو جھٹک دینا چاہا لیکن دماغ تو کبھی کسی وقت بھی سوچ سے خالی نہیں رہ سکتا۔ اُس نے بساط ذہن پر سے مہرے ہٹا دیئے تو دماغ

نے سوچوں کا نیا کھیل کھیلنے کے لئے پھر سے مہرے سجانا شروع کر دیئے۔ اُس کی سوچوں پر صفیہ حاوی ہو گئی تھی جسے اُس نے بچپن ہی سے چاہا تھا۔ اُسے اگر میرے بارے میں پتہ چلے گا تو اُس کا ردِعمل کیا ہو گا۔ کیا اُس نے تھوڑا بہت دُکھ محسوس کیا ہو گا یا پھر اُسے معلوم ہی نہیں کہ میں کس حال میں ہوں؟ ـــــ صفیہ کا خیال آتے ہی اُس کے ذہن میں یہ سوال گونجے تھے اور اِن کا جواب بھی اُسے معلوم تھا۔ اُسے پتہ تھا کہ اُس کا نہ کوئی ردِعمل ہو گا اور نہ ہی اُسے کوئی دُکھ محسوس ہوا ہو گا۔ بچپن میں اگر وہ ساتھ کھیل لیتے تھے تو وہ اُن کے بھولپن کا دَور تھا لیکن بڑھتی عمر کے ساتھ وہ اِس سے دُور ہوتی چلی گئی۔ اِس میں اِن کے خاندانوں کے درمیان دُوری بھی وجہ تھی جو دھیرے دھیرے پیدا ہو چکی تھی لیکن اُس کے دل سے صفیہ محو نہیں ہو سکی تھی۔ ہر نئے دِن کے ساتھ اُس کی محبت دِل میں بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ دو سال قبل جب اُنہوں نے منگنی سے بھی انکار کر دیا تھا' اِس وقت سے ہمایوں نے صفیہ کا حصول اپنا مقصد بنا لیا تھا۔ اُسے اِن ساری مجبوریوں کا علم تھا جن کے باعث اُن کے خاندانوں میں دُوریاں پیدا ہوئی تھیں مگر وہ بے بس تھا۔ اُس کی سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ تھوڑے سے وقت میں ڈھیر ساری دولت کس طرح کمائی جا سکتی ہے۔ وہ جب بھی سوچتا' اُس کا ذہن جرائم کی طرف جاتا' تھوڑے وقت میں ڈھیر ساری دولت تو سیدھے رستے سے نہیں کمائی جا سکتی تھی۔ اِنہی سوچوں کے دوران اُسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جرائم کی دُنیا میں بھی قسمت جب ساتھ دے تو ہی بندہ کامیاب رہتا ہے ورنہ ساری عمر جیل کی سلاخوں میں سڑنا اُس کا مقدر بن جاتا ہے۔

ہمایوں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ حقیقت پسند تھا' وہ خیالی دُنیا میں رہنے والا بندہ نہیں تھا۔ اُسے یقین تھا کہ دو اور دو پانچ بنانے کے لئے قسمت نہیں بلکہ بندے کی اپنی قوت ارادی کام کرتی ہے۔ پتہ نہیں کہ وہ ٹھیک تھا یا غلط' اُسے ابھی دُنیا کا تجربہ ہوا تھا یا نہیں لیکن اس کا دل کہتا تھا کہ وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے لیکن اس کے لئے انتظار کرنا ہو گا کہ صحیح وقت اُس کے ہاتھ لگ جائے۔ شکاری اس وقت ہی شکار کر سکتا ہے جب وہ صبر اور تحمل سے کام لے ورنہ جلد بازی میں نہ صرف شکار ہاتھ سے نکل جاتا ہے بلکہ محنت بھی اکارت جاتی ہے۔ شکاری کا یہ ہی ہنر ہوتا ہے کہ وہ ٹھیک وقت پر شکار پہ ہاتھ ڈال دے۔ ہمایوں کو یہ ساری باتیں معلوم تھیں اور وہ چاہتا بھی تھا کہ یہ سارے ہنر اُسے آ جائیں لیکن صفیہ اُسے پھر بھی بہت دُور دکھائی دے رہی تھی۔ اِنہی لمحات میں جبکہ صفیہ اُسے اپنی دسترس سے دُور نظر آتی' اُس کے اندر جولانی بھر جاتی' وہ کچھ نہ کچھ کرنے کو بے تاب ہو جاتا۔ اِک تڑپ تھی جس سے وہ بے حال ہو جایا کرتا تھا۔ اس کیفیت میں کیا کچھ پنہاں تھا' اُسے سمجھ نہیں آتی تھی مگر کچھ کر دکھانے کا عزم اُس کے رُوم رُوم میں سما جاتا تھا۔

ایسے وقت میں جبکہ وہ اپنی ہی سوچوں سے اذیت میں مبتلا تھا' اُسے وارڈ کے داخلی دروازے پر اپنے دوست وسیم کا چہرہ دکھائی دیا جو متلاشی نگاہوں سے ہر بیڈ کو دیکھ رہا تھا' تبھی اُس کی نگاہ ہمایوں پر پڑی تو وہ تیر کی طرح اُس کی جانب آیا۔ وہ اُس کی حالت دیکھ کر قدرے حواس باختہ ہو گیا۔

"تم ـــ تم خیریت سے تو ہو نا؟" وسیم نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' بس کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی' باقی سب خیریت ہے۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہاں ـــ تمہیں کون ـــ خیر میں ابھی آتا ہوں۔ میں تمہارے گھر فون کر کے بتا دوں کہ تم مل گئے ہو۔ وہ بہت پریشان ہو رہے ہیں۔"

وسیم یہ سنتے ہی پلٹ گیا اور ہمایوں کو احساس ہوا کہ اُس کا باپ اُسے تلاش کر رہا ہوگا' ماں کتنی پریشان ہوگی۔۔۔۔ وہ آئندہ آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا واقعی وہ اِن کی اُمیدوں پر پورا نہیں اُتر سکے گا؟ جس طرح اُس کا باپ کہتا ہے' زندگی میں کبھی کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ کیا ایسا ہی ہوگا؟ اُس نے خود سے سوال کیا جس کا تادیر اُسے جواب نہ مل سکا تو اُس نے ساری سوچیں ذہن سے نکال دیں وہ سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ زمین پر رینگنے والا وہ کیڑا ہے جسے سب حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ مایوس ہو چکا تھا' خود سے نہیں بلکہ اپنے ماحول، معاشرے اور دُنیا سے۔۔۔!

☆☆

اس وقت سورج خاصا چڑھ آیا تھا جب حوالات کا دروازہ کھلا۔ اس میں دیگر قیدیوں کے ساتھ جنید کو بھی باہر آنے کا اشارہ کیا گیا' وہ اُٹھا اور حوالات سے باہر آ گیا۔ ان سب کو تھانے کے احاطے میں نہ صرف جمع کیا جا رہا تھا بلکہ ہتھکڑیاں بھی لگائی جا رہی تھیں۔ ایس ایچ او سلامت خان گہری نگاہوں سے سب کو دیکھ رہا تھا' تبھی جنید کو بیڑی ڈالی جانے لگی تو وہ ہنس کر بولا۔

"کیوں سلامت خان! اپنے باپ کے سامنے پیش کرنے لے جا رہا ہے' کیا بتائے گا اُسے۔۔۔؟"

"کم از کم دس دن کا ریمانڈ لوں گا۔" اُس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "جب تک تو اپنے سارے بھنویوں کے بارے میں نہیں بتائے گا' اُس وقت تک۔۔۔"

"میں نے کب تیری بہن کو چھیڑا ہے اور چھیڑنے پر تو اتنے دن کا ریمانڈ نہیں ملتا۔۔۔ کچھ اور ڈالا ہے ایف آئی آر میں۔۔۔؟" اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو آج واپس آ جا' پھر دیکھتا ہوں تو کیسے بھونکتا ہے۔"

سلامت خان نے اُسے نظر انداز کیا اور دوسرے ملزموں کی جانب متوجہ ہو گیا۔ جنید نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا جیسے یہ اُس کی پہلی فتح ہو۔ نجانے کیوں! انہی لمحات میں اُسے وہ نرس یاد آ گئی جس کے ایک فقرے نے اس میں زندگی بھر دی تھی۔ وہ خاموش ہو گیا جیسے وہ اس ماحول ہی میں نہ ہو۔

احاطہ عدالت میں جب ملزموں کی گاڑی داخل ہوئی تو جنید کو دُوری سے اپنے کچھ ساتھی دکھائی دیے۔ اُسے حوصلہ ہو گیا کہ وہ اکیلا نہیں ہے اس کو سنبھالنے والے موجود ہیں۔ گاڑی ایک جگہ رُک گئی اور باری باری ملزم نیچے اُترنے لگے۔ ایسے میں جب جنید اُترا تو اُس کے ساتھی قریب آ گئے تھے۔ چار سپاہی اُس کے اردگرد تھے۔ وہ ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا' سلامت خان اُن کے پاس تھا کہ دو بندے اس کے قریب آ گئے۔

"او شہزادہ آ گیا۔۔۔ اِتنا زیور پہن لیا ہے۔"

ایک نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ وہ جنید کے گلے ملنا چاہتا تھا کہ سلامت خان نے روک دیا۔

"اوئے' کون ہے تو؟۔۔۔ چل ہٹ۔۔۔"

''اوئے سلامت خان! شاید تو مجھے جانتا نہیں ہے۔ میں نے اپنا نام بتایا نا تو یہ تیری پتلون گیلی ہو جائے گی---- تو اس کا ریمانڈ لینے آیا ہے نا' لیکن میں اسے اپنے ساتھ لے کر جانے کے لئے آیا ہوں۔'' اُس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سلامت خان چوکنا ہو گیا' وہ کوئی حکم دینے والا ہی تھا کہ وہ شخص بولا۔ ''کچھ بھی کہنے سے پہلے اپنے بیٹے کا دھیان کر لینا۔ وہ گرائمر سکول میں پڑھتا ہے نا' اس وقت وہ اپنی کلاس میں بیٹھا ہوا ہے۔ کیا اُس کی سلامتی نہیں چاہو گے؟''

اُس شخص نے کہا تو سلامت خان کا رنگ اُڑ گیا۔

''یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم----؟'' وہ چیخا۔

''میرے ساتھ زبان سنبھال کر بات کرنا----'' یہ کہہ کر اس نے جنید کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''خیر میں اپنے شہزادے کو بھگا کر نہیں لے جاؤں گا۔ اس کی ضمانت کراؤں گا۔ فکر نہ کر' تیرے قانون کے مطابق سارا کام ہو گا----''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' سلامت خان نے کھردرے لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں کر سکتا' قانون تیرے باپ کا ہے کیا؟----تو نے چار دن بغیر پرچہ کاٹے اسے جس بے جا میں رکھا' اس پر تشدد کیا۔ یہ قانون کے مطابق تھا؟----ہمیں پتہ نہیں چلا کہ کہاں ہے ورنہ اسے اب تک لے گئے ہوتے۔''

''مجرموں سے اس طرح ہی نپٹا جاتا ہے' میں چاہوں تو ابھی----''

''کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ یہ جان لو سلامت خان! اس اندھیر نگری میں اگر تم لوگ من مانی کر سکتے ہو تو ہمیں کون روک سکتا ہے؟----جرم کہاں سے چھوٹ رہا ہے' تم بھی جانتے ہو اور میں بھی----''

''میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ جاؤ' ہٹو یہاں سے----'' سلامت خان نے کہا۔

''نہ ایسے نہ کہو' اسے آرام سے ناشتہ کر لینے دو۔'' اُس نے غراتے ہوئے کہا۔

''میں اُمید رکھوں گا کہ تم----''

''کچھ نہیں کریں گے' ناشتہ کروائیں گے۔ جب تم اسے پیش کرو گے تو ضمانت ہو جائے گی۔ بس' اتنا سا کام ہے----'' اُس نے ہنستے ہوئے کہا تو سلامت خان وہاں سے چل دیا۔ تب وہ شخص جنید کی جانب مڑا اور ہنستے ہوئے بولا۔ ''فکر نہ کر شہزادے! ابھی ضمانت ہو جائے گی' ہر ایک کے سامنے بڑی بڑی ہڈی پھینکی ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے اشارہ کیا تو ایک شخص پوٹلی میں بندھا ہوا ناشتہ لے آیا----

پھر جنید کی ضمانت ہو گئی۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام تھا لیکن ہو گیا تھا۔ وہ احاطہ عدالت میں بغیر ہتھکڑی اور بیڑی کے کھڑا تھا۔ اُس کے ساتھی غائب ہو چکے تھے جاتے ہوئے اُنہوں نے اس کے کان میں پھونک ماری تھی کہ اُسے کہاں آنا ہے؟ اُس کا اپنا تو کوئی تھا نہیں جس کے پاس وہ جاتا۔ اُس نے ایک لمبی اور سرد آہ بھری محتاط نگاہوں سے اِردگرد دیکھا اور ایک طرف چل پڑا۔ وہ پوری دُنیا میں تنہا تھا۔

جنید ایک عام سے کاروباری گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ دو بھائی اور ایک بہن کے بعد سب سے چھوٹا تھا اس لئے والدین کی طرف سے اُسے لاڈ پیار بھی بہت ملا تھا۔ بچپن ہی سے وہ بہت شرارتی اور ذہین واقع ہوا تھا۔ ہر کلاس میں بہترین نمبر لے کر کوئی نہ کوئی پوزیشن ضرور حاصل کرتا تھا۔ اِن کے گھریلو حالات نہ اتنے تنگ تھے کہ ضروریات کو ترستے اور نہ ہی اتنے کشادہ تھے کہ فضول خرچی کر سکتے۔ اِنہی حالات میں وہ پڑھتا بڑھتا کالج میں آ گیا۔ یہیں پر اُس کی ملاقات مذہبی تنظیم کے ان لوگوں سے ہوئی جو بہت شدت سے کام کرتے تھے۔ جنید اُن کے لئے ایک اچھا کارکن ثابت ہوا اس لئے اُس پر محنت بھی بہت کی جانے لگی یہاں تک کہ جب وہ سال چہارم میں آیا۔ اس وقت تک پورا کالج اُس کے نام سے خوف کھانے لگا تھا۔ مذہبی تنظیم میں اُس کا نام تھا لیکن اُس کے گھر والوں نے اُسے پوری طرح بے دخل کر دیا تھا جس کا اُسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ اُس کا یقین تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک کر رہا ہے۔ کبھی کبھار اُسے اپنا گھر، بہن بھائی اور والدین یاد آتے تو اُس کا دل بھر آتا لیکن ایسے وقت میں اُس کا مقصد اس کے سامنے آ جاتا جس کی خاطر اُس نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھی۔ چندہ جمع کرنے سے لے کر تدین کے دفاع تک جو بھی اُسے ذمہ داری دی جاتی' وہ پوری جان سے نبھانے کی کوشش کرتا۔ اُسے یہ باور کرایا گیا تھا کہ اگر اس راہ میں جان بھی چلی جائے تو وہ جنت کا حقدار ہوگا۔ اس لئے وہ بڑی ثابت قدمی سے اس راہ پر چلتا چلا جا رہا تھا' یہاں تک کہ اب وہ ان افراد میں شامل تھا جو کسی بھی معاملے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے کے مجاز تھے۔ ایسے میں قانون نافذ کرنے والے ادارے ان سے غافل نہیں تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ علاقے میں کون سی سرگرمیاں کن کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ جرائم کی جڑیں ہمارے معاشرے کے اندر ہی ہوتی ہیں۔ یہیں پھلتی' پھولتی اور گہری ہوتی ہیں۔ کسی بھی پھوٹنے والی کونپل کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زمین سے باہر ماحول کیسا ہوگا۔ اسے کیسی ہوا ملے گی اور کس طرح کی روشنی میسر آئے گی۔ اگرچہ جنٹیک تھیوری کا اپنا ایک فلسفہ ہے جو تجربات کی بنیاد پر درست ہے لیکن بہت سے بیج جو زہر آلود نہیں ہوتے جب وہ پودے بنتے ہیں تو باد سموم انہیں نہ صرف زہریلا بنا دیتی ہے بلکہ ان کا پھل بھی زہر بھرا ہوتا ہے۔ اس میں اس بیج کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ جس طرح کسی کیمیکل فیکٹری کا فاضل مواد زمینوں کو بنجر کر دیتا ہے' اِسی طرح ہمارے معاشرے میں ایسے نظریات بھی ہیں جو ذہنوں کو بھی بنجر بنا دیتے ہیں۔ جب معاشرے میں انصاف نہیں ہوتا' طاقتور کی حکومت چلتی ہے تو ہر کسی کو اپنے دفاع میں ہتھیار اُٹھانا ہی پڑتا ہے۔ یہی ماحول معاشرے میں انتشار' بے سکونی اور بے راہ روی کا باعث بنتا ہے۔ اس میں قصور کسی کا نہیں ہوتا لیکن ذرا سا گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو ساری بات سمجھ آ جاتی ہے اور یہ الگ بات ہے کہ کوئی دیکھتے ہوئے بھی اندھا بن جائے۔ سب کچھ اُس کی نگاہ کے سامنے ہو مگر اُس میں دیکھنے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔

جنید احاطہ عدالت سے باہر آ گیا تھا۔ وہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ کدھر جائے؟ جہاں اُسے جانے کا بتایا گیا تھا' وہاں وہ فوراً ہی نہیں جا سکتا تھا۔ تبھی اُس کے ذہن میں اُس نرس کا خیال آیا کہ کیوں نہ اُس سے ملا جائے لیکن اگلے ہی لمحے اُسے اپنی سوچ پر حیرت ہوئی۔ وہ ایسا کیوں چاہتا ہے' کہاں وہ اور کہاں نرس۔۔۔؟ اُسے خود پر ہنسی آئی اور ایک جانب چل دیا۔ اُسے اپنے ایک پرانے دوست کا خیال آ گیا تھا جو کم از کم ایک دن اُسے اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔

☆☆

شام ڈھلنے کو تھی' سورج کانسی کے تھال جیسا رہا تھا۔ ہلکے ہلکے بادل تھے اور ہوا قدرے تیز تھی۔ ایسے میں صفیہ' سلمٰی اور ان کی ماں زیتون لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان ہمایوں زیرِ بحث تھا۔ سلمٰی کا اتنا قصور تھا کہ اُس نے اپنی ماں کے کہنے پر اُن کے گھر فون کیا تھا جس پر صفیہ اچھا خاصا بگڑ گئی تھی۔

''تجھے ضرورت کیا تھی اُن سے بات کرنے کی' وہ لوگ ہیں اس قابل کہ اُن سے بات کی جائے؟'' صفیہ نے نخوت سے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔

''تو کیا ہو گیا' طوفان آ گیا ہے؟---تم چاہے لاکھ نفرت کرو ان سے' آخر وہ اپنے ہیں۔ کیا ہوا جو تیرے ساتھ تیرے باپ کا دماغ بھی خراب ہو گیا ہے۔'' زیتون بی بی نے غصے میں کہا۔

''بات یہ نہیں ہے کہ آپ نے فون کیا۔ کر لیا' اب کیا ہوگا' اس کا فائدہ ہے کوئی---وہ ہسپتال میں پڑا ہے' کیا آپ عیادت کرنے جائیں گی اُس کی؟---نہیں نا! اور اگر جائیں گی تو ہمارے گھر میں خوامخواہ کی ٹینشن بن جائے گی---نہ گئے تو ان کا گلہ بن جائے گا کہ پوچھنے تک نہیں آئے اور چلے گئے تو وہ خوامخواہ کے خواب دیکھنا شروع کر دیں گے۔''

''اُنہوں نے اب کیا خواب دیکھنے ہیں۔'' زیتون بی بی نے دھیرے سے کہا۔

''آپ کو نہیں پتہ' ان غریب لوگوں کی پرابلم ہی یہی ہوتی ہے' اُنگلی تھماؤ تو بازو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذرا سا اچھا بول لو ان کے ساتھ تو اُمیدیں لگا کے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس سے اچھا نہیں ہے کہ ان سے بات ہی نہ کی جائے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے---'' زیتون بی بی نے اُسے جھاڑا۔ ''جو کچھ آج تمہارے باپ نے بھائی انور علی کے ساتھ کر دیا ہے' نا' میرا نہیں خیال کہ وہ زندگی بھر اس چوکھٹ پر دوبارہ قدم رکھیں گے۔''

''نہ رکھیں' ہمیں کیا---اچھا ہے' اُن سے جان چھوٹے گی۔'' صفیہ نے ناک سکیڑتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''سلمٰی! اسے سمجھاؤ کہ اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں' وہ جیسے بھی ہوں۔ مجھے پتہ ہے' اُنہوں نے تمہارے باپ کے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا ہے مگر آج تمہارے باپ کا رویہ دیکھ کر میرا دل بھی رو دیا ہے---ٹھیک ہے' ان سے تعلق نہ رکھو لیکن اُنہیں دھتکارو تو نہیں---''

''امی! دیکھا نا' اچھے بھلے تھے ہم لوگ' گھر میں کس قدر سکون تھا لیکن اُن کا پیر کیا پڑا ہے' اس گھر میں' بے سکونی ہی پھیل گئی ہے۔'' صفیہ نے نفرت سے کہا

''تم نہیں سمجھو گی۔'' زیتون بی بی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

''میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں---کیا آپ اس لیے افسردہ نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ یہاں اچھا سلوک نہیں ہوا اور اگر وہ نہ آتے تو کیا آپ ایسے افسردہ ہوتیں' یوں دُکھ کا اظہار کر رہی ہوتیں؟---میں انکار نہیں کرتی ہوں ان کی رشتے داری سے لیکن وہ اپنے کیے کی سزا خود بھگتیں۔ پاپا نے ٹھیک کہا ہے کہ وہ کس منہ سے لوگوں کو یہ کہیں کہ ان کا سگا بھتیجا ملزموں کی طرح حوالات میں پڑا ہے۔ کیا ناک نہ کٹتی ان کی---؟''

"تم اور تمہارا باپ اپنی ناک بچائے رکھو اور ڈرو اس وقت سے جب کبھی تم اُن کی جگہ پر ہو گے۔"

"امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو ان نیچ لوگوں کے لئے آپ اپنی ہی اولاد کو بددعائیں دے رہی ہیں؟" صفیہ نے انتہائی حیرت سے کہا۔

"کوئی ماں اپنی اولاد کو بددعا نہیں دے سکتی ----- میں تو ڈر رہی ہوں۔ اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا اللہ کو غرور قطعاً پسند نہیں ہے اور حالات بدلتے ہوئے کتنا وقت لگتا ہے ----"

"ٹھیک ہے امی! لیکن پاپا نے محنت کی اور آج اس کا پھل کھا رہے ہیں۔ تایا کو کس نے روکا تھا کہ وہ محنت نہ کریں' وہ بھی ڈاکٹر یا انجینئر بن جاتے اور خوب دولت کماتے ----"

صفیہ نے اپنی ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا تو سلمیٰ نے بات بدلنے کی خاطر پوچھا۔

"امی اویسے جب اس کی اور ہمایوں کی منگنی ----"

"کیوں اذیت دے رہی ہو سلمیٰ! میں اس واقعے کو بھول جانا چاہتی ہوں' کھرچ دینا چاہتی ہوں اپنی زندگی سے ---- یہ وہ واقعہ ہے جس میں میری کوئی مرضی نہیں تھی مگر مجھ پر دھبہ بن کر رہ گیا ہے۔" وہ تقریباً چیختے ہوئے احتجاجاً بولی۔

"چلو یہ ٹینشن ختم کرو ---- شام ہو گئی ہے آؤ اندر چلیں ----" سلمیٰ نے گویا بات ہی ختم کر دی۔

"امی! آپ پلیز! ان لوگوں کا خیال نہ کیا کریں' دکھی ہوتی ہیں آپ ---- جب پاپا ہی کو اُن کی پرواہ نہیں ہے' جن کا ان سے خونی رشتہ ہے تو آپ کیوں اور پھر ہم نے ان سے کیا لینا دینا۔ وہ اپنی دُنیا میں خوش رہیں اور ہم اپنے گھر ----" صفیہ نے گویا بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹی! جیسا تم لوگ چاہو ----" زیتون بی بی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر وہ مزید بات کرے گی تو اُسے کچھ اور سننے کو ملے گا۔ وہ اُٹھ کر اندر چلی گئی' اُس کے پیچھے ہی دونوں بیٹیاں بھی ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ صفیہ وہاں پر نہیں بیٹھنا چاہتی تھی ورنہ پھر اسی حوالے سے کوئی نہ کوئی بات ہو جاتا تھی سو وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کے لئے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

اگرچہ اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہی ٹی وی آن کر لیا تھا لیکن اُس کی سوچیں آوارہ ہو گئیں۔ اُسے ہمایوں سے نفرت تھی مگر کبھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کیوں اُسے اچھا نہیں سمجھتی۔ وہ ہینڈسم تھا' جوان تھا' باصلاحیت تھا لیکن صرف غریب تھا اور اسے غریبوں سے سخت نفرت تھی۔ اُس کا اپنا خیال تھا کہ بندہ اگر غریب ہوتا ہے تو صرف اپنی کاہلی کی وجہ سے ورنہ محنت سے وہ روپیہ بنا سکتا ہے اور اس معاشرے میں اِک خوشحال زندگی گزار سکتا ہے۔ ہمایوں لاکھ اچھا سہی لیکن اُس کا کوئی اسٹیٹس نہیں تھا اور جو لوگ ان کے معیار پر نہیں اُترتے تھے وہ اُسے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ وہ تو ہمایوں کو اپنا رشتے دار مانتا تو درکنار' اُس کے بارے میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ اُس کے خیالوں میں تیمور بس چکا تھا۔ وہ اُس کی کلاس فیلو سائرہ کا بھائی تھا۔ لمبا قد' سانولا سا رنگ' متناسب خدوخال کے علاوہ وہ ایک فیکٹری کا مالک تھا۔ وہ باپ کے بزنس کو سنبھالنے کی بجائے اپنا بزنس کر رہا تھا۔ جدید ماڈل کی گاڑی اور یہ بڑا سا گھر جس میں ہر سہولت میسر تھی۔ وہ کبھی کبھار سائرہ کو لینے کے لئے آتا تھا' پھر باقاعدہ آنے لگا۔ صفیہ کئی بار ان کے ہاں بھی جا چکی تھی اور بات شناسائی سے بڑھ کر دوستی تک آ گئی تھی۔ قیمتی تحائف کا تبادلہ بھی ان کے درمیان ہو چکا تھا' یوں بات بڑھتے بڑھتے بہت آگے تک بڑھنے والی تھی ----

تیمور اور ہمایوں کا وہ جب بھی موازنہ کرتی' ہمایوں اُسے بہت دُور تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ چاہے قریبی رشتے دار تھا یا کوئی اُس سے خونی رشتہ تھا۔ اِس کا ہینڈسم ہونا یا کوئی صلاحیت بھی کہیں پس منظر میں چلی جاتی جبکہ تیمور اُسے اپنی رگِ جاں سے بھی قریب دکھائی دیتا۔ وہ جیسا بھی تھا اور جو بھی تھا اِس معاشرے میں پوری اعتماد سے موو کرتا تھا۔ اِس کا اپنا ایک حلقہ احباب تھا جس میں شہر کے معزز افراد تھے۔ اِس کا خیال تھا کہ جیسے ہی وہ اپنے کاروبار میں جم گیا تو سیاست میں بھی حصہ لے گا۔ وہ اپنے خیالات میں بہت اُونچا تھا۔ اِن سب سے ہٹ کر اُس کا ایک خاندانی پس منظر تھا جو کاروباری حلقے میں بہت عزت اور احترام سے دیکھا جاتا تھا، وہ دو اور دو پانچ کرنے کی عادی نہیں تھی حقیقت پسند تھی اِس لئے نہ صرف اسے دو اور دو چار کرنا آتا تھا بلکہ اِسی پر یقین رکھتی تھی۔ اُس نے نے ہمایوں کو اپنی زندگی سے نکال باہر کیا تھا اُس کی جگہ اَب تیمور کا ساتھ ہمک رہا تھا۔

☆☆

رات کا آخری پہر چل رہا تھا مگر ہمایوں کی آنکھ سے نیند غائب تھی۔ وہ اپنے گھر میں اپنے ہی بستر پر پڑا تھا لیکن پھر بھی بے سکون تھا۔ سرِشام وہ آ گیا تھا اور پھر آتے ہی اُسے زینب بی بی نے ساری روداد سنائی دی کہ کس طرح تمہارے چاچا نے تمہارے باپ کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ وہ پریشان تو تھے ہی ایک نیا دُکھ بھی اُنھیں مل گیا۔ جب سے وہ اپنے بھائی کے گھر سے آئے تھے' اُنھیں ایک چپ لگ گئی تھی جیسے اُن کا سب کچھ کھو گیا ہو۔ وہ تو جیسے مٹی کا ڈھیر ہو کر گھر میں ہی پڑے رہے۔ اگر وسیم اطلاع نہ دیتا کہ وہ ہسپتال میں ہیں تو پتہ بھی نہ چلتا۔ اُن کا ارادہ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کہیں جائیں گے تلاش کرنے' یہ تو اطلاع ملنے پر ماں نے رو دھو کے اُنھیں ہسپتال بھیجا تھا--- ہمایوں کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اُس کے باپ کو کتنا دُکھ ہوا ہوگا۔ اُس سے یہ ساری باتیں اُس کی ماں نے رو رو کر کی تھیں۔ وہ اُسے باور کرانا چاہتی تھی کہ وہ کس قدر اذیت سے گزرے ہیں اور اُس کا باپ کس قدر دُکھی ہو رہا ہے۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا مگر دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ سب اُسکو احساس دلانے کا عمل اُسے اپنی زندگی کی سنگین غلطی محسوس ہو رہی تھی جس نے نہ صرف اُس کی سوچوں میں زہر بھر دیا تھا بلکہ اُس کے والدین کی جھولی میں نئے دُکھ آ گرے تھے۔ وہ خود کو ہی قصوروار سمجھ رہا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید اُس کا باپ دُکھی نہ ہوتا۔ اگر کوئی غیر اذیت دے تو اِتنا دُکھ نہیں ہوتا جبکہ اپنوں کی اذیت زندہ درگور کر دیتی ہے۔ اُس کے باپ کا فقط اتنا ہی قصور تھا کہ اُس نے اپنے بیٹے کے لیے مدد مانگ لی تھی اور چاچا کو فقط اپنے سماجی مرتبے کا خیال تھا جو محض دولت پر بنائی گئی تھی۔ پھر وہ دُشمنِ جان جو اُس کے خیالوں میں چھائی ہوئی تھی' اُس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ فون کال کر کے ہی اُس کی خیریت دریافت کر لیتی۔ وہ اُس کے لئے کتنے اچھے خواب دیکھتا ہے' جس میں فقط وہی اُس کی ہمسفر ہوتی ہے مگر اُس نے بھی اِسے نظر انداز کر دیا۔ ہمایوں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ایسا کیوں ہے' دولت کی اُونچی دیوار اِن میں حائل تھی جس نے نہ صرف خونی رشتوں کو بھلا دیا تھا بلکہ اُن میں سوچوں کا واضح فرق آ گیا تھا' اُس کا دماغ اُسے حقیقت پسند ہونے کے لئے کہتا۔ وہ واضح حقائق بیان کرتا جن کی بنیاد پر صفیہ کو بھول جانا ضروری تھا لیکن اُس کا دل کسی طور مانتا ہی نہیں تھا۔ وہ ساری منطق اور دلائل کو رد کر دیتا۔ اُسے یقین تھا کہ ایک دن صفیہ اُس کی ہوگی۔ اُسے اپنی محبت پر اعتبار تھا کہ وہ صفیہ کا دل ضرور جیت لے گا مگر کب تک؟ یہ اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

اِس واقعہ سے پہلے تک ہمایوں دو خاندانوں میں دُوری کی وجہ صرف اسٹیٹس ہی کو سمجھتا تھا' ایک آس کی ڈور پھر بھی تھی کہ وہ ان کا خونی

رشتے دار ہے۔ اُس کے پاس بھی اگر کوئی تھوڑا بہت اسٹیٹس ہوا تو وہ ضرور قابلِ توجہ گردانا جائے گا۔ اُس کا چاچا ضرور اُسے چاہے گا ایک مان تھا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی لاج ضرور رکھے گا لیکن اس واقعہ کے بعد یہ بھرم بھی ٹوٹ گیا تھا۔ جس بیٹے کی مدد کے لئے باپ کو ٹھکرا دیا جائے وہ اپنی بیٹی اُسے کیوں دے گا؟ وہ جو آس کی ڈوری تھی' اُسے ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ بے چین سا ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ اُس نے اپنے اِرد گرد نگاہ دوڑائی' پرانا سا بوسیدہ کمرہ اُس کی حالتِ زار پر ہنس رہا تھا۔ اِس کمرے میں اُس نے محلوں میں رہنے والی صفیہ کے خواب دیکھے تھے جس کے باپ نے اُسے بُری طرح دھتکار دیا تھا۔ کیا وہ بھی ایسا ہی چاہتی ہے؟ --- اِس سوال نے اُسے پھر سے اُمید دلا دی۔ آج تک اُس نے براہِ راست کبھی اِس موضوع پر اُس سے بات نہیں کی تھی ایسا اِس لئے بھی تھا کہ بچپن میں ہی منگنی نے یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ وہ اُس کے لئے ہے۔ تب دونوں ہی میں ایک خاص قسم کی جھجک رہی' جس کی وجہ سے نہ تو کوئی طویل ملاقات ہوئی اور نہ لمبی باتیں رہیں۔ پھر دونوں میں اسٹیٹس کی دیوار بلند ہونا شروع ہوئی۔ ہمایوں کے دل میں تو وہ سب اِسی طرح رہا اور وقت کے ساتھ ساتھ صفیہ کی محبت کونپل سے پودے تک کے سفر میں رہی جو تناور درخت بننے کے عمل میں تھی لیکن ہمایوں دیوار کے اِس پار نہیں دیکھ سکا کہ صفیہ کی حالت کیا ہے۔ کیا وہ بھی اُسے چاہتی ہے' کیا اَب بھی اِس کا نام آ جانے سے اُسکے چہرے پر شمعیں دیئے روشن ہوتے ہیں۔ کیا اَب بھی اُس کے احساس سے گال سرخ ہو جاتے ہیں اور نگاہیں جھک جاتی ہیں؟ اِس بارے ہمایوں کو کچھ پتہ نہیں تھا۔

اِس رات ہمایوں نے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ اپنے چاچا اور اِس کے خاندان سمیت صفیہ کو بھی بھول جائے یا پھر؟ --- اِس سے آگے وہ کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ یہ محبت بھی کیا بلا ہوتی ہے۔ خود سے کوئی فیصلہ بھی نہیں کرنے دیتی' ہمیشہ اپنا آپ ہی منواتی ہے۔ جب بھی وہ ایسا سوچتا' صفیہ کی محبت آڑے آ جاتی۔ وہ اُسے بھول جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے' اِس اودھیڑ بُن میں رات گزرتی چلی جا رہی تھی۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے فقط ایک بار اُسے صفیہ سے تو بات کر لینی چاہئے کہ وہ کیا سوچتی ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے تئیں فیصلہ کرلے اور وہ اِس کی آس میں بیٹھی رہ جائے۔ تب اگر بعد میں اُسے یہ معلوم ہوا تو پچھتاوا زندگی کا روگ بن جائے گا۔ تب لمحوں میں ہی فیصلہ ہو گیا کہ حتمی فیصلہ اِس وقت کرے گا جب وہ صفیہ سے مل لے گا۔ یہ سوچتے ہی اطمینان کی ایک لہر اُس کے مَن میں سرائیت کر گئی' وہ مطمئن ہو گیا اور اِسی بوسیدہ کمرے میں سکون سے سو گیا۔

☆☆

جس طرح اندھیرے میں چمکتا ہوا جگنو روشنی کی اُمید دلا دیتا ہے' بالکل اِسی طرح راحیلہ کی زندگی میں جنید کی آمد نے اُسے حوصلہ مند بنا دیا تھا۔ اُسے یہ قطعاً اُمید نہیں تھی کہ وہ زندگی میں دوبارہ کبھی اُسے مل پائے گی۔ نہ جانے کتنے لوگ آئے اور چلے گئے جن میں بہت سارے کڑیل جوان بھی تھے' زندگی کے سپنے دکھانے والے بہت لوگ بھی اُسے ملے اور ان لوگوں سے بھی سامنا ہوا جو حقیقت کی تلخ تصویر دکھا کر اپنی راہ پر لانا چاہتے تھے اور ہر بار وہ ثابت قدم رہی تھی۔ لیکن دُنیا میں ایسا مادہ دریافت نہیں ہوا جو اپنی ہیئت نہ بدل سکے۔ پتھر پر بھی لگاتار ضرب پڑتی رہے تو وہ بھی آخر کار ٹوٹ جاتا ہے جبکہ راحیلہ ایک عام سی لڑکی تھی جو کبھی کبھی اپنی ہی خواہشوں اور حسرتوں کے بوجھ تلے دب کر نڈھال ہو جایا کرتی تھی۔ زندگی کی رنگینیاں اور لذتیں اُسے بھی اپنی طرف کھینچتی تھیں' سنہرے سپنوں کی چمک اُس کی آنکھوں کو بھی خیرہ کر دیا کرتی تھی لیکن اُس کے اندر جو مزاحمت تھی'

اُس نے راحیلہ کو ہمیشہ ثابت قدم اور مضبوط رکھا تھا۔ ممکن تھا کہ یہ ثابت قدم مضبوط پتھر کسی دھماکے سے ٹوٹ جاتا اُس نے جنید کو دیکھ لیا تھا۔ اُس کی نگاہوں نے بات کرنے کے انداز اور طرزِ عمل نے اُس میں بھی جرأت بھر دی تھی جس کا عملی ثبوت وہ ڈاکٹر جمیل کو ڈانٹ کر دے چکی تھی۔ اُسے یہ اچھی طرح احساس تھا کہ ڈاکٹر جیسے لوگ جو چہرے پر نقاب دَر نقاب سجائے رکھتے ہیں یہ دُنیا کے سامنے شرافت کا مجسمہ دکھائی دینے والے اندر سے کس قدر غلیظ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تذلیل پر اُسے معاف کرنے والا نہیں ہے۔ گھٹنے کے سامنے سے جب بڑی اُٹھالی جائے جسے وہ بھنبھوڑنا چاہتا ہو تب گھٹنے میں باؤلا پن عود کر آتا ہے۔ اس بات سے وہ اچھی طرح واقف تھی لیکن اُس کے اندر جو عزم اور جرأت پیدا ہو چکی تھی اس نے ڈاکٹر کے خوف کو بہت پرے پھینک دیا تھا۔۔۔ جنید اُس کے خیالوں میں بس چکا تھا حالانکہ اُسے یہ معلوم تھا کہ وہ کبھی اُسے نہیں مل سکے گا اور اگر کبھی مل بھی گیا تو جس طرح کے اُس کے جذبات ہیں شاید ہی وہ اُس کے سامنے اظہار کر سکے۔ اس لئے دوبارہ ملنے کی اُمید نہ رکھتے ہوئے بھی وہ اپنی دُعاؤں میں اُسے یاد رکھ رہی تھی۔ چند دنوں میں وہ بہت بدل کر رہ گئی تھی جس کا اظہار نسرین جوزف نے بھی کر دیا تھا۔ اس شام وہ دونوں کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں کہ نسرین نے کہا۔

"راحیلہ! کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم خاصی بدل گئی ہو؟"

"ایسا کیا۔۔۔ مَیں بدل گئی ہوں؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"بالکل تم بدل گئی ہو۔ پہلے سے زیادہ خاموش رہتی ہو تم میں غصہ اور چڑچڑاپن بھی بہت کم ہے۔ اپنے آپ پر توجہ دیتی ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم دوسروں کے بارے میں بھی لاپرواہ ہو گئی ہو۔" نسرین نے اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مَیں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کروں گی نسرین! یقیناً ایسا ہو گا مگر مَیں جو بدل گئی ہوں تو ایسا مَیں نے جان بوجھ کر نہیں کیا ہے سب کچھ خود بخود ہو گیا ہے۔" وہ خیالوں میں کھوئی ہوئی بولی۔

"ایک بات اور جو اہم بھی ہے اور خطرناک بھی وہ یہ کہ تم اَب زیادہ بے باک، نڈر اور حوصلہ مند ہو گئی ہو۔ یہ تمہیں نقصان۔۔۔"

"مطلب۔۔۔؟" اُس نے نسرین کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب یہی کہ کل شام جو تم نے سینئر نرس کو بُری طرح ڈانٹ دیا تھا، کیا وہ تمہیں معاف کرے گی اور وہ ڈاکٹر۔۔۔"

نسرین نے کہنا چاہا تو راحیلہ تیزی سے بولی۔

"کیا مَیں نے غلط کیا تھا۔ مَیں اپنی ماں کو فون کرنے کے لئے پی سی او پر کھڑی تھی۔ اُس نے مجھے کیوں موبائل فون کی آفر کی۔ کیا اُس نے یہ آفر میری غربت کو دیکھ کر کی، میری ہمدردی میں کی یا پھر؟۔۔۔ تم اچھی طرح جانتی ہو اُس کا کیا مقصد تھا۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اُس نے مجھ پر ظلم کیا اور محض میری اوقات جتانے کے لئے ایسا کیا؟۔۔۔ نہیں نسرین! نہیں۔ اُس کا جو مقصد تھا مَیں اسے پورا نہیں کر سکتی۔"

"لیکن جس طرح پہلے تم اُس کی آفر کو آرام سے دھیرے سے قبول نہیں کرتی تھیں ویسا ہی رویہ رکھتیں۔ یوں جھڑک کر اور بے عزت کر دینے کی حد تک تو نہ جاتیں۔ تمہیں نہیں معلوم کہ وہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کر سکتی ہے۔" نسرین نے قدرے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"جو ہوگا' دیکھا جائے گا۔۔۔۔ اگر میں شروع دن سے ہی ایسا رویہ رکھتی تو انہیں جرأت تک نہ ہوتی کہ مجھ سے کوئی فضول بات بھی کرتا۔"

"لیکن اتنے سال کی جو محنت اکارت جائے گی' اس کا کیا ہوگا؟۔۔۔ اس سے دشمنی ہی بڑھتی ہے' دوست تو نہیں ملتے۔" نسرین نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں غلاظت کی زندگی برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔" اس نے حتمی انداز میں کہا تو نسرین خاموش رہی' وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ کتنے ہی لمحے یونہی بیت گئے تو وہ پھر نسرین کو سمجھانے والے انداز میں بولی۔ "دیکھو! ایک کم تنخواہ پانے والی جس کا کوئی اور ذریعہ آمدنی نہیں ہے' وہ اگر سونے کے زیورات کی نمائش کرتی ہے' بہترین لباس پہنتی ہے' اپنے تعلقات گنواتے ہوئے رسائی کی بات کرتی ہے تو کیا میں اُسے دیکھ کر پھسل جاؤں۔ ایک عورت ہونے کے ناطے میرا بھی دل کرتا ہے کہ مجھے یہ سب ملے' مگر عزت کھو دینے کے عوض یہ سب ملا بھی تو کیا ملا؟۔۔۔ میں جب تک بچ سکتی ہوں' اپنا آپ بچاؤں گی' باقی جو قسمت میں ہوا' اُسے میں ٹال نہیں سکتی۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو' یہ باتے بھی اُسے ہی ہیں جو ان سے دب جائے۔۔۔ جیسے تم چاہو۔"

نسرین نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور اُٹھ کر باہر چلی گئی۔۔۔

راحیلہ یہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے' درست کہہ رہی ہے' لیکن اس کے کہنے سے وہ اپنا آپ تو نہیں بدل سکتی تھی۔ اُسے اچھی طرح علم تھا کہ ڈاکٹر جمیل کے بعد اب سینئر نرس بھی اس کی بھلائی نہیں چاہیں گی۔ آخری سال کے جو باقی چند مہینے رہتے تھے' ان میں کچھ بھی ہو سکتا تھا مگر اُسے ضد ہو گئی تھی کہ وہ ان کی بات نہیں مانے گی۔ وہ جنید کی احسان مند تھی کہ اسی کی وجہ سے اُسے اتنا حوصلہ مل گیا تھا۔

چند دنوں سے وہ خود بھی محسوس کرنے لگی تھی کہ وہ جنید کو بہت یاد کرتی ہے۔ شاید اُسے یہ احساس نہیں تھا کہ وہ جو کوئی اس کے لاشعور میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے' ممکن ہے کہ جنید ہی اُس کی حقیقی تصویر ہو۔ اتنے سارے لوگوں میں وہی اجنبی اُسے آشنا سا لگا تھا جیسے کوئی اُس کا اپنا ہو اور جس کا ساتھ پا کر بندہ حوصلہ مند ہو جاتا ہے۔ راحیلہ کے لیے وہ شخص ایک نئی زندگی لے کر آیا تھا۔

اس شام اُسے پتہ ہی نہ چلا کہ نسرین کب آ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی ہے۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں کھوئی رہی تھی۔

☆☆

رات کا پچھلا پہر تھا جب اچانک جنید کی آنکھ کھل گئی۔ درد کی اِک ٹیس اُٹھی تھی جو گردن کی پچھلی طرف سے ہوتی ہوئی اُس کے سر میں پھیل گئی تھی۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ پچھلے دنوں جو اُس نے تشدد جھیلا تھا' یہ اسی کی وجہ سے تھا۔۔۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور درد کو سہارنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت اسے میڈیسن کی ضرورت تھی جو چند قدم کے فاصلے پر پڑی ہوئی تھی لیکن ان لمحات میں اُس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ اُٹھے اور وہ میڈیسن لے لے۔ وہ کتنی ہی دیر تک یونہی بیٹھا درد برداشت کرتا رہا' پھر دھیرے دھیرے درد کم ہونا شروع ہو گیا۔ اس نے ہمت کی اور میڈیسن اُٹھا لیں۔ قریب پڑے فریج میں سے پانی لیا اور میڈیسن نگل کر واپس اپنے بیڈ پر آ گیا۔ اس کا درد کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔ اس لیے اُس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی لیکن نیند آنکھوں سے غائب تھی۔۔۔

اُسے وہ چند دن پہلے گزرے ہوئے بھیانک دن یاد آنے لگے۔ اُس کے پکڑے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ پولیس کے ہتھے چڑھ گیا۔ یہ سوالیہ نشان اَب بھی اُس کے سامنے موجود تھا کہ ایسا کیونکر ہو گیا لیکن چند دن سوچتے رہنے کے بعد بھی اُسے جواب نہیں مل سکا تھا۔ اس لئے جنید نے یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ بہت جلد یہ بات سامنے آ جانے والی تھی۔ اس کے ساتھ اُسے وہ نرس بھی یاد آ جاتی جس نے محض ایک فقرے میں اُسے بہت زیادہ حوصلہ دے دیا تھا' وہ نرس بھی اُس کے لئے ایک معمہ بن گئی تھی۔ وہاں گزارا ہوا ایک ایک لمحہ اُسے یاد آ جاتا لیکن وہ سوال ہنوز تشنہ رہتا کہ اُس نرس نے کیا سوچ کر اِس قدر حوصلہ مند باتیں کہی تھیں کہ جو پچھلے سارے دنوں کی اذیت بھلا دینے کے لئے کافی تھیں۔ اُس کی نگاہوں میں کس قدر اپنائیت تھی اور پھر جب اُس نے کہا تھا کہ جوش سے نہیں' ہوش سے کام لیتے ہیں۔ پھر پہاڑ بھی ہوں رستے میں تو وہ بھی رستہ دے دیتے ہیں۔ یہ تھی حوصلہ افزا بات تھی۔ اسی بات کے خمار نے ہی اُسے ساری اذیتیں بھلا دی تھیں۔ تب اُس نے فقط یہی جانا تھا کہ وہ اپنا فرض نبھا رہی ہے۔ اتنی اچھی بات کہہ کر اس نے گویا ساری بات ہی ختم کر دی تھی لیکن ---- لیکن وہ دوبارہ کیوں اُس کے پاس آئی تھی اور پھر اِس وقت ایسی بات کہی جس نے اُسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ خوشی ہو یا اذیت' اُسے برداشت کرنے کی صلاحیت انسان کے اندر ہوتی ہے۔ میری دعائیں ہیں تیرے لئے ---- اُس کی یہ بات یونہی نہیں تھی' اِس کے پیچھے یا تو بہت گہری سوچ تھی یا پھر تلخ تجربہ ورنہ اتنی عمر کی لڑکی اِس قدر گہری بات نہیں کہہ سکتی تھی ---- خیر' یہ بحث تو الگ رہی کہ وہ بات گہری تھی یا نہیں مگر یہ اہم ہے کہ وہ کیا سوچ کر دوبارہ یہ بات کہنے کے لئے اُس کے پاس آ گئی تھی؟ یہی وہ سوال تھا جس کی وجہ سے وہ نرس اُس کے لئے معمہ بن گئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نرس کا رویہ نہیں آ رہا تھا۔ کیا وہ اُسے کوئی خاص پیغام دینا چاہتی تھی یا پھر؟ ---- اتنا سوچ کر وہ منتشر ہو کر رہ جاتا' اُسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی کہ یہ کیا تھا۔

اِس رات بھی یہی اُس کے دماغ میں چلنے لگا۔ درد کی شدت کا احساس تو کم ہو گیا لیکن ذہنی اُلجھن بڑھتی چلی گئی۔ وہ کون تھی' کیا کہنا چاہتی تھی۔ ایسا اُس نے کیوں کیا تھا؟ سوال در سوال تھے جن کا جواب فقط اُس نرس کے پاس ہی تھا۔ اُسے یاد تھا کہ جب وہ احاطہ عدالت سے باہر نکلا تھا تو اِس نے نرس سے ملنے کی خواہش کی تھی' شاید لاشعوری طور پر یہی اُلجھن اُس سے ملنے کے لئے آمادہ کر رہی تھی ---- تو کیا اِسے اُس نرس سے ملنا چاہئے؟ جیسے ہی اُس نے خود سے یہ سوال کیا تو خود ہی چونک گیا۔ کئی سوال پھر اُس کے سامنے در آئے۔ جن کا جواب اِس وقت اُس کے پاس نہیں تھا ---- تم اُس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟ یہی سوال ایک بہت بڑی رکاوٹ بن کر اس کے سامنے آن ٹھہرا۔ وہ ایک لڑکی ہے۔ فقط ایک لڑکی کو ملنا تو اُس کے شایان شان نہیں ہے۔ اُس کا ایک عظیم مقصد ہے اور اِس مقصد کے حصول کے لئے وہ اپنی جان ہاتھ پر رکھے سرگرداں ہے ---- اُس نے جو حوصلہ مند باتیں کہی تھیں اندر سے کہیں آواز آئی تو وہ چونک گیا۔ پھر اِس کے جواب میں جو اُس نے دلیل دی' وہ یہی تھی کہ ایسی حوصلہ مند باتیں تو اُس نے بہت سُنی ہیں۔ اگر اِس میں حوصلہ اور جرأت نہ ہوتی تو اَب تک مر گیا ہوتا ---- تو پھر تم نے اُسے اپنے ذہن میں کیوں بٹھایا ہوا ہے۔ کیوں معمہ بنی ہوئی ہے تمہارے لئے؟ اندر سے کہیں تلخی کے ساتھ کہا گیا تو وہ بُری طرح چونک گیا ---- تو کیا مجھے اُسے بھلا دینا چاہئے؟ اُس نے خود سے ہی سوال کیا تو جواب ملا کہ ہاں' بھلا دینا ہی بہتر ہے۔ وہ ایک عورت ہے اور اِس عورت کی حیثیت ہی کیا ہے تمہارے سامنے؟ تم عظیم مقصد کے لئے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ معمولی عورت تمہارا راستہ کھوٹا کرے۔ بچ جاؤ اِس سے کہ شیطان کے جال بڑے سنہری ہوتے ہیں ---- اُس نے اپنے اندر

سے یہ جملہ سُنی تو اُسے احساس ہوا کہ اُسے نرس سے نہیں ملنا چاہئے۔ یہ سوچ کر اُسے قدرے اطمینان ہوا۔ میڈیسن کے زیر اثر درد تو تقریباً ختم ہو چکا تھا اُسے سکون ہوا تو پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆

ہمایوں اِس گرلز کالج کے سامنے کھڑا تھا جس میں صفیہ پڑھتی تھی۔ گیٹ میں سے لڑکیاں باہر آرہی تھیں۔ وہ بائیک پر بیٹھا اُن آنے والی لڑکیوں میں سے صفیہ کا منتظر تھا۔ وہ سوچ چکا تھا کہ آج اُس سے حتمی بات کرے گا۔ اُس کا خیال تھا کہ جونہی وہ اُسے دکھائی دے گی وہ اُسے لے کر کسی قریبی ریستوران میں جا بیٹھے گا اور پوری طرح اُس سے بات کرے گا تا کہ جو منظر بھی ہو واضح ہو جائے۔ اُس کا دل کہتا تھا کہ صفیہ اُس کی بات ضرور سنے گی اور اسی کے حق میں اپنا فیصلہ دے گی۔ یہ اگر ہو جاتا تو ہمایوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ پوری دُنیا سے ٹکرا جائے گا لیکن صفیہ کو کسی طور پرایا نہیں ہونے دے گا۔ اُسے معلوم تھا کہ تھوڑے فاصلے پر ڈرائیور گاڑی لئے صفیہ کا منتظر ہے۔ ممکن ہے آج وہ اُس کے ساتھ نہ جائے لیکن اُسے یہ باور تو ہو جائے گا کہ ہمایوں اُس کی راہ میں کھڑا ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی حل نکال لے گی ---- اُس کا ذہن ایسی ہی سوچیں سوچتا چلا جا رہا تھا جبکہ اُس کی نگاہیں گیٹ پر لگی ہوئیں تھیں۔ ذرا سے فاصلے پر ڈرائیور گاڑی لے کر آیا ہوا تھا اُس کے پاس چند لمحے تھے جس میں اُس نے صفیہ سے بات کرنا تھی۔ اگر وہ اُسے دیکھے بغیر گاڑی تک چلی گئی تو اگلے دن پھر آنا پڑے گا۔ وہ چاہے ایک نگاہ ہی اُسے دیکھ لے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے صفیہ کا چہرہ دکھائی دیا۔ ہمایوں کا دل دھڑک اُٹھا اُس کی محبت اُس کے سامنے تھی۔

وہ گیٹ سے نکلی تو لڑکیوں کے جلو میں تھی۔ وہ ایک طرح کا گروپ تھا جو فیشن اور ماڈرن بننے کی دُھن میں منفرد دکھائی دیتا تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی اِنسان اپنے خیالوں اور سوچوں میں اتنا پختہ نہیں ہوتا لیکن اگر اُسے ہم خیال لوگوں کی محفل میسر آ جائے تو وہی کچے خیال پختہ ہو جاتے ہیں۔ صفیہ کا گروپ بھی ایسی ہی لڑکیوں کا تھا جو دولت کی نمود و نمائش میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھیں۔ ظاہر ہے دوسرے معاملات میں بھی اُن کے خیال "اُونچے" تھے۔ اپنی پوزیشن ثابت کرنے کے لیے وہ زور بھی لگاتی تھیں۔ اس سارے گروپ کو دیکھ کر ایک بار تو ہمایوں بے حوصلہ سا ہو گیا تھا شاید وہ اِس کی پہنچ سے بہت دُور کی "چیزیں" تھیں لیکن اگلے ہی لمحے اُسے خود پر اعتماد محسوس ہوا۔ کچھ بھی ہو صفیہ نہ صرف اُس کی منگیتر ہے بلکہ اُس کی کزن بھی تو ہے۔ اِسی اعتماد کے سہارے وہ آگے بڑھا۔ اِس وقت تک صفیہ اپنے گروپ سے الگ ہو کر کار کی جانب بڑھ رہی تھی اور یہی وہ لمحہ تھا جس کا ہمایوں کو انتظار تھا۔ وہ تیر کی مانند اُس تک پہنچا بائیک کو اُس کے قریب بریک لگاتے ہوئے جھٹکا لگا تو صفیہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور حیرت سے رُک گئی۔

"کیسی ہو صفیہ ----؟"

اُس نے تیزی سے پوچھا تو صفیہ نے تیوریوں پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"مَیں تو ٹھیک ہوں مگر تم یہاں کیا کر رہے ہو ----؟"

"مَیں ---- مَیں تمہارے لیے یہاں آیا ہوں مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔" ہمایوں نے تیزی سے کہا۔

"بات کرنی ہے۔۔۔مجھ سے۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں بہت ضروری ہے۔تم۔۔۔ابھی میرے ساتھ چلو یا پھر۔۔۔"

اُس نے کہنا چاہا تو صفیہ کا چہرہ ایک دَم سے سرخ ہو گیا' وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔۔۔تم ہوش میں تو ہو؟"

اِس کے یوں کہنے پر ہمایوں اُس کی جانب ہونقوں کی طرح دیکھنے لگا۔اُسے یہ احساس ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کالج کے گیٹ کے سامنے صفیہ کو روکے کھڑا تھا۔

"صفیہ! یہ تم کیا بات کر رہی ہو میں ہمایوں۔۔۔"

اُس نے بے ساختہ کہنا چاہا مگر صفیہ نے بات کاٹ کر کہا۔

"تم کوئی بھی ہو' مجھے تم جیسے لفنگوں سے کوئی مطلب نہیں ہے۔میرا راستہ چھوڑ دو اور دفع ہو جاؤ ورنہ۔۔۔"

ہمایوں شدتِ حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔"ورنہ۔۔۔کیا مطلب۔۔۔؟"

لفظ ابھی اُس کے منہ ہی میں تھے کہ صفیہ کا ہاتھ اُٹھا اور ایک زناٹے سے تھپڑ ہمایوں کی گال پر مار دیا اور انتہائی غصے میں بولی۔

"یہ ہے مطلب۔۔۔اِس سے پہلے کہ تمہاری ہڈی پسلی ایک کروا دوں' دفع ہو جاؤ یہاں سے اور دوبارہ کبھی میرے راستے میں آنے کی ہمت نہیں کرنا۔"

صفیہ انتہائی غضب سے آگ اُگل رہی تھی۔اِس کا چہرہ سرخ اور آنکھیں غصے میں پھیلی ہوئی تھیں۔اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہمایوں کو وہیں قتل کر دے لیکن وہ اتنا بھی کر سکی تھی جبکہ ہمایوں پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے تھے۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ ذلت بھرا سلوک بھی ہو سکتا ہے۔وہ حیرت کی انتہا پر تھا' اُس کی نگاہیں صفیہ کی شعلہ اُگلتی ہوئی آنکھوں پر ٹکی ہوئیں تھیں جن سے نفرت اُبل رہی تھی۔وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن ایک لفظ بھی اُس کے منہ سے نہ نکل سکا۔۔۔تھپڑ کی آواز کے ساتھ ہی لوگ اِن کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔صفیہ چند لمحے نفرت سے ہمایوں کو دیکھتی رہی اور پھر گھوم کر آگے بڑھ گئی۔ہمایوں حیرت سے ساکت ہوا' وہ اِسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔وہ کار میں بیٹھ کر ڈرائیور کو چلنے کا کہہ چکی تھی' کار آگے بڑھی تو کسی نے ہمایوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میاں! اَب جائیے' بہت ہو گئی۔۔۔"

"اَب دوبارہ یوں لڑکیوں کے کالج مت آنا۔۔۔"

ایک اور آواز اُس کے کانوں میں خنجر کی طرح لگی تو اُس نے اپنے آپ کو سمیٹا اور پھر پوری قوت سے کار کا پیچھا کرنے کا سوچا لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔اُسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہے اور یہ سارے واقعات کسی خواب ہی کا حصہ ہوں لیکن گال پر پڑنے والے تھپڑ کی حدت اُسے حقیقت کا احساس دلا رہی تھی' اُس کا دماغ گھوم کر رہ گیا تھا۔۔۔

اُسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب اپنے گھر تک پہنچا۔ اُس نے بائیک کھڑی کی اور سیدھا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔ وہ اپنے بستر پر بیٹھا اور سوچنے لگا کہ آخر اُس کے ساتھ یہ ہو کیا گیا ہے ایسا تو اُس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ صفیہ۔ اتنے لوگوں کے درمیان اُسے یوں ذلیل کر دے گی۔ بے اختیار لاشعوری طور پر اُس کا ہاتھ اپنے گال پر چلا گیا۔ اِس تھپڑ کی آواز اَب تک اُس کے ذہن میں گونج رہی تھی جیسے کوئی شے ساکت ہو جائے۔

"کیا صفیہ مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہے کہ۔۔۔"

اُس کے اندر سے آواز اُبھری جسے اُس نے خود ہی دبا دیا لیکن فوراً بعد ہی اُس کے دماغ نے کہا۔

"وہ تم سے نہیں، تمہاری غربت سے نفرت کرتی ہے۔ تم اُس کے قابل ہو ہی نہیں ورنہ وہ اپنا رویہ تو کم از کم اچھا رکھتی۔ کوئی بہانہ بنا دیتی اس طرح تمہیں ذلیل تو نہ کرتی۔۔۔"

شرمندگی کے احساس سے وہ گڑا جا رہا تھا، زمین پھٹی نہیں ورنہ وہ اس میں سما جاتا۔ اُسے لوگوں کی نظروں میں طنز، حقارت اور مذاق کی پرواہ نہیں تھی، اُس کی نگاہوں کے سامنے تو صفیہ کی آنکھیں ساکت ہو گئی تھیں جن میں حد درجہ نفرت اور حقارت کے ساتھ شدید غصہ تھا۔

"اس نے کسی بھی خونی رشتے کی پرواہ نہیں کی۔۔۔؟" اُس نے انتہائی تلخی سے سوچا۔

"خونی رشتہ!۔۔۔ ترس آ رہا ہے تم پر اور تمہاری اُمید پر۔ دُنیا بدل گئی اُس کے معیار بدل گئے اور تم ابھی تک رشتے ناتوں کے جال میں پھنسے ہوئے ہو۔ ثبوت مل گیا ہے نا تمہیں!۔۔۔ اس طرح تو کوئی اجنبی بھی تمہارے ساتھ نہ کرے جس طرح اُس نے کیا۔" دماغ نے پھر اُسے سمجھایا۔ تو اُس کا غصہ کن پٹیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔

"مَیں اُسے۔۔۔"

"کیا کر لو گے تم؟۔۔۔ جس طرح تم وہاں کچھ نہیں کر سکے، آئندہ بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ پاؤ گے۔ تمہاری حیثیت کیا ہے، تم جس رشتے کے زعم میں اس سے بات کرنے گئے تھے اس پر صفیہ نے لکیر پھیر دی ہے۔ اَب کیا تعلق ہے تمہارا اُس سے۔۔۔؟"

"کچھ بھی ہے، وہ میری ہے اور مَیں اُسے حاصل کر کے رہوں گا۔"

"اگر تمہیں ذلیل ہونے کا شوق ہے تو کر و کوشش ورنہ چانس کوئی نہیں ہے، اتنی ذلت کے بعد تو محض خودکشی کی جا سکتی ہے۔"

"کیا کروں مَیں، پھر کیا کروں۔"

اُس نے اپنے بال نوچتے ہوئے کہا۔ پھر بے بس سا ہو کر اپنے بستر پر ڈھ گیا۔ وہ اپنے آپ کو دُنیا کا بے بس ترین آدمی تصور کر رہا تھا۔

☆☆

اس دوپہر جب صفیہ گھر میں داخل ہوئی تو زیتون بی بی کو تھوڑا بدلی ہوئی محسوس ہوئی، اُس کا چہرہ غصے سے بگڑا ہوا تھا۔ زیتون بی بی آخر ماں تھی، ایک لمحے میں پہچان گئی کہ آج کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے، جس کی بنا پر صفیہ کا چہرہ تنا ہوا ہے۔۔۔ صفیہ نے آتے ہی کتابوں والا بیگ ایک جانب پھینکا اور چپ چاپ صوفے میں دھنس گئی۔ اُس نے اپنے سر کو یوں پکڑ لیا تھا جیسے وہ خود اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

''کیا بات ہے بیٹی! طبیعت خراب ہے کیا---؟''

زیتون بی بی نے بڑے پیار سے پوچھا تو صفیہ گویا پھٹ پڑی۔

''طبیعت نہیں' قسمت خراب ہے میری---''

''اللہ نہ کرے بیٹی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو---'' وہ قدرے خوف زدہ انداز میں بولی۔ ''ہوا کیا ہے---؟''

''آج--- بلکہ ابھی کچھ دیر پہلے میں اس شخص کے ہاتھوں ذلیل ہو گئی ہوں جسے آپ لوگ اپنا خون کہتی ہیں۔ ایسا تو کوئی اجنبی بھی نہیں کرتا---'' اُس نے انتہائی غصے میں کہا۔

''ہوا کیا ہے' کچھ کہو گی بھی---؟'' وہ گہری تشویش سے بولی۔

''وہ--- وہ لفنگا ہمایوں آج کالج کے سامنے میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ سب لوگ دیکھ رہے تھے اور وہ---'' اُس نے روہانسو ہوتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہو گی' وہ تم سے کوئی بات---''

''ماما! آپ پھر اسی منحوس کی طرفداری کر رہی ہیں جس سے میں شدید نفرت کرتی ہوں۔ آپ اس کے بارے میں وضاحت کر رہی ہیں' مجھ پر یقین نہیں ہے میں غلط کہہ رہی ہوں تو ڈرائیور سے پوچھ لیں' پھر تو آپ کو یقین آجائے گا یا پھر اس دن یقین آئے گا' اس دن آپ کی آنکھیں کھلیں گی جب پانی سر سے گزر چکا ہوگا---'' صفیہ بے اختیار کہتے کہتے اچانک اپنی بات کا ادراک کرتے ہوئے خاموش ہو گئی۔

''تم فکر نہیں کرو میں اُسے سمجھا دوں گی۔ وہ---''

زیتون بی بی نے کہنا چاہا لیکن وہ غصے میں بولی۔

''آپ کیا سمجھائیں گے اُسے' میں بس پاپا کا انتظار کر رہی ہوں۔ وہ آجائیں تو میں اُن سے کہہ کر اس خبیث کا دماغ ٹھکانے لگواؤں گی۔ میں---''

''خبردار! اپنے باپ سے کچھ مت کہنا۔'' زیتون بی بی اچانک تیزی سے بولی۔ ''پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمایوں نے کوئی ایسی اوچھی حرکت نہیں کی ہو گی۔ مان لیا کہ اُس نے بدتمیزی کی بھی ہے تو کیا تم اس آگ کو مزید بھڑکانا چاہتی ہو؟ تمہاری یہ نفرت دو بھائیوں کے درمیان خون خرابہ کرائے گی---''

''آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن اس خبیث کا ذہن گندا ہے۔ کیا میں گئی تھی اُس کے پاس کہ وہ مجھ سے بدتمیزی کرے؟--- آپ مان لیں کہ وہ نیچ لوگ ہیں اور اوچھی حرکتیں کرتے ہیں۔ اس کا خمیازہ انہیں بھگتنا ہی پڑے گا اور یہ کیا کہہ دیا آپ نے کہ میں آگ بھڑکا رہی ہوں' میں خون خرابہ کراؤں گی۔ وہ جو میرے راستے میں---''

''کیا کہہ دیا ہے اُس نے' بیٹی تاکہ اُس نے تم سے کوئی بات کرنا چاہی ہو گی۔ تمہیں اغوا کرنے کی کوشش تو نہیں کی؟'' زیتون بی بی بھی

غصے میں آ گئی۔

"ماما! آپ ---"

صفیہ حیرت زدہ رہ گئی تو وہ قدرے تحمل سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"دیکھو تمہارے نزدیک چاہے یہ کھیل تماشا ہی ہو۔ تم اُس سے نفرت کرتی ہو اور اُس کی بدتمیزی پر اُسے سبق بھی سکھانا چاہتی ہو لیکن یہ کیوں بھولتی ہو کہ تم ایک لڑکی ہو ---"

"وہ جو مرضی چاہے ---"

"خاموش ---" زیتون بی بی نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھتے ہوئے دھیرے سے کہا' پھر اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی۔ "تو اپنے باپ سے کہے گی' بھائی سے کہے گی۔ وہ غیرت میں آ کر کچھ بھی ہمایوں کے خلاف کریں گے۔ بات تو اُڑے گی نا! پھر افسانے بننے سے کوئی روک سکے گا' تم روک پاؤ گی؟ --- کچھ ہوش کی دوا کرو لڑکی!" زیتون بی بی نے اُسے سمجھایا۔

"ماما! مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ اُس کی وکالت کیوں کر رہی ہیں۔ کل اگر اُس کی یہ ہمت پڑ گئی کہ مجھے اغواہ کر لے تو ---؟"

"تم جو باپ بیٹی ہو نا! تمہارے دماغ میں جو دولت کا خناس ہے' یہ تم دونوں کو کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔ خون تو سفید ہو ہی گئے ہیں' اب خون خرابہ بھی کروا کے چھوڑو گی --- جاؤ' شوہر و' دُنیا کو فخر سے بتاؤ کہ تمہیں تمہارے کزن نے بُرا بھلا کہا ہے۔" زیتون بی بی روہانسو ہوتے ہوئے بولی۔

"ماما! آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچیں۔ آج اُس کی یہ ہمت پڑی ہے تو کل اُس کا حوصلہ بڑھے گا' پھر اگر پاپا کو معلوم ہوا تو کیا بتائیں گے کہ ہم نے انھیں کیوں انفارم نہیں کیا تھا؟" صفیہ قدرے ڈھیلی پڑتے ہوئے بولی۔

"تم جانو اور تمہارا باپ' میں آج کے بعد تمہارے کسی بھی معاملے میں نہیں آنے والی --- تم اب سمجھدار ہو گئی ہو' اپنے معاملات خود حل کر سکتی ہو۔"

"ماما! آپ میری بات کو غلط سمجھ رہی ہیں میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے۔" صفیہ نے تیزی سے کہا' اُس کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"تو کیا میں یہ نہیں کر سکتی میں نہیں روک سکتی۔ ایک کام اگر سہولت سے ہو جائے تو اُسے مشکل ضروری کرنا ہے۔ کیا تم چاہتی ہو کہ لوگ تمہارے بارے میں افسانے بناتے پھریں؟" زیتون بی بی نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ماما! میں ابھی پاپا سے کچھ نہیں کہوں گی لیکن آئندہ اُسے مجھ سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہونی چاہئے۔"

صفیہ یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئی تو زیتون بی بی اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ جب چلی گئی تو زیتون بی بی سوچنے لگی کہ وہ کس سے بات کرے۔ انور علی سے، زینب سے یا پھر ہمایوں سے؟--- بات تو اُسے کرنا تھی ورنہ ممکن ہے معاملہ بڑھ جاتا۔ ابھی تک اُسے پوری بات کا خود بھی پتہ نہیں تھا۔ ایک جانب اگر اس کی بیٹی تھی تو ہمایوں بھی تو اُس کا کچھ لگتا تھا--- وہ سوچنے لگی کہ وہ کس سے بات کرے؟

☆☆

تبدیلی چاہے حالات میں ہو یا انسانی رویے میں ایک فطری عمل ہے۔ انسان جب بھی اور کسی بھی حالات میں کوئی عمل کرتا ہے اس میں کبھی بہت جذباتی ہوتا ہے اور کبھی یہی جذبات بہت ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ جذبات کی گرمی سردی ہو یا پھر مسلسل عمل کی تھکن ہو حالات کے بدلتے ہوئے اطوار ہوں یا پھر وسائل کی کمی بیشی' تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ یہی تبدیلی انسان کو یکسانیت کا شکار نہیں ہونے دیتی---

جنید ان دنوں یکسانیت کا شکار ہو چکا تھا۔ ایک ہی گھر میں سارا دن پڑے رہنا۔ کھالیا' پی لیا اور سو گیا یا پھر ٹی وی پر نگاہیں جمائے بیٹھے رہنا' جس سے وہ اُکتا گیا تھا۔ اُسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کب تک زیرِ زمین رہنے کا حکم رہے گا۔ وہ باہر کھلی فضاؤں میں رہنا چاہتا تھا' اس کمرے میں تو اُس کا دم گھٹتا تھا۔ اُس کے ساتھیوں نے جو بھی کیا تھا' قانونی تھا یا غیر قانونی' اُسے پولیس سے تو آزاد کروا دیا تھا لیکن ایک ہی گھر کے اندر تک محدود رہنے کی مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ اگرچہ وہ اس تنہائی سے اُکتا گیا تھا لیکن اس تنہائی نے اُسے ایک فائدہ بھی پہنچایا تھا کہ وہ اَب تک کی ساری جمع تفریق کر چکا تھا جس کا حاصل کچھ بھی نہیں آیا تھا۔

اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب وہ کالج کے ابتدائی دنوں میں تھا' انہی دنوں ایک طلبہ تنظیم کے چند لوگ اس سے بہت ملتے تھے' وہ اُس کی باقاعدہ دعوت کرتے اور اپنے مخصوص انداز میں مذہبی باتیں کیا کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے وہ بھی اُن کا ہم خیال ہو گیا' یہاں تک کہ جب وہ سال دوئم میں آیا تو وہ بھی انہی کی طرح لوگوں کو اپنا پیغام سناتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ یہی اُس کی ابتداء تھی لیکن شاید ابھی اُس کی یہ ابتداء نہیں تھی۔ ابھی وہ اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا۔ اُس کے والد کو جنید کی سرگرمیوں کے بارے میں جب تھوڑا بہت علم ہوا تو اُس نے بہت پیار سے اپنے بیٹے کو سمجھایا۔ اُس کے تئیں وہ اپنے بیٹے کو اچھی طرح سمجھا چکا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ پورے دن میں ایک دو گھنٹے اپنے باپ کے ساتھ گزارنے والا جنید باقی ڈھیر سارا وقت اپنے اِن دوستوں میں گزارتا جو اُس کے تنظیمی ساتھی تھے۔ گرم خون اور مذہبی خیالات' ان دونوں نے مل کر اُسے ایسی راہ پر ڈال دیا کہ ایک دن وہ اپنے گھر کو خیرآباد کہہ کر اپنے تنظیمی ساتھیوں میں آ گیا جہاں سے اُس کی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اُسے باقاعدہ تربیت دی گئی اور اِن ساری

رکاوٹوں سے نپٹنے کے لیے جوان کے مقصد کی راہ میں حائل ہوتی تھیں تحریر و تقریر سے لے کر اسلحہ چلانا تک اُسے سکھایا تھا۔ اب وہ ایک پختہ تنظیمی ساتھی تھا جس نے بہت ساری کارروائیاں کی تھیں اور ان دنوں وہ سارے ساتھی زیرِ زمین تھے۔

جنید کو یہ اچھی طرح احساس تھا کہ ان کی تنظیم ایک سیاسی جماعت کی ذیلی تنظیم ہے اور بہت سارے معاملات میں سیاسی حالات بہت اہم ہوتے ہیں۔ ان کی سیاسی جماعت بھی ایک خاص طرح کا انقلاب لانا چاہتی تھی اور وہ اس انقلاب کے لیے اپنی جان تک دینے کا عزم کیے ہوئے تھا لیکن کبھی کبھی جب اُسے اپنے والدین، بہن بھائی یاد آتے تو اُس کا جی بھر آتا۔ وہ سوچتا کاش وہ بھی ایک عام سی زندگی گزار رہا ہوتا لیکن پھر اگلے ہی لمحے یہ خیال آجاتا کہ وہ عام سی زندگی کے لیے بنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ ان خاص لوگوں میں شامل ہے جو قوموں کی تقدیر بدل دیا کرتے ہیں۔ اسی زعم میں نجانے اُس نے کتنے زخم کھائے تھے اور ایک سخت قسم کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔

اس رات ہمایوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا جب ذیشان اُس کے پاس آگیا۔ وہ بھی اُس کی طرح کسی جگہ پر تھا، تنہائی سے اُکتایا تو اُس کے پاس آگیا تا کہ یہ بور ترین دن کچھ تو خوشگوار گزریں۔ ذیشان اُس کا سینئر تنظیمی ساتھی تھا، جس کے ساتھ وہ اُن معرکوں میں شریک ہو چکا تھا جن میں اُس نے موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا تو ہمایوں نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہو گیا یار تم آگئے ہو ورنہ میں تو یہاں سے بھاگنے والا تھا۔" ہمایوں نے خوشی بھرے لہجے میں کہا۔

"کیوں بھاگنا کیوں چاہتے تھے۔۔۔؟" ذیشان نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"اُکتا گیا ہوں یار تنہائی سے۔۔۔" اُس نے عام سے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔۔۔ میں سمجھا کہیں تم میری طرح اپنے ہی خیالوں سے تنگ آگئے ہو۔" ذیشان کے لہجے میں اچھا خاصا دُکھ گھلا ہوا تھا جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن ضبط کر رہا ہو۔

"خیالوں سے تنگ۔۔۔ میں سمجھا نہیں؟" جنید نے واقعتاً کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"تم ایسے کرو، تیار ہو جاؤ ہم آج کہیں باہر سے کھانا کھائیں گے، شہر سے دور کہیں ویرانے میں تھوڑا وقت گزاریں گے۔۔۔" اُس نے انتہائی اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"او یار! خیریت تو ہے نا، کیسی باتیں کر رہے ہو تم۔۔۔؟" جنید نے اُس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت ساری باتیں ہیں کرنے کی۔۔۔ تم سے جو کہا ہے وہ کرو اور اگر تمہارا دل نہیں چاہتا تو صاف بتا دو۔ میں کسی اور کے پاس چلا جاتا ہوں۔"

وہ تلخی سے بولا تو جنید کو معاملہ خاصا گھمبیر لگا، اس لیے ہنستے ہوئے بولا۔

"میں کون سا انکار کر رہا ہوں۔۔۔ چلو تم فریج میں سے اپنی پسند کا کوئی مشروب پیو اور میں نہا کر آتا ہوں، پھر چلتے ہیں۔۔۔ اب خوش؟" اُس کے لہجے میں مصالحانہ انداز تھا۔

”چلو یار۔۔۔!“

ذیشان نے کہا اور فریج کی جانب بڑھ گیا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ ذیشان کی لائی ہوئی کار میں اس کے ساتھ بیٹھا تو ذیشان نے خوشدلی سے کار بڑھا دی' تب جنید نے پوچھا۔

”ایک بات سچ سچ بتانا یار! تمہیں آج ہو کیا گیا ہے' خاصے بدلے بدلے دکھائی دے رہے ہو؟“

”میں آج تم سے ایسی باتیں ہی کرنے آیا ہوں۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ سب تم سے کہہ دوں گا تو میرے من کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا بلکہ اپنے آپ کو بھی مطمئن کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ تمہارا یہ سوال بنتا ہے کہ آخر میں ہی کیوں؟ تو سنو۔ میں نے اپنے سارے لوگوں پر نگاہ دوڑائی' ان میں تم ہی مجھے ایسے معقول بندے دکھائی دیئے ہو جس سے بات کروں' مشورہ کروں۔ اپنے آپ کو جانچ سکوں کہ میں غلط ہوں یا صحیح۔۔۔؟“

ذیشان تو جیسے پھٹ پڑا اور ہمایوں کو لگا جیسے ذیشان ذہنی طور پر بہت ہی زیادہ منتشر ہے۔ وہ اس کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ایسی کیفیت کبھی کبھی اُس پر بھی طاری ہو جایا کرتی تھی لیکن ایسا اس وقت ہوتا جب وہ کسی طرح سے بھی ذہنی انتشار کا شکار ہوتا۔ جنید کو احساس ہو گیا کہ ذیشان کے اندر بہت ساری باتیں ایسی ہیں جنہیں وہ کہہ دینا چاہتا ہے' وہ باتیں اُسے سن لینا چاہئیں۔۔۔ اُس نے بہت ملائمیت سے کہا۔

”میں تمہاری ساری باتیں سنوں گا اور جہاں تک ہو سکا' تمہیں بہترین مشورہ دوں گا۔“

”جنید۔۔۔!“ ذیشان نے چند لمحے بعد کہا اور لمحہ بھر وقفے کے بعد بولا۔ ”ہماری زندگی کیا ہے' یار! کبھی تم نے سوچا کہ عام انسانوں سے ہٹ کر ہم یوں زندگی بسر کر رہے ہیں جیسے ہم کسی جنگل کے باسی ہوں۔ چھپتے پھرتے ہیں' گھات لگاتے ہیں' شکار کرتے ہیں اور ہر لمحہ شکار ہو جانے کا ڈر لگا رہتا ہے۔“ اس کے لہجے میں خوف سے زیادہ اکتاہٹ تھی۔

”تمہیں یہ خیال کیوں آیا۔۔۔؟“ اس نے دھیرے سے پوچھا۔

”خیال؟۔۔۔ یہ محض خیال نہیں ہے' یار! ایک ایسی تلخ حقیقت ہے' جس میں ہم زندہ ہیں۔“ وہ تلخی سے بولا۔

”تم صرف ڈیپریشن کا شکار ہو رہے ہو۔ یقیناً یکسانیت اور تنہائی نے۔۔۔“

”تم یہ کتابی باتیں کر کے میرا دماغ مت خراب کرو' وہ بات کرو جو حقیقت ہے۔ زندہ' تلخ اور سچی حقیقت۔۔۔ مجھے لگتا ہے' تم سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہو۔ تمہاری آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہے اور تم کولہو کے بیل کی مانند ایک دائرے میں گھومتے چلے جا رہے ہو یا پھر کسی سدھائے ہوئے جانور کی طرح وہی کرتے ہو جو حکم ملتا ہے۔“

”میں اب تک نہیں سمجھ پایا ذیشان! کہ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟۔۔۔ تم پورے اعتماد کے ساتھ میرے ساتھ بات کر سکتے ہو۔“ جنید نے کہا تو اس وقت تک وہ ایک بہترین ہوٹل کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

”اندر بیٹھ کر سہولت سے بات کرتے ہیں۔۔۔“

ذیشان نے کہا اور گاڑی پارکنگ کی جانب موڑ دی۔

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے کھانے کا آرڈر دے چکے تھے اور جنید اس انتظار میں تھا کہ وہ کوئی بات چھیڑے جبکہ ذیشان سوچ رہا تھا کہ بات کا آغاز کہاں سے کرے؟ پھر اسی نے خاموشی توڑی اور بولا۔

"تم اور مَیں بھی جانتے ہیں نا' کہ ہم ایک اعلیٰ ترین مقصد کے لیے کام کرتے ہیں۔ ہماری دوستی اور دشمنی اللہ کے لیے ہی ہے لیکن کیا حقیقت میں ایسا ہی ہے؟"

اس کے یوں کہنے پر جنید چونک گیا۔ وہ بہت ہی اہم معاملے پر بات کرنے جا رہا تھا۔

"تم کیا سوچتے ہو---؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"میرے سوچنے یا نہ سوچنے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوگی' میرے دوست!---تم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟"

"دیکھو ہمارا مقصد بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور ہم اس کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں' بس---" جنید نے اسے مقصد یاد دلایا۔

"تمہارا کہنا بالکل درست ہے' ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس سے کوئی بھی مسلمان انکار نہیں کر سکتا اور نہ کرنا چاہئے اور دوسری بات کہ کوئی بھی مذہب یا تنظیم ہو اس کا پیغام' اس کی تعلیمات بہترین اصولوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے ہی پیغام' اپنی ہی تعلیمات کے اصولوں پر کاربند رہتے ہیں اگر کاربند رہتے ہیں تو اس کا نتیجہ انسانیت کے حق میں ہوتا ہے---مَیں سوال کرتا ہوں کہ کیا خدا جنگ چاہتا ہے؟"

"تم مجھے بہت زیادہ منتشر لگتے ہو ذیشان! کہیں تم---"

"دوست مَیں اپنی تنظیم کے خلاف نہیں جا رہا لیکن ایک انسان ہونے کے ناتے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تو رکھتا ہوں نا؟---میرے دماغ میں بھی سوچ آتی ہے۔ مَیں جو دیکھتا ہوں' اس پر مجھے بھی یہ فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ میرے سامنے جو کچھ ہو رہا ہے' آیا وہ درست ہے یا غلط؟---مجھے سبق دینے والے' مجھ پر حکم چلانے والے اگر خود ہی اپنے حکم سے انحراف کر جائیں تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے---بولو تم اس پر کیا کہتے ہو؟"

"مَیں---" جنید نے چونکتے ہوئے کہا۔ "مَیں پھر اپنا ہی فیصلہ کروں گا۔"

"یہی میرا حال ہے' مَیں اپنا فیصلہ خود کرنا چاہتا ہوں لیکن المیہ یہ ہے کہ مَیں اَب اپنا فیصلہ بھی خود نہیں کر پاؤں گا۔ مَیں نے جب بھی سچ بولا' اُن کے اعمال پر اُنگلی اُٹھائی تو غدار قرار دے دیا جاؤں گا۔ تب دُنیا میں جو میرے ساتھ فیصلہ ہونا تھا' وہ ہو جائے گا مگر آخرت میں کیا ہوگا۔ مجھے جنت ملے گی یا دوزخی ٹھہرا دیا جاؤں گا؟"

"ذیشان! تم تو بہت آگے کی سوچ رہے ہو۔"

"تم یہ مانتے ہو نا' کہ مَیں تم سے بہت پہلے اس تنظیم میں ہوں۔" ذیشان نے اُس کی سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔ "بلاشبہ اس کا مقصد نیک ہے لیکن اس کا نتیجہ---میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ میرے ہی ساتھیوں کا خون رائیگاں گیا اور کیا میرا خون بھی

رائیگاں جائے گا؟"

"مَیں اَب تک نہیں سمجھ پایا کہ آخرتم کہنا کیا چاہتے ہو---؟" جنید نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"تم بس سنو اور پھر اِس پر غور کرو فیصلہ کرنے کا تمہیں اختیار ہے۔" یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا اور پھر کہتا چلا گیا۔ "دین میں جہاد فرض ہے مجھے اِس سے قطعاً انکار نہیں اور رجہاد کرنا عین فرض ہے۔ غیر مسلم پوری طرح زور لگاتے ہیں کہ مسلم اُمہ سے جہاد نکال دیا جائے مگر یہ اُن کا احمق پن ہے۔ وہ قرآنی تعلیمات کو نہیں ختم کر سکتے اور اُمت مسلمہ کی بقا ہی اس میں ہے کہ وہ جہاد پر کاربند رہے۔ مَیں یہ چاہتا ہوں کہ جب ہم جہاد کے لیے نکلیں تو ہمیں یہ پورا یقین ہو کہ ہم واقع ہی جہاد کر رہے ہیں لیکن چند لوگوں کے فیصلے پر سب کچھ ختم ہو جاتا ہے' کیا اللہ کا قانون بدل جاتا ہے؟"

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم---؟"

"مَیں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مَیں تمہیں کہتا' یہ مفادات کا کھیل ہے یا ہم کس کی لڑائی لڑ رہے ہیں لیکن جو ہمیں حکم دیتا ہے' ہمیں اُس سے تو سوال کرنے کا حق ہے کہ اُس کا فیصلہ جدوجہد کو تیز کر رہا ہے یا اِس پر لکیر پھیر رہا ہے؟--- اِس دعوت کو قبول کرنے سے لے کر آج تک پر غور کرو۔ تمہیں میری باتوں کی تائید میں بہت کچھ ملے گا۔ ایک مجرم اگر کوئی جرم کرتا ہے تو اپنے مفاد کے لیے کرتا ہے لیکن ہم کیا کر رہے ہیں؟"

"ذیشان! کیا تم نے ایسا کچھ دیکھا---؟" پہلی بار وہ اس کی گفتگو کو سمجھتے ہوئے بولا۔

"ہاں' بہت کچھ--- تبھی تو مَیں نے اپنے طور پر سوچا ہے کہ تم سے مشورہ کر رہا ہوں کہ بولو' ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"جب تک میرے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہوگا' اس وقت تک میں کوئی بات نہیں کروں گا---"

جنید نے اٹل لہجے میں کہا۔ اس سے پہلے کہ ذیشان کچھ کہتا' اُن کے سامنے کھانا چنا جانے لگا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ ویٹر جب کھانا رکھ کے چلا گیا تو ذیشان نے کہا۔

"فی الحال کھانا کھاؤ--- رزق سامنے آ گیا ہے' باقی باتیں بعد میں---"

اس دن جنید کے سامنے بہت ساری باتیں آئیں۔ دراصل وہ جس جماعت کی ذیلی تنظیم میں تھے اُن کے فیصلے تو سیاسی جماعت کے بڑے لیڈر ہی کرتے تھے اور اُنہیں حکم سنا دیا جاتا تھا پھر وہ بلا چوں و چرا حکم کی تعمیل کر دیتے۔ لیکن کچھ عرصے سے قائدین ایسی راہ پر چل نکلے تھے جسے مفاہمت نہیں' مفادات کا حصول کہا جا سکتا تھا۔ اِن کے فیصلے' اُنھی کے پیغام کے منافی جا رہے تھے اس لیے تنظیمی لوگوں میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو جانا فطری عمل تھا۔ جس قافلے پر قائد کی گرفت نہ رہے' وہ قافلہ بکھر ہی جایا کرتا ہے۔ ذیشان کی دور رس نگاہیں سب دیکھ رہی تھیں۔ جنید نے جب کھلی آنکھوں سے سارے معاملات کو دیکھا تو نہ صرف چونکا بلکہ مایوس بھی ہو گیا مگر اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ قائدین کا رویہ مفاہمت بھرا ہے' مفادات کے حصول کے لیے یا پھر پسپائی ہے' کیا ہے؟ اس یقین کے ساتھ اُس کا فیصلہ بھی متوقع تھا۔ جو کچھ بھی تھا' وہ اپنی جگہ لیکن پہلی بار اُس نے اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ یہ اُس کے لیے ایک بہت بڑی تبدیلی تھی۔

☆☆

رات کا گہرا سناٹا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ ہمایوں اپنے بوسیدہ سے کمرے میں بیٹھا ہوا مسلسل سوچ رہا تھا کہ ان چند دنوں میں اُس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ ان دو واقعات نے اُسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا' یہاں تک کہ اُس کی سوچوں کی بنیاد ہی ہل گئی تھی۔ یوں جیسے کسی نے اُس کے اندر زہر کا بیج بو دیا ہو۔ شاید اُس کے اندر کی زمین زرخیز تھی' پھر جیسے ہی حالات کے زہر کا بیج اس کے اندر بو دیا گیا تو اُس نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا۔ اُسے احساس ہونے لگا کہ جیسے اُس کے اندر کی دُنیا میں کہیں تبدیلی ہونا شروع ہو گئی ہے۔ وہ جس قدر اِن واقعات کو بھلانا چاہتا اسی قدر اُسے یاد آتے تھے۔ شرمندگی اور اپنی کم مائیگی کا احساس اُس کے اعتماد کو ریزہ ریزہ کر رہا تھا۔ وہ خود کو دُنیا کا احمق ترین شخص محسوس کر رہا تھا۔ جس کی عقل نجانے کہاں کھو گئی تھی۔ پہلی بار اُسے معاشرے کے بارے میں سوچنے کی تحریک ملی تھی۔ اُس کا اپنے آپ سے پہلے سوال ہی یہی تھا کہ اُس نے غلط کیا ہے یا پھر اس معاشرے کی اخلاقی قدریں ہی دم توڑ گئی ہیں۔ یوں اُس نے اپنے رویے کے بارے میں سوچا اور معاشرے پر بھی غور وفکر کیا جس کا جواب اُسے یہی ملا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے مس فٹ ہیں۔ اُسے خود بدلنا ہو گا یا پھر اس معاشرے کو تبدیلی کے بغیر وہ اس معاشرے میں سانس بھی نہیں لے سکتا۔ اُس کا اعتماد ٹوٹ چکا تھا۔۔۔

شخصیت کو پارہ پارہ کر دینے والی اِنہی سوچوں میں وہ مگن تھا اُسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ باہر اندھیرا اس قدر ہو گیا ہے' اُس کے گھر والے کیا کر رہے ہیں یا پھر اُس کی اپنی دُنیا کیا ہے۔ وہ تقریباً ہر معاملے میں یوں بے نیاز ہو گیا تھا کہ جیسے وہ اس دُنیا کے لیے بنا ہی نہیں ہے۔ اُس کے اندر یہ احساس شدت سے گردش کر رہا تھا کہ اس معاشرے کے جو معیار بن چکے ہیں' اُن پر وہ پورا نہیں اُترتا سو اُس کی حیثیت ایک مفلوج شخص کی سی ہے جو اس معاشرے کے لیے کسی طرح بھی کارآمد نہیں ہے۔

''ہمایوں۔۔۔۔۔ اوئے ہمایوں۔۔۔۔؟''

اُس کے باپ نے کمرے میں آ کر اِسے مخاطب کیا تو وہ چونک گیا۔ اُس نے دیکھا کہ اس کا باپ اور اس کے پیچھے غمزدہ چہرے لیے اُس کی ماں اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''جی۔۔۔۔'' وہ سیدھا ہوتا ہوا بیٹھ گیا۔

''بیٹے! یہ کیا حالت بنائی ہے تم نے۔۔۔۔؟'' انور علی نے اُس کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تو اُس کی ماں بھی اس کے بستر پر بیٹھ گئی۔

''میں۔۔۔۔ میں ٹھیک ہوں اَبا جی! آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔۔۔۔؟'' وہ تیزی سے بولا۔

''نہیں' تم ٹھیک نہیں ہو۔۔۔۔ تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم ٹھیک نہیں ہو۔'' اُس کی ماں نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

''کیا ہوا ہے مجھے؟۔۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔۔۔۔'' اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''بیٹے! ہم جانتے ہیں کہ کیا ہوا ہے اور اس کا اثر تم پر کیا ہو رہا ہے۔ تم ابھی اِتنے سمجھدار نہیں ہوئے ہو کہ اس دُنیا کو سمجھ جاؤ' یہ بہت ظالم ہے لیکن اس دُنیا کا مقابلہ تو کرنا ہے' میرے بچے! اور وہ لوگ جو مضبوط نہیں ہوتے' اُنہیں تو یہ دُنیا رگید کر رکھ دیتی ہے۔ اس دُنیا میں بہت سارے

ناکردہ گناہوں کی سزا بھی مل جاتی ہے۔" اُس کے باپ نے بے چارگی سے کہا۔

"ابا جی! مَیں نے آج تک یہی کتابوں میں پڑھا۔ آپ نے بھی ہمیشہ اچھائی کی تعلیم دی۔ آپ بتائیں مَیں نے کیا جرم کیا تھا۔ ایک شخص کو جو قانون کا رکھوالا مانا جاتا ہے' اُسے لاقانونیت سے باز رہنے کے لئے ہی کہا تھا اور اُس نے میرے ساتھ کیا کیا' میری شخصیت تک مسخ کر کے رکھ دی' ایک ہی جھٹکے میں میری اوقات بتا دی---" وہ قدرے تلخ لہجے میں بولا۔

"کتابوں میں پرانی باتیں لکھی گئی ہیں اور ہم بھی پرانے زمانے کے بندے ہیں---" اُس نے آہ بھرتے ہوئے کہا پھر ایک لمحے کو اُس نے اپنے بیٹے کے چہرہ پر نگاہ ڈالی اور تیزی سے بولا۔ "بس تم اِس دُنیا میں حوصلے سے جینا سیکھو کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے تمہیں دُکھ ہو---"

"ہمایوں! مَیں تم سے یہ پوچھتی ہوں' تم آخر صفیہ کے کالج کیا لینے گئے تھے--- نہ تم جاتے اور نہ وہ تمہارے طمانچہ مارتی؟"

اُس کی ماں نے اپنی رو میں کہا تو وہ چونک گیا۔ اُس کی ماں کے لہجے میں آگ تھی' نفرت کی آگ جسے وہ باوجود کوشش کے چھپا نہیں پائی تھی۔ اِس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بھی کتنی بے بس ہے۔

"امی! یہ بات آپ کو کس نے بتائی---؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"اُس کی ماں زیتون بی بی نے--- اُس گھر میں اَب تک اسی عورت کا دماغ دُرست ہے ورنہ سب دولت کی چکا چوند کے سامنے اپنے حواس کھو بیٹھے ہیں۔ انہیں یہ ہوش ہی نہیں کہ ان کا خونی رشتہ بھی کسی سے ہے' وہ تو---"

زینب اسی رو میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھی کہ انور علی نے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "نیک بخت! کیوں خواہ مخواہ اپنا خون جلا رہی ہے--- بات خونی رشتے کی نہیں ہے' مَیں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی کسی سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا تو اِس میں زور زبردستی کیا ہے۔ اُن کے پاس اگر دولت ہے تو اُن کی محنت کی ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم امارت میں اُن کے ہم پلہ نہیں۔ وہ اَب کسی دوسری دُنیا کی مخلوق ہو گئے ہیں تو کیا ضرورت ہے اُن سے تعلق رکھنے کی' کیا اُن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہیں گے؟" اُس کے لہجے میں دُکھ گھلا ہوا تھا۔

"یہی تو مَیں کہتی ہوں--- جب یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ ہم سے ہر تعلق' ہر رشتہ توڑ چکے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے اُن سے رابطہ رکھنے کی---؟"

زینب نے اپنے خاوند کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اِس پر ہمایوں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا' اُسے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ انہی لمحات میں اُس کے اندر سے آواز اُبھری کہ کیا واقعی اُس نے غلطی کی تھی؟--- اِس سوال کا جواب اُس کے پاس نہیں تھا۔ وہ تنہا ہوتا تو اِس پر سوچتا لیکن اِس وقت تو اُس کے والدین اُس سے مخاطب تھے۔

"دیکھو ہمایوں! تو بھول جا کہ وہ ہمارے رشتے دار ہیں۔ ہم نے تو کوشش کی تھی لیکن اُنہوں نے ہمیں باور کرا دیا کہ اَب وہ ہمارے لیے اجنبی بن چکے ہیں۔ ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی اُنہیں بھولنا ہوگا۔ اَب کبھی ایسی بات ذہن میں نہ لانا۔"

"---اور سن' تو کچھ بن کے دکھا' تیرے لیے ایسے سے اچھے گھر کا رشتہ لاؤں گی وہ لوگ بھی رشک کریں گے۔"

"زندگی مایوسی اور کمزوری سے نہیں گزاری جاتی' خود میں اعتماد پیدا کرو۔ خود کو جتنا مضبوط بنا سکتے ہو بناؤ۔ تبھی تم کامیاب ہو گے۔"

اُس کے والدین اسے نصیحتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ نجانے انہوں نے کیا کہا' کیا کیا سمجھاتے رہے لیکن وہ کچھ بھی نہیں سن پا رہا تھا۔ اِن لمحات میں اُسے اپنی بے عزتی' شرمندگی اور کم مائیگی کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اندر سے اُٹھنے والی دُکھ کی لہر کو سہارنا چاہا۔ وہ کتنی ہی دیر تک یونہی پڑا رہا۔ وہ اپنی ساری سوچوں کو ذہن سے نکال کر پھینک دینا چاہتا تھا۔۔۔ کتنا بے بس ہو جاتا ہے اِنسان' جب وہ کبھی خالی الذہن ہونا چاہتا ہے' جب اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی بھی سوچ اُس کے دماغ میں نہ آئے لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ خیال کے بغیر دماغ اِسی وقت ہوتا ہے جب زندگی نہ رہے' زندگی اور خیال مشروط ہیں۔ کبھی کبھی تو خیال اِس قدر مضبوط ہوتے ہیں کہ زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن خیال اِس دُنیا میں موجود رہتے ہیں جو حقیقت بن کر اپنا آپ منوا لیتے ہیں۔

ہمایوں کے والدین یہی سمجھے کہ اُسے نیند آ رہی ہے' وہ اُسے چھوڑ کر کمرے سے چلے گئے تھے جبکہ وہ جاگ رہا تھا اور اِسی کشمکش میں تھا کہ گزشتہ چند دِنوں میں جو اُس کے ساتھ ہو چکا ہے' اِس کی یادیں کسی طرح اُس کی زندگی سے تحلیل ہو جائیں مگر ایسا ہو نہیں پا رہا تھا۔ دراصل اُسے یہ علم ہی نہیں تھا کہ خیالات کو راستہ دینا چاہیے' اُس پر جمے نہیں رہنا چاہیے۔ نئے خیال آتے ہی تب ہیں جب پرانے خیالات کو ذہن سے محو کر دیا جائے۔ پھر ایسے میں وسوسے اِنسان کو بھٹکا دیتے ہیں کیونکہ وسوسہ بھی تو خیال ہی ہوتا ہے مگر ہر خیال' وسوسہ نہیں ہوتا۔ خیال تو اپنے من کا عکس ہوتے ہیں۔ اگر اِنسان تھوڑا غور سے اپنے خیالات کو دیکھے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ اِس کا من کیا کہتا ہے۔ وہ خود کیسی خواہشیں' کیسے ارادے اور کیسی اُمید یں رکھتا ہے۔ اپنی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اپنے ہی خیالات کو جانچنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ خیالات کبھی نہیں رُکتے وہ بہتے پانی کی مانند آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن اگر اِنسان کسی وسوسے پر جم جائے تو یہی وسوسہ خیال کا روپ دھار کر اِس کے مقصد کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ اِس لیے وسوسہ کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ وسوسے کو اگر من کی تائید مل جائے تو اِنسان کا اپنے مقصد سے ہٹ جانا لازمی ہو جاتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب وہ یکسو نہیں رہتا اور منتشر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اِنتشار اِنسانی شخصیت کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہمایوں ایسے ہی لمحے میں رُکا ہوا تھا۔ وہ اُنہی خیالات کے ساتھ جم گیا تھا' وسوسے اُسے ڈرا رہے تھے اور کوئی مثبت سوچ اُسے حوصلہ نہیں دے رہی تھی۔ دور کہیں لاشعور میں یہ یقین ضرور موجود تھا کہ یہ حصار اُسے ختم کر کے رکھ دے گا' جس قدر جلدی ممکن ہو سکے' اُسے یہ حصار توڑنا ہو گا مگر یہ کیسے ٹوٹے گا؟ اِس سوال کا جواب ہی اُسے نہیں مل پا رہا تھا۔۔۔ یہ جواب کیسے ملتا' اُس کا ذہن ہی یادوں سے خالی نہیں تھا۔ وہ اِنہیں محو کرتا تو جواب ملتا۔ وہ بے بس ہو گیا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جائے اور اُس سب انسپکٹر کو پکڑ کر اپنا سارا بدلہ لے لے اور صفیہ!۔۔۔ کیا اُس سے طمانچے کا بدلہ نہیں لے گا؟ اُس کے اندر سے یہ سوال اُبھرا تو وہ تڑپ کر رہ گیا۔ وہ انسپکٹر کو تو بھول سکتا ہے لیکن صفیہ کے اِس نفرت بھرے رویے کو نہیں۔ وہ لمحہ اُس کی زندگی میں پتھر کی مانند گڑ گیا تھا' وہ چاہتا بھی تو اُسے بھلا نہیں سکتا تھا۔ بلاشبہ اُس کی ساری سوچیں اِسی کے گرد گھومتی تھیں۔ اُسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آئندہ اُسے کیا کرنا ہے؟۔۔۔ رات کے اِن لمحات میں اُسے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا اِس لیے وہ آنکھیں موند کر اُنہی یادوں کو بھلاتے ہوئے نیند میں کھو گیا۔

☆☆

اس دن راحیلہ کا آف تھا۔ جبکہ نسرین جوزف اپنے آف کے بعد گھر سے آج آنے والی تھی اور اس کی ڈیوٹی شام کے وقت شروع ہونا تھی سو دوپہر سے قبل وہ اپنے کمرے میں اکیلی تھی۔ صبح صبح ہی اُس نے اپنے ضروری کام نمٹا لیے تھے اور اس وقت ہفتے بھر کی تھکن اُتارنے کے لیے بستر پر نیند کے انتظار میں پڑی تھی۔ اس وقت وہ سونے اور جاگنے کے درمیان تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا۔ پہلے اُس نے اپنا وہم ہی سمجھا کہ دستک بہت دھیمی تھی لیکن جب قدرے تیز دستک دی گئی تو اُسے یقین آ گیا کہ باہر کوئی ہے۔ وہ اُٹھی اور دروازے کی جانب لپکی دروازہ کھولا تو سامنے سینئر نرس تھی جس کے ہونٹوں پر دھیمی سی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ راحیلہ کے بدن میں غصے کی ایک لہر سرائیت کر گئی کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اس کی آمد خیر سے نہیں ہو سکتی لیکن پھر بھی اُس نے خود پر قابو رکھا اور دھیرے سے بولی۔

”جی۔۔۔؟“

”کیا اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟“ سینئر نرس نے مسکراتے ہوئے کہا تو اُس نے کوئی لفظ کہے بنا راستہ دے دیا۔ وہ اندر آ کر بے تکلفی سے اُس کے بستر پر بیٹھ گئی اور کمرے کی حالت دیکھنے لگی۔ راحیلہ کرسی پر بیٹھی تو وہ بولی۔ ”راحیلہ! تمہاری طرح' تمہارا کمرا بھی بہت سادہ ہے۔“

”میں اسی میں سکون محسوس کرتی ہوں میڈم!“ وہ دھیمے سے انداز میں بولی۔

”سکون۔۔۔“ وہ یوں بولی جیسے خود کلامی کر رہی ہو پھر راحیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”ہم کتنے مجبور اور بے بس ہوتے ہیں کہ اپنی نارسائیوں کو بھی سکون کا نام دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی ایک پر سکون زندگی کو اپنے چند اصولوں کی خاطر ٹھکرا دیتے ہیں۔ دراصل اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وہ اصول زندگی کی صحیح تصویر بھی غلط ملط کر کے دکھاتے ہیں جس سے ہمیں سمجھ ہی نہیں آتی۔“

”میڈم! میں یہ نہیں کہوں گی کہ آپ غلط کہہ رہی ہیں۔ آپ کے پوائنٹ آف ویو سے یہ ٹھیک ہو گا مگر یہ بھی تو دیکھیں کہ یہ اصول کہاں سے آئے ہیں۔ یہ ہمارے دین نے ہمیں بتائے ہیں۔ اگر ہم اِس پر عمل پیرا نہ ہوں گے تو نہ اس دُنیا کے رہیں گے اور نہ آخرت کے۔۔۔“

”دیکھو دین' دُنیا اور آخرت کا فلسفہ اپنی جگہ لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کہ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں' کیا اس معاشرے میں اپنے اصولوں پر ڈٹے رہنا یوں نہیں ہے کہ جیسے ہم حالتِ جنگ میں ہوں۔ ہم سیدھے راستے پر چلتے ہیں تو لگتا ہے کہ کہیں سے بھی کوئی تیر آ لگے گا' ایسا تیر جو نفرت کے زہر میں بھیگا ہوا یا ہوس کی کمان سے نکلا ہو۔ اگر یہ سارے اصول اچھے ہیں' انسان کی فلاح کے لیے ہیں تو پھر اچھی اصولوں پر چلتے ہوئے جینا کیوں مشکل ہو جاتا ہے۔ دینی احکامات کی پاسداری کیوں نہیں ہے اس معاشرے میں' کہیں ہم خود غلط تو نہیں ہیں؟“ سینئر نرس اَب بھی یوں باتیں کر رہی تھی جیسے خود کلامی کر رہی ہو یا پھر ٹرانس میں ہو۔

”میڈم! میں سمجھی نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔۔۔“ راحیلہ کو حیرت ہوئی کہ آخر وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

”خدانخواستہ میں دینی اصولوں کو غلط نہیں کہہ رہی لیکن وہ اصول ہیں کن کے لیے؟۔۔۔ ہمارے لیے ہی ہیں نا! تو ہم ہی اپنے رویے اور طرزِ عمل سے ان کا انحراف کر رہے ہیں۔ اگر ہمارا معاشرہ پوری طرح اِن اصولوں پر چلے تو ہمارے یہاں پر رہنے کا جواز ہی نہیں ہے۔ ہم چار دیواری میں عزت کے ساتھ رہیں' یوں در بدر کی ٹھوکریں نہ کھائیں۔۔۔ میں جانتی ہوں تمہارے بارے میں' تم ایک یتیم لڑکی ہو۔ تمہارا واحد

سہارا---نہیں بلکہ تم واحد سہارا ہو اپنی ماں کا جو غربت کے دن یہاں سے دور ایک گاؤں میں گزار رہی ہے۔تم کیوں مجبور ہو؟---- یہاں پر ایک جنگ تم پر مسلط ہے۔غربت سے لڑ رہی ہو اپنی عزت کے لیے لڑ رہی ہو اپنی خواہشوں امیدوں اور آرزوؤں سے لڑ رہی ہو۔وہ اصول تو یہ بتاتے ہیں کہ یہ مجبوریاں تمہارے گھر میں داخل ہی نہیں ہو سکتیں تو پھر---؟" میڈم نے پہلی بار اس کی نگاہوں میں دیکھا تھا۔

"میڈم! کیا آپ نہیں سمجھتیں کہ زندگی جدوجہد کا نام بھی ہے۔میں یہ بھی مانتی ہوں کہ آپ غلط نہیں کہہ رہی ہیں لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہم جنہیں سچے اصول سمجھتے ہیں انہی کے خلاف بغاوت کی جائے۔ہم برائی کے خلاف بھی تو بغاوت کر سکتے ہیں۔اخلاقی قدروں سے عاری ہمارا یہ معاشرہ اگر گڑھے میں گر رہا ہے تو کیا ہم جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس گڑھے میں گر جائیں---میں مانتی ہوں کہ یہ معاشرہ بہت ظالم ہے لیکن یہ بھی مانیں کہ اگر یہ قائم ہے تو اس میں کچھ اچھائیاں بھی ہیں ورنہ یہ کب کا تباہ و برباد ہو چکا ہوتا۔" راحیلہ نے دھیمے انداز میں اپنی بات کہہ دی۔

"بالکل----زندگی کو ہم جن معنوں میں بھی لینا چاہیں' لے سکتے ہیں۔بس یہ زندگی ہے۔جس سے فرار بہت مشکل ہے۔کبھی کبھی اتنی تلخ حقیقتیں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں کہ باوجود کوشش کے ہم ان سے بھاگ نہیں سکتے۔اتنے منفی رجحان ہیں کہ بندہ ان میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔برائی ایک ایسی دلدل ہے۔جس میں سے انسان نکل ہی نہیں سکتا۔"

"ہاں ایک طریقہ ہے جب انسان اپنے خالق پر بھروسہ کرے تو انسان کا اختیار---"

"انسان کا اختیار ہی تو اتنے جال بنائے بیٹھا ہے کہ دوسرا بچنے کی خواہش کے باوجود پھنس جاتا ہے---خیر میرے آنے کا مقصد نہیں پوچھو گی تم----؟"

میڈم نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو راحیلہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس کے علاوہ اور کیا سمجھ سکتی ہوں کہ آپ مجھے بغاوت پر آمادہ کرنے آئی ہیں----"

"نہیں----میں تمہیں سمجھانے آئی ہوں کہ یہ جو ہمارا ماحول ہے نا' اس میں ان دیکھے اتنے پھندے ہیں کہ باوجود کوشش کے ان سے بچا نہیں جا سکتا۔تم یہاں پر نرسنگ کورس کرنے آئی ہو۔کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تم فقط اپنی محنت اور کوشش سے یہ کورس مکمل کر کے یہاں سے چلی جاؤ گی؟----نہیں ایسا ممکن نہیں ہے۔"

"کیا آپ مجھے----"

راحیلہ نے کہنا چاہا تو میڈم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے کچھ بھی کہنے سے روک دیا اور بولی۔"میں بھی تمہاری طرح یہاں آئی تھی۔ مجبور' بے کس اور غربت کی ماری ہوئی لیکن اب میرے پاس ہر وہ سہولت ہے۔جس کی میں خواہش کرتی تھی۔میں نے اس سسٹم سے تمہاری طرح بغاوت نہیں کی بلکہ اس کا حصہ بن گئی ہوں۔میں جان گئی ہوں کہ ہوس کے اس کھیل میں کون مجبور شخص ہے اور کون خام مال' کے ضرورت ہے اور کون بیوپاری۔جتنی میری تنخواہ ہے' اتنا تو میں بیوٹی پارلر میں خرچ کر دیتی ہوں اور----"

"آپ مجھے یہ بتانے آئی ہیں کہ آپ----"

"پہلے میری بات سن لو تھوڑا صبر کرو---" میڈم نے کہا اور پھر لمحہ بھر بعد بولی۔ "میں کہہ رہی تھی کہ ہر سال نئی آنے والی لڑکیاں کوئی خوشی سے نہیں آتیں۔ ایسے ہی آتی ہیں جیسے میں تھی اور جیسے تم ہو۔ اس ماحول میں اتنے سنہرے جال ہیں کہ ان کی آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں' میری بھی ہوئیں لیکن تمہارے جیسی کئی ایسی ہیں جن کی آنکھیں خیرہ نہیں ہوتیں۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے کوشش کی کہ تم بھی ہمارے جیسی ہو جاؤ' تم نہیں ہوئیں۔"

"میڈم! آپ صاف لفظوں میں اپنی بات کیوں نہیں کہہ دیتیں---؟"

"اس لیے کہ میں باوجود کوشش کے کہہ نہیں پا رہی ہوں' شاید میں شرمندہ ہوں--- خیر' تم نے پریشان نہیں ہونا' میں ہوں تمہارے ساتھ--- ان دنوں تمہارے بارے میں بہت کچھ کہا جا رہا ہے' خصوصاً ڈاکٹر جمیل کی طرف سے تو بہت زیادہ مخالفت چل رہی ہے۔ وہ انا کا مسئلہ بنائے ہوئے ہے لیکن میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے کہ ایک مجبور اور بے بس لڑکی کو ہم لوگ کیوں تباہی میں دھکیل رہے ہیں۔ اس میں ہم سب لوگ شامل ہیں۔ آخری وقت تک تمہاری مخالفت کی جائے گی' تمہیں جھکایا جائے گا لیکن تم اسی طرح اپنے اصولوں پر ڈٹی رہنا' تم ٹھیک ہو' ہم غلط ہیں--- تمہیں کوئی مسئلہ ہو' مجھے بتانا---" میڈم نے یوں کہا جیسے ایک بہت بڑا بوجھ اس کے سر سے اتر گیا ہو۔

"تھینک یو میڈم! میں جانتی ہوں کہ میرے ساتھ بہت کچھ ہوگا لیکن میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ گناہ کی زندگی میں قدم نہیں رکھوں گی چاہے وہ جتنی سنہری ہے۔ میری کوشش تو یہی ہوگی کہ میں سکون سے یہ کورس ختم کر کے یہاں سے چلی جاؤں آگے کا پتہ نہیں مگر مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے۔"

"میری دعا ہے کہ تمہارا بھروسہ قائم رہے' میں یہی کہنے آئی تھی۔"

میڈم نے کہا اور اٹھ گئی۔ تب راحیلہ نے بھی اسے مزید بیٹھنے کو نہیں کہا۔ میڈم چلی گئی تو وہ اپنے بستر پر آلیٹی اور سوچوں نے اسے آن گھیرا---

کیا اس کا آنا اور اس کا ارادہ بھی کوئی سنہری جال ہے۔ وہ ان کے دام میں دھمکیوں اور ڈراوے سے تو نہیں آئی۔ ممکن ہے اس سے ہمدردی جتا کر ہی اپنا مطلب نکال لیا جائے؟--- اس نے جو اب تک ذہنی اذیت برداشت کی تھی' اس نے اسے بہت محتاط کر دیا تھا۔ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کبھی بھی نہیں سوچ سکی تھی۔ اس کی سوچ اس سے آگے کبھی بڑھی ہی نہیں تھی کہ کسی نہ کسی طرح نرسنگ کورس مکمل کر لیا جائے۔ اس کے بعد جو ہوگا' وہ دیکھا جائے گا۔ میڈم کی ذات کا ایک نیا رخ اگرچہ اسے حیرت زدہ کر رہا تھا لیکن اسے پوری طرح یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس حقیقت کو تو اسی وقت سامنے آنا تھا جب وقت کے ساتھ اس کا اظہار کیا جاتا اور جب فیصلہ وقت پر ہی ہے تو خواہ مخواہ سوچ کر وقت کیوں ضائع کیا جائے؟--- اس نے میڈم اور اس کے خیالات کو ذہن سے نکالا اور سونے کی کوشش کرنے لگی لیکن شاید سونا اس کے مقدر میں نہیں تھا۔ اس وقت وہ پھر سے سونے جاگنے کی سی کیفیت میں تھی کہ دستک ہوئی جس کے ساتھ ہی نسرین جوزف کی آواز آئی۔ وہ اٹھی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر سامان وغیرہ رکھ دینے کے بعد جب نسرین تحمل سے بیٹھی تو راحیلہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج تمہیں ایک حیرت انگیز بات بتاؤں؟"

"بولو---!"

اُس نے بستر پر تکیے پسارتے ہوئے لاپرواہی کے سے انداز میں کہا۔ تب راحیلہ نے میڈم اور اس کے خیالات پوری تفصیل سے اُسے بتا دیئے۔ وہ حیرت سے سنتی رہی' درمیان میں سوال بھی کرتی رہی جب ساری بات سن لی تو وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

"راحیلہ! میں نہیں مانتی کہ وہ تمہارے ساتھ مخلص ہوگی۔ وہ ایک نئے روپ کے ساتھ تمہارے پاس آئی ہے۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے لیکن اس کے مخلص ہونے کو پوری طرح سے رد بھی تو نہیں کیا جا سکتا ہے نا---؟"

"بالکل رد نہیں کیا جا سکتا مگر اس کا پتہ تو تب ہی چلے گا جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے رویے کا پتہ چلے گا۔" نسرین نے بھی اُس کے خیال کی تائید کر دی۔

"ہاں' میں یہ بات سوچ چکی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"تو بس تم محتاط رہو اور جس طرح اپنا وقت گزار رہی ہو گزارتی چلی جاؤ۔ خدا تمہاری مدد کرے گا۔"

"چلو چھوڑو ان باتوں کو---تم سناؤ' گھر میں سب ٹھیک تھے نا---؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"یہ تمہیں بتاتی ہوں' پہلے کچھ کھا پی لیں---آؤ چلیں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور راحیلہ بھی باہر جانے کو تیار ہونے لگی۔

وہ میڈم کو اپنے ذہن سے نکال چکی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی وہ ساری باتیں بھی جو سچ تو تھیں لیکن دماغ کو خراب کرنے والی تھیں---اصل میں ہوتا یہی ہے نا کہ جب بھی کسی نظام یا شخص پر تنقید کی جاتی ہے تو اُس کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ پیش نظر اس نظام یا شخصیت کی خامیاں ہوتی ہیں یا پھر تنقید کرنے والا حسد کی آگ میں جلتے ہوئے احمقانہ انداز میں اول فول بکتا ہے۔ فی زمانہ اگر مسلمانوں پر تنقید ہو رہی ہے تو یہ ہمارے ہی اعمال کا شاخسانہ ہے۔ ہم دوہرے تہرے معیار کے ساتھ خود کو مسلمان کہلوانا پسند کر رہے ہیں۔ کسی کی تنقید کے جواب میں کچھ کہنے سے پہلے ہمیں اپنے اعمال اور رویے کا اندازہ لگا لینا چاہئے۔ اس میں نہ صرف ذاتی بلکہ قومی فلاح ہے۔

☆☆

"تم نے بہت غلط کیا ہے صفیہ! تم اُس کی بات سن لیتیں یا نہ بھی سنتیں لیکن کم از کم تھپڑ مارنے والی حرکت تو نہ کرتیں۔"

سلمیٰ نے دبے دبے غصے میں چائے کا سپ لیتے ہوئے صفیہ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ چونک گئی اور پھر طنزیہ انداز میں بولی۔

"دیکھو! اتنا خوبصورت موسم ہے اور کتنی پیاری ہوا چل رہی ہے۔ شام ڈھلنے کو ہے' اس لان میں بیٹھے ہوئے کیا بھینی بھینی پھولوں کی خوشبو آ رہی ہے۔ اتنی مزیدار چائے ہے۔ اتنے رومانٹک ماحول کو تم اُس گھٹیا شخص کا ذکر کر کے کیوں خراب کرنا چاہتی ہو؟" آخری لفظ کہتے ہوئے اُس کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"تم ایسی باتیں کر کے میرے سوال کا جواب گول نہیں کر سکتی ہو۔" سلمیٰ نے بہت آرام سے کہا۔

"تو پھر کیا کرتی؟ وہ مجھے باتیں کرنے کے لیے کسی ریسٹوران میں لے جاتا --- نہیں بلکہ وہاں کیوں لے جاتا اُس کنگلے کے پاس وہاں جانے کی ہمت ہی نہیں --- خیر میں اُس کی بات سن لیتی جب وہ کسی اگلی ملاقات کے لیے وقت مانگتا۔ ممکن ہے کہ وہ کسی خونی رشتے کا واسطہ دیتا' اظہار محبت کرتا۔ میں کیوں سنوں ایسی باتیں اور پھر تمہیں اپنی بہن سے زیادہ اُس کا دُکھ مارے جا رہا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ تم اور مما اِس موضوع کو چھوڑتے کیوں نہیں ہو؟" اُس نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے اندیشے ہیں نا کہ ایسا ہوتا --- ممکن ہے وہ تم سے کوئی اور بات کرنا چاہتا ---"

"سنا نہیں تم نے --- کیوں اِس موضوع کی جان نہیں چھوڑتے آپ لوگ؟" اُس نے پھر غصے میں کہا۔

"چلو چھوڑ دی۔ تم بہت زیادہ سمجھدار ہو نا ---؟" سلمیٰ نے جلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری بہن! ہر انسان کو اپنے بارے میں اچھا سوچنے کا پورا پورا حق ہے۔ تم بھی جب اپنے بارے میں سوچو گی تو اپنا بُرا کبھی نہیں چاہو گی۔ مجھے وہ شخص بالکل بھی پسند نہیں ہے تو آپ لوگ کیوں اُسے مجھ پر مسلط کرنے کی باتیں کرتے ہو میں نے ابھی پڑھنا ہے' اپنا آپ کو بزنس وومن کے طور پر ثابت کرنا ہے' کسی بھی ایکزیکٹو پوسٹ کو انجوائے کرنا ہے۔ میں اِن جھمیلوں کے لیے نہیں بنی ہوں۔"

اُس نے بڑے آرام سے اپنی بہن کو سمجھاتے ہوئے کہا تو سلمیٰ ہنس دی۔ اُس کی ہنسی میں طنز تھا۔ پھر وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

"تم اپنا آپ جس طرح بھی چاہو ثابت کرو' ایک دن تو پرائے گھر جانا پڑے گا۔ پاپا ساری زندگی تو اپنے پاس نہیں بٹھا سکتے۔"

"ٹھیک ہے میں مانتی ہوں کہ میری شادی ہو گی لیکن ہمایوں جیسے لوگوں کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی ---- وہ جو خود بھوکے ہیں میں وہاں کیا کروں گی جا کر ----؟" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو کیا پھر تمہارے لیے شہزادہ آئے گا ----؟" سلمیٰ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"شہزادہ آئے گا نہیں آ چکا ہے۔" اُس کے لہجے میں غرور تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم ----؟" سلمیٰ حیرت زدہ رہ گئی۔

"میری بھولی بہن! تمہارا کیا خیال ہے میں کوئی معمولی شے ہوں؟ --- وہ اس شہر کے صنعت کار کا بیٹا ہے' کسی شادی پر مجھے اُس نے دیکھا تھا اور پھر بڑی مشکلوں سے مجھ تک پہنچا ہے۔ ابھی تو میں اُسے طرح دے رہی ہوں۔ جب تک وہ پوری طرح پاگل نہیں ہو جاتا' اس وقت تک میں اُسے اپنا پلو پکڑانے والی نہیں۔"

"یہ پلو وغیرہ کے چکر میں کہیں اپنے آپ سے بھی چلی نہ جانا۔" یہ کہتے ہوئے سلمیٰ نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر بولی۔ "ایسی کون سی شادی تھی جس میں وہ صنعت کار کا بیٹا اور تم اکٹھے شامل تھے؟"

سلمیٰ نے جیسے اُس کا جھوٹ پکڑ لینا چاہا تو وہ تیزی سے بولی۔

"میرے ساتھ وہ پڑھتی ہے نا' تابندہ اُس کی بڑی بہن کی شادی تھی۔ تابندہ کا باپ ایک سفارت کار ہے۔"

''کیا نام ہے اُس کا---؟'' سلمیٰ نے پوچھا۔

''وہ اس دُنیا میں رہتا ہے تو کوئی نام تو ہوگا اُس کا--- تم چھوڑو تمہارے اس دماغ میں یہ سب کچھ نہیں آنے والا اور ہاں' اب یہ ساری باتیں ماما کو نہ بتانے بیٹھ جانا ورنہ وہ بھی تمہاری طرح نصیحتوں کا پٹارہ لے کر بیٹھ جائیں گی---'' اُس نے تنبیہہ انداز میں کہا جیسے اگر سلمیٰ نے یہ سب بتا دیا تو اس کے لیے اچھا نہیں ہوگا۔

''صفیہ! میں مانتی ہوں کہ ہمارا معیارِ زندگی بلند ہو چکا ہے اور ظاہر ہے' ہم اپنے جیسے دولت مندوں سے ہی میل ملاقات رکھیں گے لیکن تم کیا سمجھتی ہو رشتے ناتے بھی---؟'' اُس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تاکہ وہ اُسے مکمل کر سکے۔

''ہاں' رشتے ناتے' بھی ہوں گے۔ تمہیں اگر ان کنگالوں کا خیال ہے تو میری زندگی کیوں برباد کرتی ہو' خود کر لو اس سے شادی--- چار پانچ سال ہی تو بڑی ہو' اُس سے کیا فرق پڑتا ہے' ساری عمر کی روٹیاں لگ جائیں گی اُن کی' وہ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔'' صفیہ نے مسکراتے ہوئے اُس پر طنز کیا۔

''میں تمہیں کچھ اور سمجھانا چاہ رہی ہوں لیکن تم میری خیال میں وہ بات سمجھ ہی نہیں رہی ہو۔'' سلمیٰ نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

''چلو بولو--- تم سیدھے کیوں نہیں کہہ دیتی ہو بات---؟''

''ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی تم سے شادی کرنے پر تیار ہو جائے--- دیکھو' جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس میں قسمت کا بڑا عمل دخل ہے مگر اس خواہش میں تم اپنا آپ مت گنوا لینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا دولت مند باپ تمہاری وجہ سے اپنا منہ چھپاتا پھرے---''

سلمیٰ نے سنجیدگی اور دُکھ سے یہ بات کہی تھی لیکن صفیہ نے ایک بھرپور قہقہے میں اُڑا دی' پھر سنجیدگی سے بولی۔

''تم کیا سمجھتی ہو کہ میں' میرے جذبات اور میری عزت یونہی ہے؟--- بہت مہنگی ہوں میں' اتنی مہنگی کہ نایاب ہونے کی حد تک ہوں۔ اگر اس نے اس معاملے میں ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

''لیکن عزت واپس نہیں آتی' اگر ایک بار چلی جائے تو---'' سلمیٰ نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یار' کیوں خواہ مخواہ ڈرا رہی ہو۔ تم بس ہمایوں سے شادی کرنے کے بارے میں سوچو' تم دونوں بہت جلد ایک دوسرے کو سمجھ جاؤ گے--- کیا خیال ہے؟''

صفیہ نے شرارت بھرے انداز میں کہا تو سلمیٰ فقط اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے صفیہ کو سمجھانا بہت مشکل بات ہے۔ وہ نہ صرف اپنے خیالات میں بہت اُونچی اُڑان بھر چکی تھی بلکہ وہ اپنے تئیں اپنے مستقبل کے تانے بانے بھی بن چکی تھی۔ خیالوں میں کسی بھی معاملے کو بہت دور تک دیکھ لینا اور بات ہے۔ لیکن عملی زندگی میں سو فیصد نتیجہ سامنے نہیں آتا' شاید اس بات کا اندازہ اُسے نہیں تھا۔ سلمیٰ اس پر افسوس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی تھی' وہ اس نہج پر آ چکی تھی جہاں اس نے ہر حال میں اپنی مرضی کرنا تھی--- سلمیٰ کو اپنے بچپن کے وہ دن یاد آنے لگے جب دولت نے

اِن کے گھر کی راہ نہیں دیکھی تھی۔ اِن دنوں وہ دونوں اپنے کھلونوں سے اکٹھے کھیلتی تھیں۔ اِن کی سوچ ایک جیسی تھی اور خواہشیں بھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب گھر میں دولت آنا شروع ہوئی تو اِن میں بھی دوری ہوتی چلی گئی' یہاں تک کہ اَب اِن میں بہت فرق آ چکا تھا۔ پتہ نہیں' یہ دوری دولت نے پیدا کی تھی یا پھر وہ عمر کے اِس دور میں آ گئی تھیں جہاں ہر بندہ اپنی عینک ہی سے دُنیا کو دیکھتا ہے اور اُسے اپنے تئیں بہتر خیال کرتا ہے۔

"ارے کہاں کھو گئیں---کیا تم بھی کسی شہزادے کے بارے میں سوچ رہی ہو؟"

صفیہ نے اُسے چونکاتے ہوئے کہا تو سلمیٰ کو اِس کا یہ انداز بہت بُرا لگا' تاہم اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے بہت تحمل سے کہا۔

"میری بہن! میری دُعا ہے کہ تو پوری زندگی خوشیوں میں رہے' تجھ پر غم کا سایہ بھی نہ پڑے---بہر حال محتاط رہنا' ایک لڑکی کے لیے عزت سے بڑھ کر کوئی اور شے نہیں ہوتی۔"

"میں سمجھتی ہوں' سلمیٰ! تم بے فکر رہو---"

پہلی بار صفیہ نے اُس کی بات کو سنجیدگی سے لیا تھا۔ وہ بہت دھیمے لہجے اور پیار سے بولی تھی جس پر سلمیٰ کو بہت پیار آیا۔ تب اُس نے ڈھلی ہوئی شام پر نگاہ ڈالی تو چونک گئی اور اُٹھتے ہوئے بولی۔

"آؤ صفیہ' اندر چلیں---شام ہو گئی ہے۔"

وہ دونوں وہاں سے اُٹھیں اور اندر کی جانب چل دیں۔ دونوں ہی خاموش تھیں اور اپنے اپنے طور پر بہت کچھ سوچ رہی تھیں۔

☆☆

تبدیلی کے لیے ایک لمحہ یا پھر ایک نکتہ ہی کافی ہوتا ہے۔ وہ اگر سمجھ میں آ گیا اور دل نے اُسے پوری طرح سے تسلیم کر لیا تو بندے کی پوری شخصیت بدل کر رہ جاتی ہے۔ بعض اوقات ہوتا یوں ہے کہ انسان اپنے مقصد میں اِس قدر مگن ہوتا ہے کہ اُسے اردگرد دیکھنے اور اس پر سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ وہ کولہو کے بیل کی مانند اپنی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے لیکن جیسے ہی وہ سر اُٹھا کر دیکھتا ہے تو اُسے پتہ چلتا ہے کہ اس نے تو کوئی سفر ہی نہیں کیا' وہ وہیں کا وہیں ہے۔ تب دُکھ کی شدت کیا ہوتی ہے' اِس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے' جس کا سفر رائیگاں جاتا ہے۔ جنید کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ ذیشان نے سوچنے اور سمجھنے کے لیے اسے اِتنا کچھ دے دیا تھا کہ پہلے پہل تو وہ چکرا کر رہ گیا' پھر دھیرے دھیرے اُسے بہت زیادہ سمجھ آنا شروع ہو گئی۔ اُس کے بہت سارے ساتھی اپنے مقصد سے ہٹ چکے تھے۔ وہ تربیت یافتہ لوگ تھے' اپنے لیے بہت ساری راہیں نکال سکتے تھے۔ جنید کے لیے بھی اِس معاشرے میں گھل مل جانا مشکل نہیں تھا مگر وہ اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہتا تھا کہ ذیشان بہک تو نہیں گیا اور اُسے بھی بہکانا چاہتا ہے؟---اس دِن ذیشان نے اتنی باتیں کی تھیں کہ بہت کچھ تو وہ ویسے ہی بھول چکا تھا لیکن جو اُسے یاد رہا تھا' اس پر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بہت زیادہ سوچ رہا تھا۔ حقیقت کس قدر تلخ ہوتی ہے' اس کا اندازہ اُسے اِن دنوں ہوا تھا۔ وہ ایک سوچ کا سرا پکڑ کر چلتا تو راہ میں نجانے کتنی اُلجھنیں اُس کے انتظار میں ہوتیں۔ جن سے وہ نگاہیں بچا کر فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ اُسے سب سے زیادہ دُکھ عالمگیر پر تھا جو اُس کا نہ صرف سینئر تھا بلکہ سیاسی

جماعت کے راہنماؤں میں اچھی خاصی ساکھ بنا چکا تھا۔ اگرچہ وہ ابھی کھل کر سامنے نہیں آیا تھا اور اُنہی کے ساتھ شامل تھا لیکن ذیشان کے مطابق وہ بہت جلد یہ تنظیم چھوڑ کر کسی دوسری سیاسی جماعت سے اپنی سیاست کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ وہ تنظیم میں دوہری زندگی گزار رہا تھا۔ وہ دُہری زندگی کیا تھی ذیشان اِک یہی معمہ اس کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ یہ بات اِس نے ایک ایسے انکشاف کی بنیاد پر کہی تھی جس کے بارے میں سوچ سوچ کر جنید کا دماغ گھوم گیا تھا۔ پھر اُس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اس انکشاف کے سرے کو پکڑ کر یہ معمہ ضرور حل کرے گا۔

ایک شام وہ عالمگیر کے اِس شاندار ٹھکانے پر پہنچ گیا جہاں وہ بیٹھ کر بہت اہم فیصلے کرچکے تھے ذیشان اُس سے پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ وہ ٹھکانہ بظاہر ایک عام سی کوٹھی تھی لیکن اِس کے اندر تمام تر سہولیات میسر تھیں۔ اس وقت سیکورٹی کے نام پر دو لڑکے موجود تھے جنہوں نے ریوالور چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ جب پہنچا تو عالمگیر اور ذیشان ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے۔

"ارے آؤ' جنید! بہت دن ہوگئے تم سے ملاقات کیے ہوئے---" عالمگیر اُس سے بغلگیر ہوتے ہوئے بولا۔

"شاید یہ وقفہ مزید طویل ہوتا اگر تمہارے بارے میں باتیں معلوم نہ ہوتیں---"

جنید نے گہری سنجیدگی سے کہا تو ایک لمحے کے لیے عالمگیر نے اُس کی جانب غور سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"ارے یار! باتیں تو ہوتی رہیں گی---بیٹھو۔" جنید ذیشان سے بھی ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا تو عالمگیر نے کہا۔ "بولو کیا پیئو گے؟"

"کچھ بھی نہیں---"

جنید نے اُس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو عالمگیر نے قدرے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"لگتا ہے جیسے تمہیں مجھ سے بڑے شکوے ہیں---ایسی کیا خاص بات ہے؟"

"ایک بات نہیں عالمگیر! بہت ساری باتیں ہیں۔" اس بار ذیشان نے کہا تو عالمگیر نے چونک کر دیکھا لیکن اُس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اگر تم ہماری باتوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دے دو گے تو اچھا ہوگا۔"

"ورنہ---؟" عالمگیر نے بدلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ورنہ تمہیں پتہ ہے کہ کیا ہوسکتا ہے---"

ذیشان نے سرد لہجے میں کہا' اُس کی نگاہیں عالمگیر کے چہرے پر تھیں۔ تب عالمگیر نے بھی اسی لہجے میں پوچھا۔

"تم کیا تنظیم کے حکم پر آئے ہو---؟"

"نہیں' ہم اپنے طور پر آئے ہیں---"

ذیشان نے دھیرے سے حتمی لہجے میں کہا تو عالمگیر نے گہری سانس لی اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"پھر میں آپ لوگوں کو قائل کرلوں گا اور یقین جانو میں ہر بات سچ بتاؤں گا---پوچھو---؟"

"تم نے سیٹھ فیروز کو کس لیے قتل کیا---اس کے بارے میں کوئی تنظیمی حکم نہیں تھا؟"

www.paksociety.com

ذیشان نے پوچھا تو جنید بھی پوری طرح ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"وہ ---ہاں وہ--- میں نے اُس سے صرف پانچ لاکھ مانگے تھے' اُس نے نہیں دیئے تو میں نے اُسے ختم کر دیا۔" وہ انتہائی تحمل سے بولا۔

"جانتے ہو یہ تنظیم کے مقصد---"

"---کے خلاف ہے' یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟ ---میں مانتا ہوں۔" یہ کہہ کر اُس نے دونوں کی طرف دیکھا اور پھر بڑے ہی طنزیہ انداز میں کہا۔ "کیا تم لوگ یہ سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟" اس کے استفسار پر دونوں خاموش رہے تو وہ کہتا چلا گیا۔ "میں مانتا ہوں کہ یہ کام اور اِس جیسے کئی اور کام تنظیم کے بنیادی مقاصد کے خلاف ہیں مگر کیا کروں میں بھی انسان ہوں اور اِس دُنیا میں رہتا ہوں۔ میں جنید کی طرح اپنا گھر بار نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے ایک زمانہ دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اَب کیا ہو رہا ہے اور کچھ عرصے کے بعد کیا ہونے والا ہے---؟"

"تم ایک لفظ بھی ہمارے سوال کے جواب میں نہیں بول پائے ہو عالمگیر---!" جنید نے تلخی سے کہا۔

"دھیرج' ذرا چھری تلے دم تو لو یارے!---میں اپنی بات کہتا ہوں کہ میں دوہری زندگی گزار رہا ہوں۔ اسکا تنظیم کے بڑوں کو بھی علم ہے۔ انہوں نے مجھ سے کئی ایسے کام کروائے ہیں کہ سنو گے تو تمہارا دماغ بھک سے اُڑ جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ لوگ تمہارے سامنے مقدس ہیں تو رہیں' میں تم لوگوں کو اگر سب کچھ بتا بھی دیتا ہوں تو وہ بڑے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ وہ بھی اس حمام میں ننگے ہیں۔ جب مقاصد کی جگہ مفادات آ جائیں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔---کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہماری تنظیم کے کارکن پولیس سے' فورسز سے مفاہمت کر رہے ہیں۔ انہیں حلفی بیان دے کر اپنا تعلق اِس تنظیم سے ختم کر رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟---تم لوگ خود سمجھدار ہو' جب اعتماد ختم ہو جاتا ہے' تب ایسے ہوتا ہے۔"

"تم بھی اپنا تعلق کیوں نہیں ختم کر دیتے ہو---" جنید نے جذباتی انداز میں کہا۔ "کیوں بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہو---؟"

"میں نہیں--- خیر' چند دنوں تک تم لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا۔ مفادات کے لیے جب اور جن لوگوں سے ہمارے بڑوں کی مفاہمت ہو گی تو تم احتجاج بھی نہیں کر پاؤ گے۔"

"عالمگیر! تم معلومات دے کر یا پیشین گوئیاں کر کے اپنا دامن نہیں بچا سکتے ہو۔ تم تنظیم کے نام پر اِنسانیت سوز کام کر رہے ہو' جس کا تنظیم سے تو کیا اِنسانیت کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ تم نے---تم نے ایک لڑکی کو اغوا کر کے اس کے ساتھ ظلم کیا---"

جنید حد درجہ جذباتی ہو گیا' جس پر عالمگیر دھیرے سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"تو پھر مجھے اپنی تنظیم سے نکال باہر کرو' کیوں رکھا ہوا ہے مجھے---؟"

"تم جیسے لوگوں کی وجہ سے اعلیٰ و ارفع مقاصد کی پامالی ہوتی ہے۔ تم جیسے شیطان جب مخلص ترین لوگوں میں شامل ہوتے ہیں تو سب کچھ غلط کر دیتے ہیں۔ اَب بھی وقت ہے' اِس ظلم کا کفارہ ادا کرو' اُس لڑکی سے شادی کر لو اور تنظیم سے اپنا تعلق ختم کر کے گمنام زندگی گزارو۔ اِسی میں تمہارا بھلا ہے۔" جنید نے کہا۔

"تنظیم نے اب تمہارے جیسے لوگوں کو مبلغ بھی رکھ لیا ہے--- جاؤ' جا کر پوری دُنیا میں ڈھنڈورا پیٹو۔ میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟" عالمگیر کا لہجہ سرد تھا۔

"تمہیں پیار سے سمجھانے آیا ہوں کہ سمجھ جاؤ۔" ذیشان نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

"---اور اگر نہ سمجھوں تو---؟" عالمگیر نے انتہائی غصے میں غراتے ہوئے کہا۔

"ہم غدار تو برداشت کر لیتے ہیں لیکن بے غیرت نہیں۔ تمہیں اپنے کیئے کی سزا بھگتنا پڑے گی۔"

ذیشان نے کہا تو اگلے ہی لمحے عالمگیر نے ریوالور نکل لیا' پھر اسی لہجے میں بولا۔

"دفعان ہو جاؤ یہاں سے--- میرے ہی گھر میں بیٹھ کر مجھے ہی دھمکیاں دے رہے ہو' کیا سمجھا ہے تم لوگوں نے مجھے؟ میں تمہیں ختم بھی کر دوں تو مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا--- جاؤ' کسی اچھے وقت کی خاطر میں تمہیں جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔ اٹھو اور چلے جاؤ---"

ذیشان اور جنید دھیرے دھیرے اُٹھ گئے۔ جنید کو بہت زیادہ افسوس ہو رہا تھا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا وہ تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ ممکن ہے ذیشان کو غلط فہمی ہو گئی ہو لیکن عالمگیر اس طرح سب کچھ مان کر انہیں ڈیل کرے گا' ایسا اس کے ذہن میں دور دور تک نہیں تھا۔ وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ اُس کے اندر سب کچھ چھناکوں سے ٹوٹتا چلا جا رہا تھا۔ تبھی اُس نے زندگی اور موت کی پرواہ کیے بغیر پلٹ کر ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا اور پوری قوت سے وہ ریوالور کھینچتے ہوئے اُس کے گھونسہ مارا جو اُس کی گردن پر لگا۔ وہ ڈکارتے ہوئے قالین پر گرا اور اُس کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر اُس سے قدرے فاصلے پر گرا جسے اُٹھانے کے لیے عالمگیر لپکا تو جنید اس کے اُوپر جا پڑا۔ اسی چھینا جھپٹی میں ایک دھماکہ ہوا۔ گولی چل چکی تھی' ذیشان نے دیکھا' گولی عالمگیر کے پیٹ میں لگ چکی تھی۔ جس سے خون اُبلنے لگا تھا۔ فائر کی آواز سن کر سیکورٹی والے لڑکے ڈرائنگ روم میں تیزی سے داخل ہوئے تو ذیشان نے اپنا ریوالور نکال کر انہیں کور کر لیا۔

"ہاتھ اوپر کرلو---"

انہوں نے ہاتھ اُوپر کر لیے تو ذیشان نے انہیں نہتا کر دیا' پھر لمحوں میں انہیں باندھ کر پھینک دیا۔

"نکلو---"

ذیشان نے کہا تو جنید نے انتہائی نفرت سے عالمگیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ذیشان! ابھی یہ زندہ ہے۔ میں اس کی زندگی بچانے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ اس کی طرف سے ابھی میرا دل نہیں بھرا۔"

"کیوں بے وقوفوں جیسی باتیں کرتے ہو۔ تمہیں جو معلوم کرنا تھا وہ---" یہ کہتے ہوئے ذیشان چونک گیا۔ اس کے ذہن میں ایک اور خیال آ گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اُس نے کہا۔ "چلو اُٹھاؤ اسے میں گاڑی نکالتا ہوں---"

یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکلا تو جنید نے اُسے اُٹھا لیا اور باہر کی جانب لپکا۔

☆☆

دوپہر سے قبل جدید ماڈل کی سیاہ کار شہر سے دور ایک نہر کے ساتھ جاتے ہوئے کچھ راستے پر مڑ گئی اور پھر تھوڑے سے فاصلے پر نہر سے مشرق کی جانب پختہ راستہ آ گیا جو سیدھا ایک فارم ہاؤس میں جا کر ختم ہو جاتا تھا۔ اس فارم ہاؤس میں لکڑی کا کام بہت زیادہ ہوا تھا۔ دور سے بھی لگتا تھا کہ جیسے درختوں' خوبصورت پھولوں سے لدی بیلوں اور پودوں سے ڈھکی یہ کاٹیج لکڑی ہی کی بنی ہوئی ہے۔ سبز گھاس سے مزین بڑے بڑے لان کے عین درمیان میں بنی کاٹیج کسی مغربی ملک کی طرز پر بنائی گئی تھی۔ ایک جانب ملازمین کے کوارٹر تھے۔ جہاں قدرے زندگی کی چہل پہل تھی جبکہ دوسری طرف ہو کا عالم تھا۔ وہ کار پورچ میں جا کر رک گئی جس کے رکتے ہی ایک نوجوان نکلا۔ سرخ و سپید چہرہ' کلین شیو' تیکھے نقوش' گہری آنکھیں۔ اُس نے نیلی پی کیپ قسم کی ٹوپی سر پر لی ہوئی تھی' کالی پتلون اور آف وائٹ شرٹ کے ساتھ وہ خاصا ہینڈسم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر آیا اور دروازہ کھولا۔

''آیئے ہماری منزل آ چکی ہے۔''

اُس نے خوشدلی سے کہا تو اس میں سے تھوڑی سی کنفیوژ صفیہ باہر آئی۔ وہ اس ماحول کو دیکھتے ہوئے اپنی حیرت کو چھپانا بھی چاہتی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو---؟'' تیمور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اُں--- ہاں میں--- میں دیکھ رہی ہوں کہ یہ کاٹیج کتنا اچھا لگ رہا ہے۔'' صفیہ نے فوراً خود پر قابو پاتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

''صفو! اس کاٹیج کا سارا ڈیزائن میں نے بنایا ہے' یہاں کھڑے ہو کر میں نے اپنی نگرانی میں یہ بنوایا اور اس پر خرچ ہونے والا سارا سرمایہ میرا اپنا ذاتی تھا' پاپا کا ایک روپیہ بھی خرچ نہیں ہوا اس پر---'' اس نے فخریہ انداز میں بتاتے ہوئے مزید کہا۔ ''میں جب برطانیہ میں تھا تو میں نے بہت سارے پیسے جمع کیئے تھے۔ میری خواہش تھی کہ میں ایک ایسا فارم ہاؤس بناؤں جو ایک بار میں نے رسالے میں دیکھا تھا۔ وہ پورا نقشہ میرے ذہن میں رہا اور پھر یہ بن گیا۔'' تیمور نے یوں کہا جیسے وہ خود کلامی کر رہا ہو یا پھر یہ سب بتانے میں اُسے بہت لطف آ رہا ہو۔

''بہت خوبصورت ہے---'' صفیہ نے اس کاٹیج کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں' یہ تمہیں لگتا ہے لیکن میرے لئے ابھی دو وجوہ کی بنا پر ادھوری ہے' ایک یہ کہ جس طرح کا ماحول رسالے میں تھا' وہ یہاں نہیں ہے۔ وہ گہرا نیلا آسمان' گہرے بادل' سرمئی اور دودھیا' بھیگا ہوا ماحول--- ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''--- اور دوسری---؟''

صفیہ نے لاشعوری انداز میں پوچھا تو اُس نے چونکتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''تم--- جب تم دلہن بن کر میرے ساتھ اس کاٹیج میں رہوگی۔'' اُس نے صفیہ کی آنکھوں میں جھانکا' اُس کا لہجہ بہت مخمور ہو گیا تھا۔

صفیہ نے شرم سے منہ دوسری جانب پھیر لیا' تب اُس نے کہا۔ ''آؤ' اندر چلتے ہیں' میں نے اسے سجایا بھی ویسٹرن سٹائل میں ہے--- آؤ۔''

یہ کہتے ہوئے اُس نے اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ تبھی اندر کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا' اندر اُسکا ملازم اپنی بیوی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"سلام صاحب---!" دونوں نے تقریباً یک زبان ہو کر کہا۔

"وعلیکم السلام---کہو تم لوگ ٹھیک ہو نا---؟" تیمور نے ان پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"جی بالکل ٹھیک ہیں---آئیں صاحب!"

ملازم نے انتہائی خوشامدانہ انداز میں کہا تب تیمور نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور صفیہ سے بولا۔

"آؤ نا---!"

وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اُسے لگا جیسے وہ کسی فلم کا سین دیکھ رہی ہے یا پھر اچانک وہ غیر ملک میں آ گئی ہے۔ وہ ڈرائنگ روم بالکل یونہی تھا جیسے کسی مغربی ملک سے اُٹھا کر یہاں پر لے آیا گیا ہو۔ وہ گہری نگاہ سے اردگرد دیکھ رہی تھی کہ تیمور بولا۔

"پہلے یہ کاٹیج دیکھ لی جائے' پھر سکون سے بیٹھ کر گپ شپ لگاتے ہیں---"

"بعد میں دیکھیں گے---"

صفیہ نے کہا اور ایک صوفے میں دھنس گئی۔ اُس کے ملازمین جا چکے تھے۔ ان میں خاموشی در آئی' پھر تیمور ہی نے گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

"تم صفو! اس وقت اتنی گھبرا کیوں گئی تھیں جب میں نے شادی کا ذکر کیا تھا؟"

"یہ باتیں قبل از وقت ہیں' تیمور---!" صفیہ نے دھیرے سے کہا۔

"ہوں گی لیکن تمہارے لیے---میں تو فیصلہ کر چکا ہوں۔" وہ حتمی انداز میں بولا۔

"اتنی جلدی---؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں---میں تو فیصلہ کر چکا ہوں لیکن تم پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کروں گا۔ جب تم چاہو گی' تب ہی میں اپنے والدین سے کہوں گا کہ وہ تمہیں مانگنے کے لیے تمہارے پاپا کے گھر جائیں۔ تم اپنا فیصلہ کرنے میں جتنی دیر مرضی لگاؤ' مگر جب کرو تو اتنی مضبوطی سے کہ پھر کوئی اور سوچ تمہیں ڈسٹرب نہ کر سکے---" اُس نے مسکراتے ہوئے اپنی بات کہہ دی۔

"میں نے ابھی پڑھنا ہے' اپنا آپ آزمانا ہے۔ تم اس وقت تک میرا انتظار کر لو گے---؟"

تیمور صفیہ کے چہرے کی جانب خمور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "صفیہ! میری زندگی میں بہت ساری لڑکیاں آئیں اور گئیں۔ یورپ میں بہت سارا حسن دیکھا لیکن جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے' پہلی نگاہ میں ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جو ایک چہرہ کہیں من میں چھپا ہوتا ہے' تم بالکل ویسی ہو۔ میری یہ خوش قسمتی ہو گی کہ تم میری ہو جاؤ۔ یہ---یہ میں تمہیں اپنے جذبات بتا رہا ہوں۔ میری خواہش ہے۔ تمہیں کوئنس نہیں کر رہا ہوں۔ تم سوچو' سمجھو اور پھر جو فیصلہ کرو۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو تیمور! تم اپنی تعلیم مکمل کر چکے ہو' اپنے باپ کے ساتھ بزنس دیکھ رہے ہو۔ اب تم شادی کرنا چاہو گے لیکن میرے پاس ابھی یہ فیصلہ کرنے کا اتنا حوصلہ نہیں ہے' میں---"

وہ بڑی مشکل سے کہہ پا رہی تھی کہ تیمور نے اُسے ٹوک دیا۔

''چھوڑو صفو! یہ سب مستقبل کی باتیں ہیں۔ ابھی ہم بہت سارا وقت اچھے دوستوں کی طرح انجوائے کریں گے پھر فیصلہ بھی ہو جائے گا' تم ٹینشن مت لو۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا تو صفیہ ایک دم سے خوش ہوگئی۔ وہ اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ جیسے کوئی بچہ اپنے من پسند کھلونے کو دیکھتا ہے۔ ''تم ہنستے ہوئے بہت اچھی لگتی ہو۔''

تیمور نے کہا تو صفیہ پھر سے شرما گئی۔ دونوں کے درمیان پھر سے خاموشی دَر آئی۔ یوں کتنا ہی وقت بیت گیا۔ وہ یوں بیٹھے رہے جیسے خاموشی بھی ایک زبان رکھتی ہو۔ اُن کی یہ خاموشی اِس وقت ٹوٹی جب دونوں ملازم میاں بیوی چائے کے ساتھ کافی سارے لوازمات رکھے وہاں آ گئے۔

''میں چائے بنالوں گی۔'' صفیہ نے کہا تو وہ دونوں چلے گئے تب اُس نے پوچھا۔ ''یہاں یہ دو ہی رہتے ہیں جبکہ باہر---''

''یہاں کم از کم تیرہ ملازمین ہیں---- اچھا لگتا ہے مجھے یہاں آنا میں ہر چھٹی کے دن یہاں ضرور آتا ہوں۔ یہ فارم ہاؤس پیارا تو ہے لیکن---'' وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

''لیکن کیا---؟'' وہ تجسس سے بولی۔

''تم سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔ یہ گہری آنکھیں' یہ خوبصورت لب---'' وہ اتنے خمار بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا کہ صفیہ سے چائے چھلک گئی۔ تب وہ بولا۔ ''دھت تیرے کی' سارے رومانس بھرے موڈ کا ستیاناس مار دیا---''

اِس پر صفیہ کھلکھلا کے ہنس دی' پھر چائے کا کپ اُسے تھماتے ہوئے بولی۔

''یہ تم مرد شادی سے پہلے عورت کی بڑی تعریفیں کرتے ہو۔ اُسے حور پری' اپسرا اور نجانے کیا کیا کہہ کر تعریفیں کرتے ہو لیکن جیسے ہی وہ بیوی بن جائے تو وہ حور پری' اپسرا بے چاری چڑیل' ڈائن اور نجانے کیا بن جاتی ہے---- ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں----؟''

''نہیں غلط کہہ رہی ہو۔ کم از کم میں اپنے معاملے میں ایسا ہوتا ہوا محسوس نہیں کر رہا ہوں کیونکہ میری محبتوں کی جو شدتیں ہیں نا' وہ شادی کے بعد ہی شروع ہوں گی۔ اِس وقت تم نہ صرف میری قانونی بیوی ہو گی بلکہ ہم آزادانہ گھوم پھر سکیں گے۔ وہ جو درمیان میں ایک پردہ سا حائل رہتا ہے' وہ نہیں رہے گا---- یقین رکھنا' صفو! شادی کے بعد ہی میری محبت میں جولانیاں آئیں گی۔''

''جس کے بارے میں کم از کم میرا ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہے---''

''میں مانتا ہوں---'' تیمور نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا خیر' چھوڑو---- وہ تم کوئی خاص بات کرنا چاہ رہے تھے؟'' صفیہ نے اُسے یاد دلایا۔

''ہاں' وہ بات---'' جیسے وہ اہم بات اُسے یاد آ گئی ہو تب وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''صفو! میں آج تمہیں یہاں صرف اِس لیے لایا تھا کہ مستقبل کے بارے میں ہم تھوڑا پلان کریں گے۔ جو بہر حال باتوں ہی باتوں میں مجھ پر واضح ہو گیا ہے لیکن ایک بات اَب بھی وضاحت طلب

ہے۔"

"وہ کون سی ---؟" صفیہ نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"وہ یہ کہ میں نے یہ سنا ہے تمہاری منگنی تمہارے کسی کزن کے ساتھ ہو چکی ہے --- کیا سچ ہے؟"

"تمہیں یہ سب کیسے پتہ چلا ---؟"

"تائبہ سے وہ یونہی باتوں ہی باتوں میں کہہ گئی تھی۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ---"

"میری کوئی منگنی نہیں ہوئی میں کسی بچپن کی منگنی کو نہیں مانتی اور اگر ہے بھی تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے نہ میری نظر میں اور نہ پاپا کی نگاہ میں ---"

"تو اس کا مطلب ہے کہ منگنی ہوئی تھی لیکن تم اور تمہارے گھر والے نہیں مانتے۔"

"ہاں --- اور پلیز تم اس کا نام مت لو۔ کوئی اور بات کرو۔"

اُس نے خالی کپ رکھتے ہوئے کہا' اسی لمحے تیمور نے بھی کپ رکھ دیا۔

"آؤ' تمہیں فارم ہاؤس دکھاتا ہوں۔ پھر ہمیں واپس بھی جانا ہے۔"

صفیہ نے یہ سنا تو اس کے ساتھ اُٹھ گئی۔ بظاہر اُس کا موڈ بہت اچھا تھا' وہ تیمور سے بہت والہانہ انداز میں باتیں بھی کرتی جارہی تھی لیکن اندر سے وہ منگنی والی بات پر بہت کڑھ رہی تھی۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہمایوں سامنے آجائے تو اُسے جان ہی سے ماردے --- ہمایوں سے اس کی نفرت مزید بڑھ گئی تھی۔

☆☆

بہت دنوں بعد اس صبح ہمایوں گھر سے نکلا تھا۔ شاید اس دن بھی وہ اپنے گھر میں اپنے ہی کمرے میں خود کو قید کیئے رکھتا لیکن رات اُس کے پروفیسر جعفری صاحب کا فون آیا۔ وہ اُسے اپنے کسی کام کے سلسلے میں بلا رہے تھے اور اُس نے آنے کے لیے کہہ دیا تھا --- بہت دنوں بعد جب وہ گھر سے نکلا تو شہر کی فضا اُسے اچھی نہیں لگی تھی' کوئی منظر بھی اُس کے دل کو نہیں بھایا تھا۔ وہ دھیرے قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف بڑھتا چلا گیا' نہ کسی چہرے پر نگاہ ڈالی اور نہ راستوں کی خبر رکھی۔ اُس کے ذہن میں کیا سوچ چل رہی تھی' کسی کو اس کے بارے میں اندازہ ہی نہیں تھا۔ وہ پروفیسر جعفری کے پاس کالج پہنچ گیا تو اُنہوں نے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اُس کا استقبال کیا۔ حال احوال کے بعد پروفیسر نے ایک طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"آؤ' اُدھر لان میں سکون سے بیٹھتے ہیں ---"

وہ اُن کے ساتھ کالج ہی کے لان میں ایک تنہا گوشے کی طرف چل پڑا۔ اطمینان سے بیٹھنے کے بعد اُنہوں نے کہا۔ "بیٹا! مجھے تمہارے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ پولیس نے تم سے زیادتی کی ہے' اس کا بے حد افسوس ہے۔"

"سر! آپ کو کیسے معلوم ہوا---؟" اُس نے دھیرے سے پوچھا۔

"تمہارے اُنہی دوستوں سے جو تمہیں وہاں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بہت غلط کیا تھا اُنہوں نے---" پروفیسر یہ کہہ کر چند لمحے خاموش رہے اور پھر بولے۔ "دوستی کا معیار ہی نہیں رہا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ دوست چاہے غلط کرے یا صحیح' ہر حال میں دوست کا ساتھ دینا چاہیے۔ یہ الگ بات ہے کہ دوست کو کسی بھی غلط کام سے روکا جا سکتا ہے۔ وہ دوست ہو ہی نہیں سکتا جو اپنے دوست کو تنہا چھوڑ دے۔"

"جی سر! لیکن بہت سارے لوگ جو اپنے ہی بنائے ہوئے معیار پر پورا نہیں اُترتے' اُنہیں کیا کہا جا سکتا ہے؟" اُس نے ذہنی رو میں بہکتے ہوئے کہا۔

"بیٹا وہ لوگ انتہائی خود غرض اور پرلے درجے کے احمق ہوتے ہیں' اِسی کا نام تو منافقت ہے---خیر' ہم نے یہاں معیار کی بات کی ہے تو ایسے معیار' اصول یا ضابطے بنا لینا بہت آسان ہوتا ہے لیکن اِن پر عمل پیرا ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایک نگاہ سے دیکھیں تو زندگی انتہائی مختصر ہے لیکن جب یہی بات کسی ایسے شخص سے پوچھی جائے جو کسمپرسی کی زندگی گزار رہا ہے تو اُسے یہ زندگی بہت طویل لگے گی۔ درد کی شدت میں تو ایک رات کاٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔" پروفیسر نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں' سر! اور ضروری نہیں کہ درد کسی ظاہری زخم ہی کا ہو۔ احساسِ ندامت' شرمندگی اور اپنی کم مائیگی کا احساس تو بندے کو ویسے ہی مار ڈالتا ہے۔"

ہمایوں نے تلخی سے کہا تو پروفیسر چونک اُٹھے۔ تب اُنہوں نے بڑے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"دیکھو مَیں نے زندگی کی نصف صدی گزار چکا ہوں۔ بے شمار تجربات میرے سامنے ہیں۔ مَیں صرف قانون ہی نہیں پڑھاتا بلکہ قانون اور جرم کی نفسیاتی وجوہ پر بھی نگاہ رکھتا ہوں۔ مجھے احساس تھا کہ پولیس کی یہ زیادتی تمہیں نفسیاتی طور پر تباہ کر دے گی اور اِس کے اثرات مَیں تمہاری اِن باتوں سے محسوس کر رہا ہوں۔ مَیں سمجھ سکتا ہوں کہ اِس وقت تمہارے من میں کیا چل رہا ہو گا---بیٹے! اِس احساس کو اپنے اندر سے نکال پھینکو ورنہ یہ تمہیں دیمک کی مانند چاٹ جائے گا۔"

"کیا ایسا ممکن ہے پروفیسر صاحب---؟" پہلی بار اُس کے لہجے میں طنز عود کر آیا تھا۔

"ہاں' ایسا ممکن ہے۔" پروفیسر نے اُس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "اِس میں انسان کو تھوڑا اخلاقی جرأت سے کام لینا پڑتا ہے---دیکھو' زندگی گزارنے کے لیے صرف دو راہیں ہیں' منفی اور مثبت۔ تیسری کوئی راہ نہیں ہے۔ ہمارے ماحول میں منفی اور مثبت دونوں رجحان موجود ہیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اردگرد کے حالات ہی ہمیں یا تو منفی راہ پر چلنے کا اشارہ دے دیتے ہیں یا مثبت کا' لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ نتیجے کے اعتبار سے کون سا رجحان درست ہے۔ بس ہم اندھا دُھند بڑھتے چلے جاتے ہیں اور پھر ایک بات اور ہے ہمایوں بیٹے! اِن کا مقصد بالکل نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو وہ کوئی اعلیٰ وارفع نہیں ہوتا۔ جس سے کم از کم انسانیت کا بھلا ہو بلکہ اِسے مشکل ترین تصور کر کے اسے اپنایا ہی نہیں جاتا۔ ہر شخص آسانی تلاش کرتا ہے' شارٹ کٹ ڈھونڈتا ہے حالانکہ شارٹ کٹ ہمیشہ خطرات سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"سر! آپ نے بڑی آسانی کے ساتھ مثبت اور منفی رجحان کے بارے میں بتا دیا۔ ہمارے معاشرے میں دن بدن گھٹن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہمارا مجموعی رویہ کچھ اچھا نہیں ہے' ہر شخص میں غصہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ انہیں بالکل ہی نہیں دیکھا جا رہا' یہ بھی تو ظلم ہے نا! جب معاشرے میں ظلم بڑھے گا تو اس کے ردِعمل میں کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔"

"ہاں' ظلم کا ردِعمل بغاوت ہوتی ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو--- دراصل ہمارے معاشرے میں طبقاتی تفاوت بہت زیادہ ہے۔ جہاں معاشی طور پر لوگ غریب یا امیر ہیں وہاں پر غریب یا امیر ہونے کی نفسیاتی وجہ بھی ہے۔ غریب امیر ہونے کی کوشش میں ہے اور امیر' امیر ترین بن جانے کے چکر میں ہے۔ یہ دوڑ ہے' اس میں بہت سارے کچلے چلے جا رہے ہیں لیکن کیوں نہ ہم اس دوڑ میں شامل ہی نہ ہوں' تب کچلے جانے کا امکان نہیں ہوگا۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ ہم معاشرے سے الگ ہو کر بیٹھ جائیں؟"

ہمایوں نے تیزی سے کہا تو پروفیسر مسکرا دیئے اور بڑے تحمل سے بولے۔

"میں یہی بات تم سے کہلوانا چاہ رہا تھا کہ جب ہم معاشرے سے کسی طور پر بھی الگ نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر کیوں نہ ہم صحت مند رجحان کے ساتھ مثبت راہ کو چنیں اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے مگر ہمیشہ باصلاحیت لوگ مشکل معاملات ہی کو اپناتے ہیں۔ تم باصلاحیت ہو ہمایوں! اک ذرا سا حادثہ' معاشرے کا منفی حادثہ تمہیں توڑ پھوڑ دے گا۔ کیا تم اتنے کمزور ہو؟--- نہیں' میرے بیٹے! نہیں۔ وہ جو کوئی نہیں کر سکتا' وہ تم کرو۔ منفی سوچ' منفی رجحان اور منفی رویئے کو اپنے وجود سے نکال باہر کرو' یہی تمہاری جیت ہے۔"

پروفیسر نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا تو ہمایوں نے یوں محسوس کیا جیسے شفاف پانی میں دھیرے دھیرے کوئی رنگ گھلتا چلا جائے' جیسے مایوسی کے اندھیرے میں کوئی کرن روشنی بکھیرتی چلی جا رہی ہو یا پھر کوئی بے ہوش وجود ہوش میں آتے ہوئے دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی آوازوں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں---- تب اُس نے اچانک کہا۔

"سر! میں مانتا ہوں کہ اچھے مقصد کا بیج اگر من میں بویا جائے تو اُسے اپنے خون سے سیراب کرنا پڑتا ہے لیکن سر! تناور درخت ہو جانے کے باوجود اگر اس پر کوئی پھل نہ آئے تو---؟"

"یہ سوچ ہی غلط ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ درخت ثمر بار نہیں ہوگا۔ اس کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے اور پھر مقصد بھی تو محبت کی مانند ہوتا ہے جو کسی غرض کے بغیر کی جاتی ہے۔ محبت کے بدلے میں کچھ مانگنا ایک طرح سے غرض ہے اور محبت غرض نہیں ہوتی۔"

"سر! محبت کو بھی تو خونِ جگر دینا پڑتا ہے۔"

"بالکل--- محبت جب عشق میں ڈھلتی ہے تو اس میں اپنا آپ تو رہتا ہی نہیں ہے' سب کچھ محبوب کا ہوتا ہے۔ پھر اپنی مرضی کہاں رہ جاتی ہے۔ نہ کوئی خواہش نہ کوئی اُمید--- ہاں! جب مقصد ہوتا ہے تو اِسے حاصل کیا جاتا ہے۔ چاہے اس کے حصول کے بعد اس کی قدر رہے یا نہ رہے--- اپنی زندگی کو بامقصد بناؤ' میرے بیٹے! تم سے بہت ساری اُمیدیں وابستہ ہیں۔" یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کو رُکے اور پھر کہتے چلے گئے۔

"ہمایوں! تم میرے بہترین سٹوڈنٹس میں سے ایک ہو۔ میں جانتا ہوں تم میں بہت زیادہ صلاحیتیں ہیں! انہیں برباد مت کرو۔"

"میں کب چاہتا ہوں کہ میری صلاحیتیں برباد ہوں لیکن جب ظلم---"

"ہمیشہ امتحان میں ہی سوئی ہوئی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں۔ جس طرح کوئی باشعور ذرا سے اشارے میں سے بامعنی نکتہ تلاش کر لیتا ہے' بالکل ایسے ہی جب تم جیسے حساس شخص پر ظلم ہوتا ہے' نا تو بہت زیادہ ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے۔ پھر سنبھلنے میں بہت وقت لگتا ہے لیکن جاہل! اسے کچھ بھی نہیں ہوتا--- یہ ساری باتیں سمجھتے ہوئے بھی کیا تم مایوس ہو جاؤ گے؟ ظلم تو ہوں گے اگر ہم اس معاشرے میں رہتے ہیں! اس کے ساتھ برتاؤ کریں گے تو یہاں ظلم ہو گا لیکن کیا ایک مکھی کی مانند مر جائیں گے؟--- نہیں۔ ہم پر اگر ظلم ہوتا ہے تو پھر ظلم کو بھی پتہ چلنا چاہیے کہ وہ کس سے ٹکرایا ہے---"

اس بار خود پروفیسر بہت زیادہ جذباتی ہو گئے تھے۔ ہمایوں دھیرے سے مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہے سر! میں خود کو مضبوط بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

"ویل ڈن' بیٹے! مجھے پوری اُمید تھی کہ تم میری بات سمجھ جاؤ گے--- کچھ ہی دنوں میں رزلٹ آنے والا ہے لیکن تم اس کا انتظار مت کرو' کل ہی کورٹ جانا شروع کر دو۔ میں نے سردار اقبال ایڈووکیٹ سے کہہ دیا ہے' وہ تمہاری ہر طرح سے راہنمائی کریں گے۔ میرے بہت اچھے دوستوں میں شامل ہیں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ تم اس پروفیشن میں بہت جلد اپنا نام بنا لو گے۔ بہت محنت سے کام کرنا---" پروفیسر نے خوشدلی سے کہا۔

"ٹھیک ہے' سر! میں کل سردار صاحب سے مل لوں گا۔" ہمایوں نے کہا۔

"نہیں' کل نہیں آج--- میں ابھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں' چائے بھی وہیں جا کر پئیں گے۔" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا تو ہمایوں بھی ہنس دیا۔ اتنے دنوں میں وہ پہلی بار دل سے ہنسا تھا۔

ہمایوں نے وہ دن بہت بھرپور گزارا تھا۔ وہ جو صبح مایوسی کی حالت میں گھر سے نکلا تھا' واپس آیا تو اُس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ اُس نے اپنے والدین کو بتایا' وہ بھی خوش ہوئے لیکن جیسے ہی وہ اپنے کمرے میں گیا' تنہائی میں اچانک صفیہ کا خیال اُس کے سامنے آ گیا اور اس کے ساتھ ایک سوال تن کر اس کے سامنے آ گیا جو نجانے کب سے اُس کے لاشعور میں پھنسا ہوا تھا۔

"ہمایوں! تم اپنا کیریئر بناؤ گے یا پھر صفیہ کو حاصل کرو گے؟ تمہیں دونوں میں سے ایک کو بھولنا ہو گا۔"

اس پر ہمایوں نے چند لمحے سوچا' پھر دھیرے سے مسکرا دیا اور زیرِ لب بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"میں صفیہ کو اپنا کیریئر بنا کر ہی حاصل کروں گا۔ یہی میری محبت ہے' یہی میرا عشق۔"

اُس نے خود کو جواب دیا تو پھر کوئی سوال نہیں اُبھرا' گویا اُس کا اندر مطمئن ہو گیا تھا۔

☆☆

راحیلہ شام کی ڈیوٹی کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ اُس نے یونیفارم پہن لیا تھا اور آنچل کو سر پر جما رہی تھی۔ اسی دوران اس نے غور سے خود کو

آئینے میں دیکھا تو پھر دیکھتی رہی۔ اُسے اپنے آپ میں تبدیلی محسوس ہوئی---ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی سوال کا جواب ڈھونڈتے ہوئے اُس نے اپنا آنچل درست کیا اور بالکل تیار ہو گئی مگر ایک خوشگوار تاثر نے اُسے اب بھی گھیرا ہوا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اس کا جواب حاصل کر لینا چاہتی تھی ڈیوٹی شروع ہونے میں ابھی وقت تھا لہٰذا وہ اپنے لیے چائے بنانے لگی۔ اس دوران اُس کا سارا دھیان اُسی تاثر کی جانب ہی رہا۔ پھر جب وہ اطمینان سے بیٹھ گئی اور چائے کا سپ لیا تو اُسے جواب مل گیا--- پہلے وہ اپنے طور پر جلتی کڑھتی رہتی تھی۔ ہر وقت اپنے آپ کو جلائے رکھنا' سلگتی ہوئی سوچیں ہر وقت اُسے مایوسی کے اندھیرے میں رکھتی تھیں۔ اُسے اپنے آپ سے لڑتے رہنے کے علاوہ اور کچھ بھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ سوچ چاہے جیسی بھی ہو انسانی وجود پر اثر انداز ضرور ہوتی ہے۔ سو وہ ہمیشہ کملائی ہوئی رہتی تھی۔ کوئی مانے یا نہ مانے 'عورت بہر حال پھول کی مانند ہوتی ہے' ناموافق فضا اُسے کملا دیتی ہے مگر جیسے ہی خوشگوار ہوا کا جھونکا آئے تو پھر سے تر و تازہ ہو جاتا ہے' ایسا ہی اُس کے ساتھ ہوا تھا۔ اُس نے ساری سوچوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ بوجھ جو اُنہی سوچوں کی وجہ سے اُس پر رہتا تھا' وہ اُس نے اُتار کر پھینک دیا تھا۔ کوئی کیا ہے' اُسے اب پرواہ ہی نہیں تھی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اُسے اگر کسی کام سے منع کر دیا جائے تو وہ اُس کے بارے میں مزید سوچتا ہے' یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ اُس پر حاوی بھی ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی کام سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ ایسا اُس کے سامنے رکھ دیا جس سے اُس کی توجہ بٹ جائے تو نہ صرف پہلے کام کی اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ وہ نئے کام کی جانب دھیان دیتا ہے۔ یوں بنا کسی مشکل کے غیر ارادی طور پر وہ منع کیا جانے والا کام بھول جاتا ہے۔ قدرتی طور پر راحیلہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ جنید کے خیال نے جہاں اُسے پراگندہ کرنے والی سوچوں سے چھٹکارا دلا دیا تھا' وہاں آنے والے دنوں میں ایک آس اور خوشگوار اُمید نے سب کچھ بھلا کر رکھ دیا تھا' جیسے جنید کا خیال اُسے یکسو کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ چائے پیتے ہوئے مسکرا دی' اک معمولی سی بات اُس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اُس نے خالی کپ ایک جانب رکھا' کمرے پر اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی' دروازہ لاک کیا اور ڈیوٹی کے لیے چل دی۔ خوشگوار خیال نے اُسے مسرور کیا ہوا تھا' ایسے میں نجانے کیوں اُس کے لبوں پر یہ دُعا مچل گئی کہ اُسے جنید مل جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر وہ اُسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی۔ انہی خیالوں میں گم وہ چلتی چلی جا رہی تھی کہ سامنے سے اُسے دوسری سٹاف نرسوں کے ساتھ نسرین بھی آتی ہوئی دکھائی دی۔ راحیلہ کو دیکھتے ہی اُس کے قدم تیز ہو گئے تھے۔

"راحیلہ! تمہارے لیے ایک پیاری سی خوشخبری ہے۔"

"خوشخبری تو بہر حال پیاری ہوتی ہے۔ تم کہو کیا بات ہے؟" اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ--- وہ لڑکا جو تو نے مجھے دکھایا تھا کیا نام تھا اُس کا--- ہاں وہ جنید وہ میں نے آج یہاں ہسپتال میں دیکھا ہے۔"

"دیکھا ہے' مطلب---؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ خود تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایک مریض کو لے کر آیا ہے--- کچھ دیر پہلے وہ ایمرجنسی میں تھا' اب پتہ نہیں---" نسرین نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ---" اُس نے اطمینان کا سانس لیا پھر فوراً بولی۔ "تم اُس کے بارے میں پتہ تو کرتیں' اُسے روکتیں---"

"مجھے اتنا وقت ہی نہیں ملا وہ خود پریشان تھا—— خیر اگر وہ وہاں ہوا تو تمہیں مل جائے گا۔" نسرین نے کہا اور گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "او جاؤ ڈیوٹی پر—— پورے دو منٹ لیٹ ہو چکی ہو۔"

نسرین نے احساس دلایا تو وہ آگے بڑھ گئی—— راحیلہ کو پورا یقین تھا کہ جنید اُسے ضرور ملے گا۔ اُسے اپنی دُعا پوری ہو جانے کا پورا یقین تھا اور وہ اسی یقین کے سہارے آگے بڑھتی گئی۔

وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ایمرجنسی کی طرف چلی گئی۔ بظاہر وہ پرسکون تھی لیکن اس کی نظریں بے تابانہ اُسے تلاش کر رہی تھی۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی گم ہوئی پسندیدہ شے کے بارے میں اچانک معلوم ہو جائے اور وہ اُس کی تلاش میں نکل پڑی ہو۔ ممکن ہے 'کشش' اسے ہی کہا جاتا ہو—— اُسے اپنی ڈیوٹی کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ وہ بجائے اپنے وارڈ کی طرف جانے کے ایمرجنسی کے سامنے آ گئی اور پھر اندر چلی گئی۔ وہ سیدھی وہاں تک پہنچی جہاں مریض کو لایا جا سکتا تھا۔ شام نے ڈھل کر رات کا روپ دھار لیا تھا اس لیے وہاں رش نہیں تھا' اکا دُکا لوگ تھے۔ اُس نے ڈیوٹی پر موجود نرس کو دیکھا جو ہاسٹل میں رہنے کے باعث چہرہ شناسا تھی۔ اُس نے نرس کو جنید کا حلیہ بتاتے ہوئے پوچھا تو جواباً وہ بولی۔

"ہاں' ایسا لڑکا تھا اِدھر مریض کے ساتھ—— تم اُسے آپریشن تھیٹر کی طرف دیکھو' مریض کو اُدھر ہی لے گئے ہیں۔"

"مریض کیا سیریس ہے؟" راحیلہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"گولی لگی ہے اُسے——"

وہ عام سے انداز میں بولی۔ اس پر راحیلہ چونک گئی۔ پھر اپنے ہی خیال میں کھوئی ہوئی آپریشن تھیٹر کی جانب بڑھ گئی' وہاں بھی اُسے جنید دکھائی نہیں دیا۔ وہ یہی سوچ کر پلٹ گئی کہ ممکن ہے وہ مریض کو ہسپتال پہنچا کر وہاں سے چلا گیا ہو۔ وہ مایوس ہو گئی اور اسی عالم میں اس وارڈ کی جانب چل دی' جہاں اُس کی ڈیوٹی تھی۔ وہ قدرے دھیمے قدموں سے جا رہی تھی کہ اچانک اُس کی نگاہ ایک طرف لان میں کھڑے جنید پر پڑی جو سیل فون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ راحیلہ کو یوں لگا جیسے کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو' اچانک ملنے والی خوشی کا احساس معمول سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کھڑی ہو کر اُسے باتیں کرتا ہوا دیکھتی رہی' پھر اس کی جانب بڑھ گئی۔ وہ لان سے باہر کھڑی تھی جبکہ جنید روشنی کے پول تلے کھڑا تھا۔ وہ بات کر چکا تو اُس کی نگاہ راحیلہ پر پڑی جو اُس کی جانب پوری یکسوئی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اُسے پہلی نگاہ ہی میں پہچان گیا تھا اسی لیے وہ آگے بڑھا اور قریب آ کر بولا۔

"آپ——؟" اُس کے لہجے میں شناسائی جھلک رہی تھی۔

"ہاں میں—— آپ یہاں پر کیا کر رہے ہیں؟" اُس نے اپنی ساری بے تابیاں چھپاتے ہوئے لاپرواہی سے پوچھا۔

"ایک زخمی کے ساتھ آیا ہوں وہ آپریشن تھیٹر میں ہے—— میں یہاں بات کرنے آیا تھا۔" اُس نے وضاحت سے کہا۔

"کیا ہوا ہے اُسے——؟" راحیلہ نے اُس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس زخمی ہو گیا۔ گولی لگی ہے اُسے—— میرا ایک دوست ہے وہاں میں دوائیاں دے آیا ہوں۔ دیکھیں' کیا ہوتا ہے؟" جنید نے یوں کہا جیسے وہ اس موضوع پر بات نہ کرنا چاہتا ہو۔

"اچھا میرے لیے کوئی خدمت --- میں آپ کے کسی کام آ سکتی ہوں؟" راحیلہ نے پورے خلوص سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ میرے کسی کام آ سکتی ہیں یا نہیں۔ فی الحال تو ---" اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر جیسے اُسے خیال آ گیا تو وہ تیزی سے بولا۔ "آپ نے جو اُس دن ایک بات کہی تھی' اس نے مجھے بڑا حوصلہ دیا تھا۔ میں آج تک یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کہا تھا؟"

"ہاں ---" راحیلہ نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں بھی آج تک یہ سوچ رہی ہوں اور مجھے بھی سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ میں نے ایسا کیوں کہہ دیا تھا؟"

اُس کے یوں کہنے پر جنید چونک گیا اور پھر حیرت سے بولا۔

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے ---؟"

"ممکن ہے' عجیب ہو لیکن لگتا نہیں ہے۔ ضرور اس کی کوئی وجہ ہو گی جو نہ آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے اور نہ میری مگر سچ یہ ہے کہ ایسا ہوا۔ اب دیکھیں یہ بات کب سمجھ میں آتی ہے؟" وہ ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم تھوڑی دیر مل بیٹھیں اور باتیں کریں پھر شاید اس بات کی سمجھ آ جائے۔"

جنید نے کہا۔ شاید وہ ہسپتال کے اس ماحول سے فرار چاہ رہا تھا۔

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے لیکن شاید ابھی نہیں' میں ڈیوٹی پر جا رہی ہوں اور آپ کا دوست آپریشن تھیٹر میں ہے' پھر کسی وقت ---" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اپنی نسائی جھجک کو برقرار رکھا۔

"ٹھیک ہے پھر کسی وقت سہی۔ آپ چاہیں تو میرا نمبر نوٹ کر لیں۔ جب بھی آپ کے پاس وقت ہو تو مجھے بتا دیجئے گا۔"

"بتائیں ---"

یہ کہتے ہوئے اُس نے جیب سے بال پن نکالا اور اپنی ہتھیلی پر لکھنے کے لیے تیار ہو گئی' یوں جیسے وہ اپنی قسمت کی لکیروں میں اسے بھی شامل کر رہی ہو۔ جنید نے اپنا نمبر دے دیا۔ اس نے ہتھیلی پر لکھ لیا تو وہ بولی۔

"اچھا' خدا حافظ ---!"

"خدا حافظ --- لیکن کیا آپ نام نہیں پوچھیں گی؟" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے جنید ہے آپ کا نام ---"

"اوہ ---!" اس نے سوچتے ہوئے کہا اور بولا۔ "--- اور آپ کا؟"

"راحیلہ ---!"

اُس نے اختصار سے کہا اور آگے بڑھ گئی حالانکہ اُس کا وہاں سے جانے کو قطعاً دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ وہاں سے چلی گئی' اس

احساس کے ساتھ کہ جنید اُسے جاتا ہوا ضرور دیکھ رہا ہوگا۔ اُسے خوشی ہوئی تھی کہ جنید سے اِس کا رابطہ ہو گیا ہے۔

☆☆

رات کے سناٹے میں صفیہ اپنے بیڈ پر پڑی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ پہلی بار تیمور کے ساتھ تنہا گئی تھی۔ کئی دنوں سے وہ اِسے فارم ہاؤس دکھانے کے لیے کہہ رہا تھا مگر وہ یوں تنہا نہیں جا سکتی تھی۔ وہ دولت مند ہو جانے کے باعث ایک خاص حلقے میں آ گئے تھے جنہیں دولت مندوں کی دُنیا کہا جاتا ہے لیکن ابھی تک ان کی رگوں میں وہی پرانی روایات اور خیالات گردش کر رہے تھے جو اِسے وراثت میں ملے تھے۔۔۔

دراصل تقسیم ہند کے بعد بہت کچھ تلپٹ ہوا۔ کئی شرفاء اپنی شرافت کا لبادہ اوڑھے پستے رہے اور کئی نام نہاد شرفاء نقاب اوڑھ کر دولت مند بن گئے۔ یوں نو دولتیوں کا ایک طبقہ اِس معاشرے میں اُبھرا جس نے روایتی جاگیرداروں، صنعتکاروں اور بیورو کریٹس کے مقابلے میں آنے کے لیے نمود و نمائش کا سہارا لیا۔ خود کو دولت مند ثابت کرنے اور طبقہ امراء میں سے ہونے کے لیے بہت سارے ہتھکنڈے بھی آزمائے جس کا خاطر خواہ اثر ہوا یا نہیں، یہ الگ بات ہے لیکن اُس نے اِس طبقے کی جدوجہد کو بہت حد تک نمایاں کر دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی روایات، خاندانی حیثیت اور زندگی گزارنے کا سلیقہ طریقہ تک بدل لیا۔ اِسی دوران مادیت پرستی کے رجحان نے اپنا کام دکھایا اور یہی طبقہ اِس سے متاثر بھی ہوا۔ روایتی جاگیرداروں اور صنعتکاروں کی گرفت اِس معاشرے پر سخت سے سخت ہوتی چلی گئی۔ حکمرانی سے لے کر معیشت تک پر وہ لوگ چھاتے چلے گئے اور پاکستان کی حقیقی عوام جذباتی نعروں، تصوراتی سبز باغوں اور انقلاب کی راہ دیکھتے دیکھتے دوسری نسل بوڑھی کر بیٹھی ہے۔ اِس سارے تماشے میں درمیانہ طبقہ اور نو دولتیے بُری طرف پھنس چکے ہیں۔ غریب مزید غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور امیر، امیر تر۔ اب یہ دونوں طبقے امیر ہو نہیں سکتے اور غربت کی طرف جا نہیں سکتے، یہیں سے ایک اور طبقے نے جنم لیا جسے جرائم پیشہ کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ بغاوت کے علمبردار ہیں۔ ممکن تھا کہ یہ لوگ اگر اپنی تحریک کو مثبت رکھتے اور ان میں کہیں مرکزیت ہوتی تو انقلاب کی راہ ہموار ہو سکتی تھی لیکن یہاں بھی بدقسمتی کا سایہ رہا۔[1]

درمیانہ طبقے اور نو دولتیوں نے کالے دھندے ہی سے اپنے آپ کو بڑھا دی۔ وہ یہ بھول گئے کہ دراصل یہی فنا کا راستہ ہے۔ ایسی ساری کشمکش کے اثرات اِن کے خاندان کے اندرونی معاملات پر بھی پڑے۔ ایک چھت کے نیچے رہنے والوں کے خیالات، خواب، اُمیدیں، خواہشیں اور ارادے بالکل مختلف ہیں۔ اِن کی آئندہ آنے والی نسل یہ بھول گئی ہے کہ جس ملک کی آزاد فضاؤں میں وہ سانس لے رہے ہیں، اِس کا حقیقی کلچر کیا ہے۔ وہ کس نام سے وجود میں آیا، کتنی قربانیاں دی گئیں؟۔۔۔ لڑکی جو میکڈونلڈ میں بیٹھ کر برگر کھاتے ہوئے اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ یورپ اور امریکہ میں آزادی کی بات کرتی ہے، اِسے قطعاً احساس نہیں ہے کہ اِس ملک کی خاطر کتنی عصمتیں لٹیں اور کتنی غیرت مند بیٹیوں نے اپنا آپ ختم کر لیا۔ یہ قصور کس کا ہے؟ نئی نسل کا بالکل قصور نہیں ہے یہ قصور ان لوگوں کا ہے جن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ پاکستان کی عوام کو پاکستانی قوم

---

[1] یہ کوئی باقاعدہ اجتماعی کوشش نہیں بلکہ انفرادی تھی۔ کرپشن کی راہ دکھائی تو دولت کمانے کی دُھن سوار ہوئی، جس میں ڈھیر سے ڈھیرے مجبوریاں ڈھل انداز ہوتی چلی گئیں۔ جاگیرداروں کے خلاف اجتماعی شعور نہ ہونے کے باعث یہ لوگ جاگیرداروں کے جال میں پھنستے چلے گئے۔ بعد ازاں سرمایہ دار بھی اِس میں شامل ہو گئے۔ پاکستان کی تاریخ میں جتنے بھی رکن اسمبلی منتخب ہوئے ہیں، ان میں جاگیردار کتنے ہیں؟ اور ملک کی مجموعی ترقی

کس طبقے کے کھاتے میں گئی ہے۔اس سے ساری حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔اس ملک کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ کیا ہم نے اس کا تعین کیا؟ اگر کر لیا ہے تو پھر اعلانِ جہاد کیوں نہیں؟ اصل میں یہی طبقہ اس ملک کا مسئلہ ہیں۔

ہونے کا یقین دیں۔بلاشبہ یہ دانشوروں کا طبقہ ہے جو اپنا فرض بھول چکا ہے۔آج اگر کسی نو دولتیے کی بیٹی یہ سوچتی ہے کہ وہ مزید دولت مند کس طرح بن سکتی ہے تو یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں ہے۔اُسے دوہری جنگ لڑنا پڑ رہی ہے۔اپنی روایت کے خلاف اور جدید تقاضوں کے ساتھ چلنے کی شدید آرزؤں، ڈپریشن کے ساتھ جرم بھی بڑھ رہا ہے۔یہی سب کچھ صفیہ کے دماغ میں تھا۔وہ اِسے اپنی خوش قسمتی تصور کر رہی تھی کہ تیمور جیسا دولت مند اِس میں دلچسپی رکھتا ہے۔اُس نے سوچ لیا تھا کہ اگر تیمور کی یہ دلچسپی برقرار رہی اور وہ خود اِسے حوصلہ دے کر پیار اور محبت کی راہ پر لے آنے میں کامیاب ہو گئی تو دولت کا ایک خزانہ اِس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ایک صنعتکار کا بیٹا جس نے یورپ دیکھا اور اپنے لیے اِسے پسند کر لیا' یہ اِس کے لیے معمولی بات نہیں تھی۔اِسے اپنی راہ پر لانے کے لیے بہت صبر اور تحمل کی ضرورت تھی' کوئی ایک بھی اُلٹا قدم اس کی راہ کھوٹی کر سکتا تھا۔اِسے تیمور کے بارے میں اِس قدر تفصیلی معلومات نہیں تھیں۔بس اِس کے بارے میں اتنا معلوم تھا جو اِدھر اُدھر سے اُسے سننے کو ملا تھا۔وہ وجیہہ تھا' باوقار تھا جس طرح اُس کے ذہن میں اپنے شریکِ زندگی کے لیے ایک خاکہ سا تھا' اس پر وہ پورا اُترتا تھا مگر وہ دولت مند کس قدر تھا' اِس کا اُسے احساس نہیں تھا' وہ جو اُس کے ساتھ فارم ہاؤس پر گئی تو اُسے دولت کی ایک جھلک دکھائی دی۔وہیں اُسے تجسس ہوا کہ یہ مزید کتنا دولت مند ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے' ایسی معلومات کے لیے تھوڑا وقت چاہیے تھا۔اِس وقت صفیہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ تیمور کو تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے برطانیہ سے آئے ہوئے اور ممکن ہے کہ یہ اِس کا جذباتی فیصلہ ہو جو کچھ عرصے کے بعد ختم ہو کر رہ جائے یا شاید اِسے یہ بھی علم نہ ہو کہ جب اِس کے والدین کو معلوم ہوگا تو جس طرح وہ غربت میں جانا پسند نہیں کر رہی ہے اِسی طرح اُس کے والدین بھی کم دولت مندوں سے بھولا ناپسند نہ کریں۔تب اِس کی حیثیت کیا ہوگی؟ وہ فوری طور پر اُس کے لیے ہاں یا نہ کا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی' اِس کے لیے وقت چاہیے تھا تاکہ اُسے معلوم ہو سکے کہ تیمور اِس کے لیے کتنا سیریس ہے۔اگر وہ اِسے دل سے چاہتا ہے تو پھر محبت کی راہ پر وہ اِسے لے کر ضرور چلے گا ورنہ اِس راہ پر چلنے سے پہلے ہی وہ اِس کا ساتھ چھوڑ جائے گا۔اِس وقت صفیہ کے دماغ میں یہ بھی چل رہا تھا کہ تیمور کو محبت کی راہ پر لاتے ہوئے وہ خود کہیں اِس کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔جس طرح وہ اِس کی دولت دیکھ کر اِس کی جانب بڑھی ہے' کہیں وہ اِس کا حسن دیکھ کر تو اِس کی طرف نہیں لپکا اور پھر کسی بھنورے کی طرح رس چوس کر اُڑ جائے۔ایسے میں وہ کچھ بھی نہیں کر پائے گی اور سارا نقصان اِس کی اپنی ذات کا ہوگا۔وہ آسمان کو چھوتے ہوئے منہ کے بل آ گرے گی۔اُس نے اپنے من کو ٹٹولا' کیا واقعی ایسا ممکن ہو جائے گا؟ کتنی دیر تک اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔شاید وہ تیمور سے محبت کر ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ اِس کی اپنی نگاہ فقط تیمور پر نہیں تھی بلکہ اُس کے ساتھ آنے والی دولت پر تھی جو تیمور کے حاصل ہوتے ہی اِس کی ہو جانے والی تھی۔اُسے اِس راہ پر بہت محتاط ہو کر چلنا تھا——

اُس کے ذہن میں یہ خیالات بھی آ رہے تھے کہ جب وہ تیمور سے ابھی نہیں ملی تھی' تب اُس کے اپنے خیالات کیا تھے؟ وہ اپنے بارے میں کیا سوچتی تھی۔اگر وہ خود ہی تیمور کی راہ پر چل رہی ہے تو اُس کے اپنے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔تیمور کے مقابلے میں اُس کی اپنی حیثیت کیا ہے؟ وہ خود کیا ہے؟ اگر تیمور کا معیار فقط حسن ہے تو اگر اُس کا حسن نہ رہے تب پھر اُسے اپنی زندگی کا بوجھ خود اُٹھانا پڑے گا۔وہ دوسروں کی دست نگر

رہنے یہ اُس کی اَنا کے خلاف تھا۔ اُس نے اپنے بارے میں یہ سوچا ہوا تھا کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُس کی اپنی ایک سماجی حیثیت ہونی چاہیے جہاں اُس کا نام ہو' اپنی ایک پہچان ہو' لوگ اُسے اِس کے سماجی رُتبے سے جانیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ اُس کے اِرد گرد کا معاشرہ اُس کی صلاحیتوں سے نہیں' دولت کے معیار سے اُس کی عزت کرے گا۔ بہت کم لوگ ہیں معاشرے میں جو کسی کی مثبت صلاحیتوں کو سراہتے ہیں ورنہ یہ معیار بن چکا ہے کہ اُس کے سماجی رُتبے سے ہی اُس کی عزت کی جائے۔ جب تک کوئی کسی رُتبے پر ہے' اُسے اِس کی حیثیت کے مطابق نہ صرف عزت دی جاتی ہے بلکہ اسی قدر خوشامد بھی ہوتی ہے' لیکن جیسے ہی اُس کا سماجی رُتبہ ختم ہوا' اُس کی کرسی چھنی' وہ عزت کے اِس معیار پر نہیں رہتا' یہ ہمارا معاشرتی اصول بن چکا ہے اِسی لئے بہت سارے لوگ اِس معاشرے سے عزت و احترام کے حصول کے لیے نقاب اوڑھنے پر مجبور ہیں۔ وہ چاہتی تھی کہ اُس کا کوئی سماجی رُتبہ ہو۔ چاہے اپنے باپ کا کاروبار ہی سنبھالے یا کوئی حکومتی ملازمت کرے۔ جب تک وہ اپنی تعلیم مکمل نہیں کر لیتی اور اپنا خواب پورا نہیں کر لیتی تب تک وہ تیمور سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔ اِس کے لئے ابھی تھوڑا وقت درکار تھا اور اِس وقت میں صبر اور برداشت اُس کے اپنے فائدے ہی میں تھی۔ اگر تیمور اُس سے واقعتاً دل سے محبت کرتا ہے تو اُس کا انتظار کرے گا۔ وہ اسے مزید حوصلہ دے گی تاکہ تیمور کے دل میں اُس کی محبت مزید گہری ہو جائے۔ اِس طرح وہ نہ صرف تیمور کو پالے گی بلکہ اپنا خواب بھی پورا کرے گی۔ اگر تیمور اُسے راہ میں چھوڑ بھی گیا تو کم ازکم وہ اپنا خواب تو پورا کرے گی۔

رات دھیرے دھیرے بڑھتی چلی جا رہی تھی اور صفیہ اپنے ہی خیالوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ تیمور کے دولت مند ہونے کی جھلک نے اُسے نہ صرف بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا بلکہ ایک طرح سے اُسے ڈیپریشن میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔ اُسے کوئی فیصلہ کرنے میں دُشواری ہو رہی تھی کہ آخر وہ کیا کرے؟ —— وہ شام سے ہی سوچ رہی تھی اور پھر رات کے دوسرے پہر میں بہت سوچ کر اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ اُسے بہر حال وقت چاہیے تھا سو اُس نے فیصلہ آنے والے وقت پر چھوڑ دیا۔ یہ سوچتے ہی اُس نے گہری سانس لی' ایک بوجھ اُس کے سر سے اُتر گیا تو وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔

☆☆

ہمایوں اپنے کمرے میں پڑا مسلسل سوچ رہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا' گھر میں مکمل خاموشی اور اُس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ اُسے یہ قطعاً احساس نہیں تھا کہ رات دبے پاؤں چلتے ہوئے کہاں سے کہاں تک جا پہنچی ہے۔ وہ بس سوچتا چلا رہا تھا اور اُس کی یہ سوچ بالکل غیر اختیاری تھی۔ وہ اپنی زندگی کا ایک اہم ترین دن گزار چکا تھا جس نے اُسے سوچوں کی آماجگاہ بنا دیا تھا۔ اِن سوچوں میں جہاں وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر رہ گیا تھا' وہاں وہ اِنہی سوچوں میں سے مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

صبح جب وہ پہلے دن عدالت جانے کے لیے تیار ہوا۔ سفید قمیص پر اُس نے کالا کوٹ زیبِ تن کیا تو ایک ایسا احساس اُس کے اندر پھیل گیا' جس میں اپنے آپ پر اعتماد ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ وہ ناشتے کے لیے برآمدے میں آ بیٹھا تو ماں نے جھٹ اُس کی بلائیں لے لیں اور پھر ڈھیر ساری دُعائیں اپنے رَبّ سے مانگیں۔ اِس دن ماں نے بہت پیار سے اُسے ناشتہ کروایا تھا اور پھر جس وقت وہ گھر سے باہر نکلنے لگا تو نب بی

بی نے اپنے پلو میں بندھے چند نوٹ اُسے دیتے ہوئے صدقِ دل سے کہا تھا۔

"جا میرے بیٹے! اللہ تجھے خوشیوں اور کامیابیوں سے نوازے۔"

اُس نے اپنی ماں کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں ممتا کے سارے رنگ پھیلے ہوئے تھے لیکن اُس کی اپنی مٹھی میں وہ مڑے تڑے نوٹ یوں جل رہے تھے جیسے اُس نے انگارے اپنے ہاتھوں میں لیے ہیں۔ اِس دن اُسے اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ ہمایوں کا دل بھر آیا لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو اُس کی ماں دیکھ لے اُس نے پورے زور سے اپنی مٹھی بند کی اور وہ مڑے تڑے ہوئے نوٹ بنا دیکھے اپنی جیب میں رکھ لیے۔ اُس کے پاس اتنے پیسے تھے کہ وہ عدالت جا کر پھر واپس آ سکتا تھا۔

خلاف توقع اُسے بہت اچھے انداز سے خوش آمدید کہا گیا تھا۔ گزشتہ دن تکلف بھری ملاقات تھی' آج ویسا نہیں تھا ممکن ہے پروفیسر نے اپنے انداز سے مزید سردار اقبال ایڈووکیٹ کو سمجھا دیا ہو۔ وہ جیسے اُس کے انتظار میں تھا۔ اُس نے بہت اچھے انداز میں گفتگو کی' حوصلہ دیا اور محنت سے کام کرنے کے بعد اس دُنیا میں کامیابی کا نقشہ اُسے بتایا۔ پھر دیگر جونیئرز اور سینئرز وکیلوں سے اُس کا تعارف کروایا۔

"آج کے لیے اِتنا کافی ہے ہمایوں! تم آج اپنے کولیگز سے ملو' اِن سے تعارف حاصل کرو۔ اِن سے پوچھو کہ کیسے کیس سٹڈی کیا جاتا ہے۔ یہاں کے ماحول کے بارے میں واقفیت حاصل کرو۔ تم اگر محنت' لگن اور دیانت داری سے کام کرو گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ تمہارا شمار بہترین وکیلوں میں نہ ہونے لگے اور ہاں' کوئی بھی مسئلہ ہو تو مجھے بتانا۔۔۔"

سردار اقبال کی باتوں سے اُسے بہت حوصلہ ملا تھا۔ اگرچہ وہ سارا دن یونہی تعارف وغیرہ میں گزر گیا تاہم اِن باتوں میں اُسے بہت ساری باتیں ایسی بھی ملیں جن میں آگے بڑھنے اور بہت کچھ کر سکنے کی نشاندہی موجود تھی۔ شرط صرف یہی تھی کہ وہ مستقل مزاجی سے اپنے کام میں ڈٹا رہے جبکہ اِس کے سامنے ماں کا چہرہ تھا جو صبح آتے وقت اُس نے دیکھا تھا اور نوٹ اُس کی جیب میں سلگ رہے تھے۔

عدالتی معمولات شروع ہوئے تو ہر بندہ اپنے اپنے کام میں لگ چکا تھا۔ سردار اقبال وہاں سے اُٹھ کر کہیں چلا گیا' آفس کے باہر منشی اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ عدالت کا احاطہ لوگوں سے بھرتا چلا جا رہا تھا۔ ایسے میں ہمایوں اپنے سامنے ایک پرانے کیس کی فائل رکھے اپنے ہی جیسے ایک جونیئر وکیل سے کیس پڑھنے کے بارے میں سمجھ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اِس میں مصروف رہے۔ جو بھی اُس نے سمجھایا تھا' ہمایوں اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

"چل بس کریں یار! آج ہی سارا کچھ سمجھ لینا ہے۔" جونیئر وکیل عابد الٰہی نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔ "چل' چائے پیتے ہیں۔"

اُس نے آفر کی تو ہمایوں بھی اُٹھ گیا۔ احاطہ عدالت میں بنی اِس عام سی کینٹین پر وہ چلے گئے جہاں پہلے ہی لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ وہ چائے کا آرڈر دے کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ اِن کی گفتگو وہی عام سی تھی جو یہاں کے ماحول کے بارے کی جا سکتی تھی۔ اسی دوران اِن سے قدرے فاصلے پر ایک کروزر آ کے رکی۔ جس میں سے ایک بھاری بھرکم جسم والا شخص برآمد ہوا۔ اُس نے کاٹن کا کھڑ کھڑاتا ہوا شلوار سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔

سیاہ بال پیچھے کی جانب کنگھی کر کے جمائے ہوئے تھے۔ کالی عینک کے ساتھ کان میں سونے کا ایک ٹاپس تھا۔ ہلکی ہلکی سیاہ داڑھی اور مونچھیں' موٹی گردن میں سونے کی تین چار زنجیریں ڈالی ہوئی تھی۔ سفید لباس پر میرون کلر کی ویس کوٹ' وہ شان بے نیازی سے اُترا اور اس سے پہلے چار گارڈ اسلحہ سمیت گاڑی سے اُتر چکے تھے۔ وہ ایک جانب کو چل دیئے تو عابد امجی نے انجائی طنزیہ انداز میں کہا۔

''بڑی ٹھور ہے آج کل اس کی۔۔۔''

''کون ہے اور آج کل ٹھور۔۔۔؟''

بے اختیار ہمایوں نے اُس سے پوچھا تو عابد یوں بولنے لگا جیسے وہ اُس سے پہلے ہی خار کھاتا ہو۔

''تھا ایک تھرڈ کلاس غنڈہ' یونیورسٹی میں ہم سے محض ایک سال ہی آگے تھا۔ کوئی مانگے کی موٹر سائیکل نہیں دیتا تھا اسے اور آج یہ اپنی لینڈ کروزر میں پھرتا ہے۔''

اس کے یہ کہنے پر ہمایوں یوں متوجہ ہوا جیسے عابد نے اُس کی دُکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اُس نے اس سے تیزی سے پوچھا۔

''ایسا کون سا جادو ہے کہ دنوں میں ہی کایا پلٹ گئی؟''

''تو یار! ایسے غنڈہ قسم کے لوگوں کو استعمال کرنے والے تھوڑے ہیں یہاں پر؟ اگر یہ ایک لاکھ کماتے ہیں تو دس لاکھ کسی اور کی جیب میں جاتے ہیں۔۔۔ اس نے ایک سیاسی پارٹی کو ان دنوں میں ہی جوائن کر لیا تھا جب یہ یونیورسٹی میں تھا۔ اب اُن کی حکومت ہے تو دونوں ہاتھوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ قتل' ڈکیتی' منشیات فروشی' بلیک میلنگ اور نجانے کیا کیا۔۔۔'' عابد نے غصے کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

''لیکن' عابد! اتنی جلدی اور اتنی تیزی سے یہ کیا۔۔۔؟''

''تم نہ جانے کس دُنیا سے آئے ہو یار! کیا آنکھیں کھلی نہیں رکھتے ہو؟۔۔۔ ایسا کام ایک آدھ بندہ نہیں کرتا۔ پورے گروہ ہیں' گینگ بنے ہوئے ہیں۔ اب پتہ نہیں کہ اس کی قسمت اچھی ہے یا خراب' بہر حال اسے کوئی گینگ مل گیا ہے اور یہ دنوں میں دولت سے کھیلنے لگا ہے۔''

''کیا نام ہے اس کا۔۔۔؟'' ہمایوں کو ایسے لگا جیسے وہ اُس کا ہیرو ہو۔ ایسا ہی سب کچھ وہ اپنے تصور میں دیکھا کرتا تھا۔ ایسا جب سے وہ سوچ رہا تھا جب اُس نے ایک رات حوالات میں گزاری تھی۔

''ماجد وڑائچ۔۔۔'' عابد دھیرے سے بولا۔

''اچھا تو یہ ہے۔۔۔''

ہمایوں نے یوں کہا جیسے یہ نام اُس کے لیے اجنبی نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی ماجد کے بارے میں سُنی ہوئی بہت ساری باتیں اُسے یاد آ گئیں۔ شاید ان کے درمیان مزید بات چلتی مگر چائے آ چکی تھی اور وہ چائے پینے لگا۔ اس خاموشی کے دوران ہمایوں نے اپنے اندر ایک خاص قسم کی سنسنی محسوس کی تھی۔۔۔ جب تک وہ عدالت میں رہا' ماجد وڑائچ کے بارے میں ہی سوچتا رہا۔ ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کے ذہن میں کوئی تصوراتی خاکہ ہو اور اُسے اگر حقیقی روپ میں دیکھ لیا جائے تو بڑا عجیب سا لگتا ہے۔ اس دن ہمایوں سے تھوڑا بہت کام بھی لیا گیا اور جاتے وقت اُسے تھوڑے

سے نوٹ دے دیے گئے۔

"یہ کیا ہے ----؟" اُس نے عابد انکل سے پوچھا۔

"کچھ نہیں یار! بس تھوڑے سے روپے ہیں جو ہم نے کام کیا ہے۔ ہمارا خرچ کہاں سے چلنا ہے۔ یہی تو بات ہے سردار صاحب کی وہ اپنے جونیئرز کا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

اس دن اُس نے پہلی کمائی اپنی جیب میں ڈال لی اور پھر گھر آ کر وہ روپے اپنی ماں کو دیتے ہوئے بولا۔

"امی! یہ لیں یہ میری پہلی کمائی ہے۔"

"اللہ تجھے بہت دے گا میرے بچے!"

ماں نے وہ روپے یوں پکڑتے ہوئے دُعا دی جیسے وہ کوئی مقدس شے ہو۔ وہ اپنے کمرے میں گیا اور جیب میں سے ماں کے دیے ہوئے مڑے تڑے نوٹ نکال کر احتیاط سے اپنی الماری میں رکھ دیے۔ اُسے قطعاً سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ وہ کھانا کھا کر سو گیا۔ اس سہ پہر اُسے بڑے عجیب عجیب سے خواب آتے رہے وہ خواب در خواب میں رہا۔

وہ رات دھیرے دھیرے گزرتی چلی جا رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نیند ابھی تک نہیں اُتری تھی۔ اُس نے ساری سوچوں کو ایک طرف جھٹک دیا اور پھر اپنے آپ سے ایک سوال کیا کہ وہ اتنی دولت کیوں کمانا چاہتا ہے؟ اس کے ساتھ ہی لمحے کے ہزاروں حصے میں اندر سے آواز آئی' تاکہ میں صفیہ کو اپنا سکوں۔ میں اُسے نہیں چھوڑ سکتا' وہ اگر میری محبت ہے تو میری دُشمن بھی ہے میں اگر اس سے بدلہ لینا چاہتا ہوں تو وہی میرا مقصد ہے۔ وہی میری انا ہے اور وہی میری مجبوری ---- صفیہ کا خیال آتے ہی وہ مجسم اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ لمحوں میں وہ سارا منظر اُس کی آنکھوں میں گھوم گیا جو کالج کے سامنے ہوا تھا۔ ہمایوں نے سب کچھ ذہن سے نکال دیا۔ بس یاد رکھا تو اس کا حسین چہرہ جس پر وہ سو جان سے فدا ہو گیا تھا۔ اُس کی نگاہوں میں وہ منظر جم گیا جب وہ کالج گیٹ سے باہر نکلی تھی بہت عرصے بعد جب اُس نے اِسے دیکھا تو مبہوت رہ گیا تھا۔ بھرے بھرے جسم پر کالج یونیفارم کسی ہوئی تھی۔ سیدھے ریشمی بالوں کو یونہی کھلا چھوڑا ہوا تھا جو دھیرے دھیرے چلنے والی ہوا سے لہرا رہے تھے۔ ستواں ناک کے ساتھ بڑی بڑی غلافی آنکھیں جن میں کاجل کی ڈور تھی۔ میک اَپ سے بے نیاز چہرہ' گلابی پتلے پتلے ہونٹ' لمبی گردن جس میں باریک سی چین تھی۔ وہ اپنے مخروطی اُنگلیوں والے ہاتھ سے بالوں کو سنوارتی ---- اس کے ساتھ ہی چٹاخ کے ساتھ آواز اُبھری اور لاشعوری طور پر اُس کا ہاتھ اپنے گال پر چلا گیا' پھر سب کچھ تلپٹ ہو گیا۔ چٹاخ کی آواز نے دیا سلائی جیسا کام کیا اور پھر ہر طرف آگ لگ گئی وہ سلگ کر رہ گیا۔

☆☆

راحیلہ نے دھیرے سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تاکہ سوئی ہوئی نسرین جاگ نہ جائے اور کمرے میں آ گئی۔ وہ بجائے فوراً یونیفارم تبدیل کرنے کے کرسی پر بیٹھ گئی جیسے بہت تھک گئی ہو۔ ہمیشہ یہی ہوتا تھا کہ جن دنوں اِس ٹائمنگ میں ان کی ڈیوٹی ہوتی تھی' دونوں ہی ایک دوسرے کو ڈسٹرب نہیں کرتی تھیں۔ وہ ڈیوٹی سے آنے کے فوراً بعد یونیفارم تبدیل کرتی اور عام لباس پہن کر سو جاتی ---- اِس روز وہ کرسی پر بیٹھی

سوچ رہی تھی کہ نسرین نے دھیرے سے کہا۔

"کیا بات ہے---تھک گئی ہو یا کوئی اور بات ہے؟"

راحیلہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا جو سرہانے پر سر رکھے' چادر میں سے منہ نکالے اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"آں---ہاں---کچھ نہیں---" راحیلہ نے یونہی کہہ دیا اور پھر جوتے اُتارنے لگی۔

"کوئی بات تو ہے یار---!" نسرین نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں تو اب سے آدھا گھنٹہ پہلے آ جانا چاہیے تھا۔ یہ اتنی دیر کہاں لگا دی' خیر تو ہے؟" وہ اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"یار! ڈیوٹی آف ہونے کے بعد مَیں نے سوچا' جنید کو دیکھ لوں---اس کا مریض تو آئی سی یو میں ہے لیکن وہ خود وہاں نہیں تھا وہاں کوئی اور ہی تھا' مَیں نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور تھوڑی دیر انتظار کے بعد وہاں سے آ گئی۔ بس اس میں دیر ہو گئی۔" راحیلہ نے بتایا۔

"راحیلہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے' کیوں ہوا کو اپنی مٹھی میں بند کرنے کی ضد کر رہی ہو؟---ہوا کا کچھ نہیں جائے گا' تمہی خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔" نسرین نے نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"ایسا نہیں ہے' نسرین! جب مَیں یہاں سے گئی تو وہ مجھے ملا تھا۔ اُس سے باتیں بھی ہوئیں' فون نمبر دیا ہے اُس نے مجھے---وہ کہیں نہیں جائے گا' اِدھر ہی رہے گا' مَیں اب اُسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گی۔" راحیلہ نے یوں کہا جیسے وہ نسرین سے نہیں کہہ رہی بلکہ اپنے آپ کو تسلی دے رہی ہو۔

"تم نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا' راحیلہ! مَیں نے اُسے ہوا کہا ہے' جس کے مقدر میں سکوت نہیں ہوتا' ہوا ایک جگہ ٹھہر ہی نہیں سکتی۔" نسرین نے انتہائی دُکھے دل سے کہا۔

"مَیں سمجھی نہیں---آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" وہ واقعتاً کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"جس طرح تم نے اُس کے بارے میں مجھے بتایا تھا' مَیں نے اُسے بہت سوچا۔ پھر مَیں نے خود اپنی آنکھوں سے بھی اُسے دیکھا ہے' وہ کسی اور ہی دُنیا کا باشندہ ہے' میری جان! وہ ہمارے معاشرے کے بندھنوں میں بندھ کر نہیں رہ سکتا' وہ اتنی سی عمر میں شعلہ جوالا ہے تو آگے کیا ہو گا' وہ محض جرائم پیشہ ہوتا تو اُس کی واپسی ممکن تھی' وہ ایسا نہیں ہے۔ وہ ایک مقصد کو لے کر نکلا ہوا ہے جہاں سے اُس کی واپسی ممکن نہیں ہے۔" نسرین کا انداز اُسے سمجھانے والا تھا۔

"تم ایسا کیسے کہہ سکتی ہو مَیں اور تم اُس کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

راحیلہ نے اُس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جیسے خیالوں میں کھو گئی اور پھر چونکتے ہوئے بولی۔

"وکٹر اور مَیں بچپن ہی سے ایک سکول میں پڑھے ہیں۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ وہ پادری بننے کے لیے نکلا ہے۔ کس ملک میں ہے' یہ کسی کو نہیں معلوم۔ اُس کے گھر والے یہی کہتے ہیں کہ وہ ویٹی کن سٹی میں ہے لیکن ایسا قطعاً نہیں ہے۔ اُسے مذہبی جنون تھا۔ مَیں اُس کے خیالات سے

واقف تھی۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے راحیلہ کی طرف دیکھا لمحہ بھر کو خاموش ہوئی اور پھر کہتی چلی گئی۔ "ہر مذہب امن کا پرچار کرتا ہے لیکن کون سا ایسا ملک ہے جس کی پہچان مذہب ہے اور وہ حالتِ جنگ میں نہیں۔ وکٹر بھی اس آگ کا ایندھن بننے چلا گیا ہے' تاریخ سے کسی نے سبق نہیں سیکھا۔ میں آج بھی وکٹر کو یاد کرتی ہوں حالانکہ مجھے اُس سے سخت نفرت کرنی چاہیے۔"

"تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا' نسرین؟" راحیلہ کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"کیا بتاتی' یہی کہ وہ اپنی صلاحیتیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے جا رہا ہے جنھیں میں پسند کرتی ہوں۔ میں کسی کرسچین لڑکی کے ساتھ رہ سکتی تھی لیکن میرے اور اس کے نظریات میں بہت فرق ہوتا--- اچھا نہیں کہ ہم اس موضوع پر بات ہی نہ کریں جو دُکھ دینے والی ہو' نفرت بڑھانے والی ہو۔ ہم کب یہ سمجھیں گے کہ ہم اِن کے مفاد کا ایندھن بن رہے ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہی نہیں ہے۔"

"میں بات جنید کی---"

"وہی نا وہ بھی شاید ایسا ہی مقصد اپنے دل میں چھپائے پھرتا ہے۔ اُس کا راستہ اور ہے نہ تم اُس کے ساتھ چل سکتی ہو اور نہ وہ تمہارے ساتھ آسکتا ہے۔ تم اُس سے کوئی آس مت لگا لینا ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔" آخری لفظ کہتے ہوئے نسرین کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جو ہوا کی مانند ہوتے ہیں اِن کا کوئی پتہ ٹھکانہ نہیں ہوتا اور وہ اپنے ہی کسی مقصد کی خاطر دُنیا جہاں بھلائے بیٹھے ہیں مگر کیا وہ لوگ پیار کے قابل نہیں ہوتے' کیا ایسا کوئی شخص ہمارے سامنے آجائے اور وہ شدید زخمی ہو تو کیا ہم اُس کی دیکھ بھال' علاج اور نگہداشت نہیں کریں گے' اُسے مرنے کے لیے چھوڑ دیں گے؟---نہیں' ایسے لوگ بھی انسان ہوتے ہیں اور اِن بے غیرت' منافق اور بے حس لوگوں سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں جو دوسروں سے فقط اپنے مفادات کی توقع رکھتے ہیں۔ میں تم سے کوئی مذہبی بحث نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی میرا یہ منصب ہے لیکن مذہب سے بڑھ کر سچائی کے لیے کوشاں رہنا بھی تو زندگی ہے' انسانیت کی بقا ہے ورنہ شیطانی قوتیں انسانیت کو کب کا ختم کر چکی ہوتیں۔ کیا ہم اخبار نہیں پڑھتے' کیا ہو رہا ہے ہمارے اِردگرد---؟" راحیلہ نے کسی حد تک جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

"تم جذباتی ہو گئیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ مذہب کے لیے جنگ لڑنا چاہیے یا نہیں' یہ ساری بحث میں فقط ایک سوال پر ختم کرتی ہوں کہ کیا خدا جنگ چاہتا ہے؟--- میں نے اپنے فادر سے بھی یہ سوال کیا ہے' وہ مجھے مطمئن نہیں کر سکے--- ہاں' سچائی کے لیے جدوجہد کرنا انسانیت ہے لیکن یہ نفرت سے نہیں' محبت سے--- یہ سارے لوگ کسے طاقت دکھا رہے ہیں' اپنے خدا کو کہ وہ اُس کے لیے مخلص ہیں۔ کسی کا گلا کاٹ دینے سے خدا خوش ہوتا ہے؟--- نہیں میں نہیں سمجھتی--- خیر یہ بڑی بڑی باتیں ہیں ہم جیسی بے یار و مددگار' کمزور اور مجبور لڑکیوں کو کبھی ہی نہیں چاہئیں۔ ہم کہیں گی تو ہمیں ملامت کی جائے گی جس طرح فادر نے مجھے ملامت کی تھی۔ میرے کہنے کا مطلب صرف یہی ہے کہ تم اپنے مستقبل کی فکر کرو۔" نسرین نے تیزی سے کہا۔

"کیا کروں میں اپنے مستقبل کی فکر---؟"

"جیسے میں نے سوچا ہے۔ میں یہاں سے فراغت لوں گی' نوکری کروں گی' اپنے پسند کا کوئی مرد تلاش کر کے اُس سے شادی کر لوں گی'

اُسے اور اپنے بچوں کو پالوں گی۔ پھر ایک وقت آئے گا میں مر جاؤں گی۔ بس یہی ہے ہم جیسے لوگوں کی کہانی جو ساری عمر سکتے ترستے اور گدھے کی طرح مزدوری کرتے ہوئے اپنی زندگی ختم کر لیتے ہیں۔"

نسرین نے گلوگیر لہجے میں کہا تو راحیلہ ایک دم سے چونک گئی، پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"تم مایوسی کی باتیں کر رہی ہو اور مایوس انسان مرنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے۔ تمہارے جسم میں ابھی زندگی ہمک رہی ہے۔ تم ماحول اور حالات میں خود کو دیکھ رہی ہو اور اسی طرح سوچتی ہو۔ ہم سے زیادہ زندگی اور موت کو کون سمجھ سکتا ہے، جن کے سامنے روزانہ کئی انسان اپنی زندگی ہارتے ہیں اور اس دُنیا کو چھوڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح روزانہ ہمارے سامنے ہی نوزائیدہ بچے اس دُنیا میں آکر سانس لیتے ہیں۔ اس کو بھی چھوڑ، صبح سے لے کر شام ہو جانے تک کتنے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے ہمارا، کتنے رویئے ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہر انسان اپنی ہی نگاہ سے ہمیں دیکھتا ہے۔ کیا لوگوں کی آنکھوں میں اُن کے ارادے نہیں پڑھ سکتی ہو، پھر بھی تم زندگی کو نہ سمجھنے کا گلہ کرو تو یہ تمہاری کوتاہی ہے ۔۔۔۔ کیا ہم ایسا ہی کرتے چلے جائیں جیسا دُنیا چاہتی ہے؟ ہمیں اپنے طور پر بھی زندگی جینے کا حق حاصل ہے، یہ بات تم کیوں نہیں سمجھتی ہو؟"

راحیلہ ایک دم سے ہی جذباتی ہو گئی تھی۔ اس پر نسرین پوری طرح اُٹھ کر بیٹھ گئی اور دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہم تو بات جنید کی کر رہے تھے، کہاں زندگی کے خارزاروں میں بھٹک گئے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر بولی۔ "میں یہ نہیں کہتی کہ تم جنید کی طرف نہ بڑھو۔ دل کے معاملات میں کوئی نصیحت، کوئی سرزنش یا پھر کوئی خوف اثر انداز نہیں ہوتا لیکن میں فقط تم سے اتنا ہی کہوں گی کہ اگر اس تعلق میں کوئی زخم مل جائے تو پھر کسی سے بھی گلہ مت کرنا کہ اس کی ذمہ دار تم خود ہو گی، پھر اس زخم کو ہرا رکھو یا اس پر مرہم لگاؤ وہ بھی تمہاری مرضی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو نسرین! میں ہی اس کی ذمہ دار ہوں گی ۔۔۔" اُس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور پھر تیزی سے بولی۔ "اچھا تم نے بہت سو لیا، بہت آرام کر لیا، تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، ہم دونوں ہی اس سے ملنے جائیں گی۔"

"نہیں میں نہیں جاؤں گی میری ڈیوٹی دوپہر کے بعد شروع ہوگی میں تبھی جاؤں گی ---- ہاں تمہارے لئے ناشتے کا بندوبست کرسکتی ہوں۔ پر اگر تم جانا چاہو تو چلی جاؤ۔" نسرین نے صاف جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تم کیوں نہیں جاؤ گی ---؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"اس کی بہت ساری وجوہ ہیں 'سمجھا کرو---"

یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ گئی۔ اُس کا رُخ باہر والے دروازے کی طرف تھا۔ راحیلہ چند لمحے سوچتے ہوئے وہیں بیٹھی رہی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نسرین کیوں نہیں جانا چاہتی --- کچھ نہ سمجھ آنے پر اس نے سر جھٹکا اور یونیفارم بدلنے کے لیے اُٹھ گئی۔ وہ ناشتے کے بعد جنید سے ملنا چاہتی تھی۔

☆☆

عالمگیر کی حالت خطرے سے باہر تھی اور اُسے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا لیکن ابھی تک اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ یہ ادویات کے زیر اثر سو رہا ہے' تھوڑی دیر میں ہوش آجائے گا۔ ذیشان اور جنید دونوں ہی اُس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اگرچہ ابتداء میں جب ذیشان نے جنید سے یہ کہا تھا کہ اگر عالمگیر ہوش میں آتے ہی قیادت کو مطلع کر دیتا ہے یا پھر سیکورٹی پر موجود شخص کے ہی بتا دیتے ہیں' پھر ان کی پوزیشن کیا ہوگی تو ایک لمحے کے لیے جنید پریشان ہو گیا تھا لیکن تھوڑی سی بحث کے بعد اس نے خود ہی قیادت کو بتا دیا تھا۔ تب اُسے یہی حکم ملا تھا کہ اس کی زندگی کے لیے پوری کوشش کی جائے' اس سے ابھی بہت سے کام لینے ہیں۔ اگر وہ مر گیا تو پھر سارے کام انہیں نمٹانے پڑیں گے۔ قیادت کی طرف سے حکم تو خاصا طویل تھا لیکن ان کا مدعا یہی تھا جسے سن اور سمجھ کر جنید کو بہت مایوسی ہوئی تھی۔ قیادت کو فقط اپنے کام سے غرض تھی' ایک مہرہ پٹ گیا تو دوسرا مہرہ آگے لے آیا جائے۔ بلاشبہ قیادت کو بھی اِس کے کالے کرتوتوں کے بارے میں علم تھا ورنہ ایسا سن کر وہ کسی کو تو سزاوار ٹھہراتے --- جنید جس قدر اِس پر سوچتا چلا جا رہا تھا' اُس کے سامنے نئے سے نئے پہلو واضح ہو رہے تھے۔ یہ بات تو طے ہے کہ کسی بھی تحریک یا تنظیم کو چلانے کے لیے سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کہاں سے آتا ہے؟ غرض اس ذریعہ سے نہیں بلکہ غرض اس سرمایے کے ساتھ آنے والے مفاد سے ہے۔ بلا جواز اور بلا مفاد کوئی بھی سرمایہ ضائع نہیں کرتا' دوسری صورت میں سرمایہ خود چھیننا پڑتا ہے۔ سرمایہ کسی بھی تحریک یا تنظیم کی رگوں میں دوڑنے والا خون ہوتا ہے' اگر وہی نہ رہے تو دل دھڑکنا بند ہو جاتا ہے اور دماغ کسی قابل نہیں رہتا۔ اُس نے ایک نگاہ عالمگیر پر ڈالی تو اُسے غصہ آنے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسے لوگ کسی گھناؤنی حرکت کے مرتکب ہو سکتے ہیں' کسی معصوم لڑکی کی زندگی برباد کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔ اُس نے اپنے طور پر سوچ لیا تھا کہ وہ اس معصوم لڑکی کی کسی حد تک ضرور مدد کرے گا۔ یہ بات اُس نے ابھی تک ذیشان سے شیئر نہیں کی تھی۔ یہی موقعہ اُسے ٹھیک لگا تو وہ بولا۔

"ذیشان! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ لڑکی جسے عالمگیر نے---"

"ہاں' بس اتنا معلوم ہے کہ اُنہوں نے نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی آر بہت مشکل سے لکھوائی تھی۔ پھر کچھ نہیں ہوا۔ سنا ہے کہ اُنہوں نے کسی وکیل سے رابطہ کیا ہے---"

"وکیل کے بارے میں جانتے ہو---؟"

"فاروق چوہدری ہے نام اُس کا اُسے ساری معلومات ہوں گی۔" ذیشان نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یارا جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ اُس نے تو اس کے لیے کچھ نہیں کرنا۔ تھوڑی بہت دلجوئی تو ہونی چاہیے۔ کم از کم اپنے ضمیر کو تو مطمئن کر لیں۔ ہمیں معلوم نہ ہوتا تو الگ بات تھی۔"

"نہیں تم ٹھیک کہتے ہو ہمیں ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" ذیشان نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر چند لمحے رُک کے وہ بولا۔ "جنید! کون کس وقت کیا ہو جائے، کسی کو کیا پتہ؟ ہم جو چند دن سے اپنا فیصلہ خود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ایک طرح سے یہ بھی تو تنظیم سے غداری ہے۔"

"اس فیصلے کے پیچھے کوئی ایسی بات تو نہیں ہے نا جس سے ہم انہیں نقصان پہنچائیں۔ قیادت سے ہمارا اختلاف ہو سکتا ہے یہ باتیں ہم بہت کر چکے ہیں۔" جنید نے پھر سے اپنی بات دُہرا دی۔

"نہیں میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ قیادت سے اختلاف ایک الگ ایشو ہے میں عالمگیر جیسے لوگوں کی بات کر رہا ہوں۔ ہماری اختلاف کی وجہ جو بھی رہی ہو ہم اپنا راستہ الگ کرنے کی سوچ رہے ہیں لیکن یہ لوگ تنظیم کے اندر تک اس طرح گھس جاتے ہیں کہ قیادت بھی ان سے بلیک میل ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ بجائے تنظیم چھوڑنے کے اس کی آڑ میں اپنا مطلب نکالتے ہیں۔"

"یہ سب کیسے ہو جاتا ہے جبکہ ہمارا مقصد بہت اعلیٰ وارفع ہے اس میں اس طرح کی گنجائش نہیں ہے۔" جنید نے یوں کہا جیسے احتجاج کر رہا ہو۔

"بہت سارے راستے ہیں۔ باقاعدہ فورسز ایک مکان کی طرح ہوتی ہیں جہاں اندر داخل ہونے، باہر نکلنے اور اس مکان میں رہنے کے اصول اور قاعدے ہوتے ہیں لیکن تنظیمیں تو ایک کھلا میدان ہوتی ہیں، جس میں جب جی چاہے کوئی آئے اور جب جی چاہے کوئی چلا جائے۔ پھر بنیادی طور پر کب کوئی حامی ہے، کون کتنا دشمن بن جائے گا، اس کا بڑا چانس ہوتا ہے۔ بس یہی ایک خامی یا خوبی ہوتی ہے جس پر کوئی تنظیم ختم ہوتی ہے یا زیادہ دیر تک چلتی ہے، صرف تربیت میں کمی ہوتی ہے ورنہ عام فورسز سے زیادہ ان میں جان قربان کر دینے کا جذبہ ہوتا ہے۔"

ذیشان نے اُسے دھیرے دھیرے سمجھاتے ہوئے کہا۔ یہ ساری باتیں اُس کے گمان میں بھی تھیں لیکن یوں جیسے دُھندلی ہوں---- وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کافی دیر تک یونہی بیٹھے رہنے کے بعد بولا۔

"اگر یہ گیا تو----؟"

"میرے خیال میں یہ ابھی خطرے سے باہر ہے، کچھ نہیں ہوگا اسے---- یہاں سے چلا جائے تو پھر ہماری ذمہ داری نہیں ہوگا۔" ذیشان نے اُسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ اس پر جنید کچھ نہیں بولا تو ذیشان نے مزید کہا۔ "تم آج ہی اس وکیل سے ملنا میرا مطلب ہے فاروق چوہدری سے اُس سے ہی لڑکی کے بارے پتہ چلے گا۔"

"ٹھیک ہے میں آج ہی کسی وقت اُس سے مل لوں گا اور اُس لڑکی کا پتہ کروں گا----"

جنید نے پورے خلوص سے کہا اور پھر سوچنے لگا کہ وہ ایسا کیونکر اور کیسے کر پائے گا؟۔۔۔ دونوں کے درمیان خاموشی در آئی تھی۔ کتنے ہی لمحے یونہی گزر گئے۔ تب اچانک عالمگیر کسمسایا۔ وہ دونوں تیزی سے اُس کی جانب بڑھے۔ دھیرے دھیرے اُسے ہوش آتا چلا گیا۔ جنید نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا۔ اس دوران ذیشان اسی کے پاس رہا۔ ڈاکٹر نے آ کر اُسے اچھی طرح دیکھا اور پھر بولا۔

"مریض خطرے کی حالت سے باہر ہے۔ اب ایسی کوئی ڈرنے والی بات نہیں ہے' بس احتیاط بہت ضروری ہے۔ آکسیجن ابھی لگی رہے گی اُمید ہے شام تک اُتار دیں گے اور ہاں مریض سے زیادہ بات کرنا منع کرنا ہے۔۔۔"

ڈاکٹر نے ہدایات دیں' چارٹ پر کچھ لکھا اور وہاں سے چلا گیا۔ تب جنید نے غور سے عالمگیر کی طرف دیکھا۔ عالمگیر کی آنکھوں میں نفرت اُبل رہی تھی۔ جیسے اُس کے بس میں ہو تو وہ ابھی اُسے ختم کر دے۔ جنید اُسے یوں دیکھتا پا کر دھیرے سے مسکرا دیا۔ انہی لمحات میں عالمگیر نے آکسیجن ماسک ہٹا کر اُسے کچھ کہنا چاہا۔ چہرے کے تیوریوں سے اندازہ بھی تھا کہ وہ اُسے کوئی غلط بات ہی کہنا چاہتا ہو گا لیکن غرا کر رہ گیا۔ ذیشان نے فوراً اُس کے ماسک لگایا تو اُس نے پھر سے اُتار دیا۔ جیسے کوئی گالی اُس کے حلق میں اٹک گئی ہو اور دیے بغیر اُسے چین نہ آ رہا ہو۔ اسی کشمکش میں دو تین منٹ گزر گئے تو جنید نے آگے بڑھ کر ذیشان کو پرے کیا اور خود ماسک لگانا چاہا جسے اُس نے ہاتھ مار کر نفرت سے الگ کر دیا۔ اس پر جنید کو غصہ آ گیا۔ اُس نے فوراً ریوالور نکالا اور اس کے منہ پر رکھتے ہوئے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

"ماسک لگاتا ہے یا ابھی گولی تیرے حلق کے پار کروں۔۔۔ بہت شوق ہے نا' تجھے مرنے کا' میں مار دوں؟"

اچانک پھر سے موت کو سامنے دیکھ کر عالمگیر ڈھیلا پڑ گیا۔ اس نے مزاحمت چھوڑ دی' تب جنید نے ماسک اس کے منہ پر لگا دیا۔ ابھی وہ ایسا کر ہی رہا تھا کہ اُسے احساس ہوا جیسے کوئی کمرے کے دروازے پر کھڑا ہے۔ جنید نے مڑ کر دیکھا۔ دروازے کے درمیان میں راحیلہ کھڑی اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی یوں جیسے یہ منظر دیکھ کر وہ ساکت ہو گئی ہو۔ جنید نے ماسک لگایا اور ذیشان سے بولا۔

"اسے سنبھالنا ذرا' کوئی گڑبڑ کرے تو گلا دبا دینا بے غیرت کا۔۔۔"

یہ کہہ کر اُس نے ریوالور اڑسا اور راحیلہ کے پاس آ گیا۔ چند لمحے اس کے چہرے کو یکتا رہا جیسے کچھ پڑھ رہا ہو۔ پتہ نہیں اُسے کوئی تحریر ملی بھی یا نہیں' وہ باہر کی طرف نکلتا ہوا بولا۔

"آؤ' باہر چل کر بات کرتے ہیں۔"

وہ دونوں چلتے ہوئے باہر لان میں آ گئے' جہاں پہلے ہی بہت سارے لوگ تھے۔ کافی دیر بعد اُن میں خاموشی ٹوٹی۔ راحیلہ نے دھیمے سے لہجے میں پوچھا۔

"آپ اُسے کیوں مار رہے تھے؟" اُس کے لہجے میں خوف تھا۔

"اُسے۔۔۔ اُسے تو بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا۔ میں اَب بھی اُسے مار دینے کے حق میں ہوں مگر۔۔۔" جنید نے تحمل سے کہا۔

"مگر کیا۔۔۔؟" وہ تجسس میں بولی۔

"کچھ نہیں---" جنید نے تیزی سے کہا' پھر چند لمحے ٹھہر کر پوچھا۔ "تم کیوں آئی ہو؟--- مجھے فون کر لیا ہوتا۔"

"میں بس یونہی آ گئی تھی۔ سوچا' آپ کے مریض بارے پوچھ آؤں---" اس نے گھبراتے ہوئے بہانہ بنایا' پھر بات بدلتے ہوئے بولی۔ "ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔ آپ کا لہجہ بتا رہا ہے کہ آپ اس سے نفرت کرتے ہیں لیکن اس کی جان بچانے کے لیے ہسپتال بھی لائے ہوئے ہیں یہ---ایسا کیوں---؟"

"تم نہیں سمجھ پاؤ گی۔" اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"چلیں چھوڑیں--- یہ بتائیں کہ آپ کا مریض زخمی کیسے ہو گیا تھا اور آپ بدحواس سے--- میرا مطلب ہے آپ اس کی---"

اس نے جھجکتے ہوئے بات نامکمل چھوڑ دی۔ جس پر جنید نے راحیلہ کے چہرے کی جانب دیکھا اور پھر دھیرے سے لہجے میں بولا۔

"اُسے میں نے گولی ماری ہے---میں اُسے جان سے مار دینا چاہتا تھا لیکن یہ بچ گیا ہے تو میں نے اُسے مارنے کی بجائے کچھ اور سوچ لیا ہے۔"

"کیوں---آپ کیوں مارنا چاہتے تھے اُسے---؟" راحیلہ نے شدید حیرت سے کہا۔

"اس نے کسی کی عزت پامال کی تھی میں چاہتا ہوں کہ---چھوڑو میں جو بھی چاہتا ہوں۔ تم بتاؤ تم کیوں آئی ہو؟" اس نے اپنی بات درمیان میں چھوڑ کر اس سے پوچھا۔

"بتایا نا میں آپ کے مریض کو دیکھنے آئی تھی---" راحیلہ نے جیسے یاد دلایا۔

"دیکھ لیا---؟" جنید نے حتمی انداز میں پوچھا۔

"ہاں' دیکھ لیا---ایک کام اور بھی تھا آپ سے---" راحیلہ ایک لمحے میں فیصلہ کرتے ہوئے تمتماتے چہرے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے' تمہیں کام ہے---کیا کام ہے؟" جنید نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کہیں سکون سے بیٹھ کر بات سننے کا وقت دیں میں اطمینان سے آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔"

اس نے کہا تو جنید سوچ میں پڑ گیا' پھر چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

"اگر آج تم کہو تو سوری' مجھے کورٹ جانا ہے۔ شام کے وقت---"

"میری ڈیوٹی ہو گی۔ چلیں کل اسی وقت میں آپ کا یہیں انتظار کروں گی۔ پھر کہیں بھی بیٹھ کر بات کر لیں گے۔" راحیلہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے---"

جنید نے وعدہ کر لیا تو راحیلہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی' پھر اُسے خدا حافظ کہہ کر واپس پلٹ گئی۔ جنید وہیں کھڑا چند لمحے سوچتا رہا'

پھر وہ بھی دھیمے قدموں سے چلتا ہوا کمرے کی جانب چل پڑا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اُسے کیوں ملنا چاہتی ہے؟

☆☆

فارم ہاؤس کی اوپری منزل پر کمرہ انتہائی جدید انداز میں سنوارا گیا تھا۔ صفیہ نے جیسے ہی اس کمرے میں قدم رکھا' ایک لمحے کے لئے وہ حیرت میں ڈوب گئی۔ پھر فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ تیمور آگے بڑھا اور اس نے ریشمی پردے سرکا دیئے' دور تک کا منظر کھڑکی سے عیاں ہو گیا۔ سبز کھیت' ہرے بھرے شاداب درخت' بہتی نہر کے ساتھ کراس کرتی ہوئی سڑک' کھیتوں میں کام کرنے والے لوگ، مویشی، ٹیوب ویل، چھوٹے کھال اور اُڑتے ہوئے پرندے، اُسے یہ منظر بہت خوبصورت لگا تھا۔ وہ جو ایک لمحے کے لیے ویسٹرن سٹائل میں سجے کمرے کو دیکھ کر مبہوت ہوئی تھی' اپنے دیس کے اس دیہاتی منظر نے اُسے اعتماد بخش دیا تھا۔

''اس کمرے کا سارا سامان میں یورپ سے لایا تھا' بس فرنیچر یہاں سے بنوانے میں بڑی محنت کرنا پڑی تھی۔'' تیمور نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تیمور! میں پچھلی بار جب آئی تھی اور اس دفعہ بھی آئی ہوں' یہاں آتے ہی تم تھوڑا جذباتی نہیں ہو جاتے ہو' جیسے اس جگہ تمہارا ماضی سانس لے رہا ہو؟'' صفیہ نے تجسس سے پوچھا۔

''کہہ سکتی ہو یار۔۔۔!'' تیمور نے فوراً ہی اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ پھر چند لمحے سوچ کر بولا۔ ''لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے' ہر دھرتی کی مٹی اور وہاں کی ہوا میں اپنی الگ تاثیر ہوتی ہے۔ میں تقریباً چار سال تک رچڈل میں رہا ہوں لندن' بریڈفورڈ مطلب وہاں میں گھومنے پھرنے کم اور دُنیا کو دیکھنے زیادہ گیا تھا۔ چین زیادہ رہا ہوں۔ یہ سب اپنے مزاج کے ہیں' میرا ملک اپنے مزاج کا ہے۔ بہت سارے لوگ آتے جاتے ہیں لیکن میرے خیال میں بہت کم لوگ ایسے فرق کو محسوس کرتے ہوں گے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی یادوں کے ساتھ تو نہیں گزاری جا سکتی نا! ایک اجنبی دیس کا ماحول تم دوسرے ملک میں پیدا کرنے کی کوشش کرو تو اس میں سکون نہیں ہوتا' تشنگی بہر حال رہے گی۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو صفو! پہلے پہل مجھے جنون تھا کہ یہاں اگر میں وہاں کی طرز پر کوئی عمارت بناؤں گا تو نہ صرف میری خواہش پوری ہو گی بلکہ ایک طرح سے انفرادیت بھی ہو گی لیکن بہت بعد میں مجھے یہ احساس دلایا گیا کہ ایسا احساسِ کمتری کی وجہ سے بھی ہوتا ہے حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ مجھ میں کسی قسم کا کمپلیکس پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان کے لاشعور میں یہ سب چھپا ہوا ہو۔۔۔''

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ صفیہ جواباً کچھ کہتی فارم ہاؤس کے ملازمین جوڑے نے دروازہ کھولا اور لوازمات کے ساتھ پرتکلف چائے لے آئے۔ کچھ دیر برتنوں کی کھنکھناہٹ رہی' پھر وہ چلے گئے۔ تیمور اس کے پاس صوفے پر آ بیٹھا۔ صفیہ چائے بناتے ہوئے بولی۔

''میں سمجھتی ہوں' تیمور! کہ انسان کے کچھ خواب ہوتے ہیں' جنہیں وہ پورا کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ خواب شدید خواہش میں بدل جاتے ہیں۔ انسان کو یوں لگتا ہے کہ اگر اس کے یہ خواب پورے نہ ہوئے تو شاید ادھورا رہ جائے گا۔ لاشعوری طور پر وہ ان خوابوں کو اپنا مقصد بنا

لیتا ہے ---- مطلب پوری طرح اِن خوابوں میں کھو جاتا ہے۔"

"ہاں ایسا ہوتا ہے میں نے اپنے ایک ٹیچر سے سنا تھا کہ یہ اِنسان ہی ہے جو خواب دیکھتا ہے دوسری اور کوئی مخلوق خواب نہیں دیکھتی۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"یہ کیسے ممکن ہے اور ہمیں کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ کوئی اور مخلوق خواب نہیں دیکھتی؟" وہ حیرت سے بولی۔

"اِس سے متعلق وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اِنسان ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ غار کی زندگی سے نکل کر اِس جدید دور میں آ گیا ہے کس وجہ سے؟ --- ایک تڑپ تھی اس کے اندر اور وہ تڑپ کس شے سے پیدا ہوتی ہے؟ یہ خواب ہی ہوتے ہیں نا جو اِنسان کو آگے ہی آگے بڑھتے رہنے پر مجبور کرتے ہیں جبکہ دوسری مخلوق ابھی تک اس ڈگر پر چل رہی ہے۔"

"خواب تو بہت اہم ہوئے نا پھر ---" صفیہ نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ تیمور کی جانب بڑھا دیا۔

"ہاں --- لیکن یہ ایک مغربی خیال ہو سکتا ہے۔ وہ اسے خواب یا "ڈریم" کہتے ہیں۔ میں نے اِسی تھیوری کو یہاں کے ایک صاحب سے ڈسکس کیا تو پتہ مجھے اِک نئی بات معلوم ہوئی۔ انہوں نے یہ کہا کہ خواب پیدا ہونے کی وجہ خیال ہے۔ جب خیال ذہن میں آتا ہے تو پھر بہت ساری صورتوں میں ڈھل جاتا ہے۔ خواہش ارادہ خواب اُمید اور نجانے کیا کیا۔ مثلاً تاج محل کا وجود میں آنا ایک خواب نہیں خیال ہے۔ ممتاز محل سے شاہ جہاں کی محبت اس عمارت کا ناٹک ہے۔ اِسی خیال نے پھر کتنے ہی رُوپ دھارے یہ ساری دُنیا کے سامنے ہے اور تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ اِسی طرح بہت ساری مثالیں دی جا سکتی ہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے چائے کا سپ لیا اور اس کی جانب دیکھنے لگا جو اپنے لیے چائے بناتے ہوئے گہری سوچ میں تھی پھر سر اٹھاتے ہوئے بولی۔

"یہ خیال کہاں سے آتا ہے یہ نہیں بتایا اُن صاحب نے ---؟" اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اُس کی مجھے اتنی سمجھ نہیں آئی لیکن اُن کا کہنا تھا کہ جس طرح بارش برستی ہے بالکل اِسی طرح خیال آتے ہیں جو اِنسان کی مطابقت سے اپنی ہیئت تبدیل کرتے ہیں۔ خواہش وہم اُمید خوشی اور نجانے کیا کچھ اور پھر اِنسان اِسی طرح چلتا ہے۔ جیسے بارش کا قطرہ زمین پر گرنے سے قبل تک بالکل خالص ہوتا ہے اور جیسے ہی وہ زمین پر گرتا ہے تو اُسے جس طرح کی زمین میسر آئے اِسی طرح کا ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی اِنسان کے ساتھ ہے۔" تیمور نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھیں؟" صفیہ نے صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کوئی ریسرچ نہیں کی بس اچھے لوگوں کے پاس بیٹھنے کا اثر ہے کہ اُن کی باتیں ذہن میں رہ جاتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے جیسے اُسے یاد آیا فوراً ہی بولا۔ "ایک اور بات بھی ہے جو مجھے بڑی عجیب سی لگتی ہے۔ یہاں کے دانشور قسم کے لوگ جب اپنی کسی کمزور بات کو سہارا دینے کے لیے یورپ اور امریکہ کی بات کرتے ہیں کہ اِن کے مقابلے میں یہاں یوں ہے یا وہاں پر ایسے ہو رہا ہے تو یہاں یہ ہے وغیرہ وغیرہ تو یقین جانو

ان پر ہنسی آتی ہے۔ جمہوریت کی خاص طور پر بات کرتے ہیں۔ کسی بھی دو اشیاء کے تقابل کے لیے ان کا ایک جیسا ہونا بہت ضروری ہے۔ ہم سوچتے ضرور ہیں لیکن اس کی سمت درست نہیں ——" تیمور نے تیزی سے کہا اور ایک بسکٹ اُٹھالیا۔

"خیر بات کہیں اور طرف نکل گئی میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

صفیہ نے سیدھے ہوتے ہوئے محتاط انداز میں کہا تو تیمور نے غور سے اُس کی طرف دیکھا اور انتظار کرنے لگا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ چند لمحے یونہی گزر گئے تو وہ بولی۔

"پچھلی بار جب میں یہاں آئی تھی تو ہمارے درمیان کچھ باتیں ہوئیں تھیں۔"

"مثلاً کون سی؟ یاد تو دلا دو ——" ہنستے ہوئے بولا۔

"تم نے کہا تھا کہ ابھی ہم اچھے دوستوں کی طرح انجوائے کریں گے شادی وغیرہ کا چکر ابھی نہیں ہوگا۔" وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔

"آف کورس —— مطلب' تم چاہ رہی ہو کہ ابھی ہم شادی کے لیے جلدی نہ کریں تو اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" تیمور نے تیزی سے کہا۔

"اور میرے خواب جو میں پورا کرنا چاہتی ہوں' کیا تم اس میں میری مدد کرو گے۔ تب تک میرا انتظار کرو گے؟"

"کیوں نہیں' صفو! میں تمہارا انتظار کروں گا بلکہ یہ انتظار بھی تو بے معنی سا لگتا ہے۔ ہم پاس پاس ہیں' جب چاہتے ہیں' مل لیتے ہیں' بات کر لیتے ہیں۔ اتنی دوری نہیں ہے اور رہی تمہاری مدد کی بات تو میں تمہارے لیے کچھ نہیں کروں گا تو پھر اور کس کے لیے کروں گا؟"

"یہ ہوئی نا بات ——" وہ یکدم خوش ہوگئی جیسے اُسے اپنی من کی مراد مل گئی ہو۔

"یہ اچھا ہے' کم از کم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہمیں بہت سارا وقت مل جائے گا۔ ہماری جو خوبیاں ہیں یا خامیاں' ایک دوسرے پر واضح ہو جائیں گی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اپنے آپ کو بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کر سکتے ہیں' یوں شادی کے بعد ہم بھرپور لائف انجوائے کر سکیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"بہت شکریہ تیمور! تم نے مجھے سمجھا ——" صفیہ نے اُس کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کم آن یار! ایک ہی تو مجھے لڑکی پسند آئی ہے اور میں اس کے بھی نخرے برداشت نہ کروں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا تو صفیہ جھینپ گئی۔ پھر بات بدلتے ہوئے بولی۔

"تیمور! ہم کتنی جلدی ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں تو مجھے یہ سب کچھ خواب سا لگتا ہے۔ میں اگر اس دن تابندہ کی بہن کی شادی میں نہ جاتی یا تم ہی کسی وجہ سے نہ آ سکتے تو کیا ہمارے ملنے کا چانس تھا؟ —— اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا آج ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ——" وہ خواب ناک انداز میں بات کر رہی تھی جس پر تیمور نے سنجیدگی کے ساتھ حتمی لہجے میں کہا۔

"نہیں' ہر بات اتفاق سے نہیں ہوتی۔ بہت سارے واقعات ماضی سے جڑے ہوتے ہیں اور انہیں کسی نہ کسی منطقی انجام تک پہنچنا ہوتا

ہے۔ بالکل اسی طرح کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جو مستقبل میں کسی واقعے کی بنیاد بنتے ہیں جنہیں ہم اتفاق کا نام دیتے ہیں۔ اگر ہم بہت غور کریں تو ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہ اتفاقات یوں لگتے ہیں جیسے یہ پہلے سے طے شدہ ہوں۔ کسی بھی معاملے کو بہت غور سے دیکھ لو۔"

"یہ تھیوری بھی تمہیں کسی نے سمجھائی ہوگی؟"

صفیہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو اس پر تیمور بھی دل کھول کر ہنسا اور اسی مسکراہٹ میں اُس نے کہا۔

"یار انداق اپنی جگہ لیکن ایسی باتیں جو دل کو چھو جائیں اور وہ اچھی لگیں تو کم از کم انہیں یاد ضرور رکھ لینا چاہیے۔ وہ آپ کی عقل کو بہر حال بڑھاتی ہیں۔۔۔ اب دیکھو ہم نے اتنی باتیں کی ہیں، میں اگر اس کے مقابلے میں یہاں پر پڑی ہوئی فارن اشیاء کے بارے میں باتیں کروں تو کیا تمہیں بوریت کا احساس نہیں ہوگا؟" تیمور نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اگر اس پر بات کرو دُنیا کے کسی موضوع پر بھی بات کرو مجھے اچھا لگے گا میں کبھی بوریت محسوس نہیں کروں گی۔" صفیہ خمار آلود لہجے میں بولی۔

"تیمور چند لمحے اُس کی طرف حیرت اور پیار سے دیکھتا رہا پھر یکدم ہنستے ہوئے بولا۔ "اب میں سمجھا شادی سے پہلے میں جیسی بھی باتیں کروں تم سنو گی اور بور نہیں ہوگی مگر شادی کے بعد فقط تم بولو گی اور میں سنوں گی۔ وہ کہتے ہیں نا کہ بیوی اور ٹی وی۔۔۔"

"تیمور! میں نے اتنی رومانٹک بات کی جس کا تم نے حلیہ بگاڑ دیا۔" وہ مصنوعی غصے میں بولی۔

"تیمور کا قہقہہ بلند ہو گیا پھر بولا۔ "آؤ میں تمہیں فارم ہاؤس دکھاؤں۔ اس دن تمہیں دیر ہو گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔"

صفیہ نے کہا اور اُٹھ گئی وہ ہر حال میں اُسے خوش رکھنا چاہتی تھی۔۔۔ دونوں فارم ہاؤس دیکھنے کے لیے کمرے سے نکل گئے۔

☆☆

ہمایوں ٹھیک وقت پر عدالت پہنچ گیا تھا۔ اس وقت تک سردار اقبال اپنے چیمبر میں نہیں آئے تھے۔ پہلے دن کا تجربہ اُسے بہت اچھا لگا تھا اور وہ بھی اُن کے دیئے ہوئے کام میں مصروف ہو گیا۔ عابد کی اس کے ساتھ اچھی خاصی شناسائی ہو گئی تھی۔ دوپہر سے ذرا پہلے تک اُنہوں نے بہت سارا کام نمٹا لیا تھا اس لیے گپ شپ کے دوران عابد نے یونہی سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"کہیں تھک تو نہیں گئے ہو؟"

"نہیں یار! میں کون سا پہاڑ اچھال رہا ہوں۔" ہمایوں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کام پہاڑ اچھالنے سے کیا کم ہے۔ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کرنا تمہارے خیال میں ایسے ہی ہو جاتا ہے؟۔۔۔ میری جان! دانتوں پسینہ آ جاتا ہے دماغ کی چولیں ہل جاتی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں یہ تو ہے۔۔۔ کبھی کبھی تو یوں لگتا ہے یار کہ یہاں جنگل کا قانون ہے جو بہت طاقتور ہے۔۔۔"

"یہ کیسی غیر وکیلانہ گفتگو کر رہے ہو۔ ایسے خیالات اگر تمہارے ذہن میں ہیں تو انہیں نکال باہر پھینکو ہمارا ایسے خیالات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہماری تو یوں سمجھو کہ دوکانداری ہے۔ ہمارے نزدیک ہر شخص معصوم ہے۔ اس کی تائید تو قانون بھی کرتا ہے۔ طوائف اور بے گناہ معصوم لڑکی دونوں برابر ہیں جب تک کہ ان پر ثبوت کے ذریعے کوئی قانون لاگو نہ ہو جائے۔ عدالت ثبوت مانگتی ہے۔ جس کے بل بوتے پر ہی وہ فیصلہ کرتی ہے۔ جان لو کہ ملزم اس وقت تک مجرم نہیں ہوتا جب تک اس پر جرم ثابت نہ ہو جائے۔ یہاں پر آنے والا ہر بندہ خود کو بے گناہ ظاہر کرتا ہے۔" عابد نے اُسے اچھی بھلی سرزنش کر دی۔

"قانون تو انسانوں کے لیے ہوتے ہیں' قانون کے لیے انسان تو نہیں ہوتے۔ ہماری سماجی زندگی میں جب ایسے معاملات ہوں گے کہ جنہیں ثبوت ختم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو پھر یہ سماج---"

"میں نے کہا نا' یہ ہمارا معاملہ نہیں ہے۔ قانون تبھی حرکت میں آتا ہے' جب جرم ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ لاقانونیت ہونی چاہیے' ایسا نہیں ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ سماج کے ان راستوں کو بند کیا جائے جہاں سے جرائم کو حوصلہ ملتا ہے۔ جب قانون شکنی کرنے والے زیادہ ہوں طاقتور بھی ہوں تو قانون بیچارے کی کیا بساط---؟" عابد نے طنزیہ انداز میں کہا' پھر سامنے پڑے کاغذات کو سمیٹتے ہوئے بولا۔ "آؤ چلو آج بحث ہے---"

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک عدالت کے سامنے کھڑے تھے۔ جہاں کچھ دیر بعد بحث ہونے والی تھی۔ ہمایوں کو وہاں کھڑے ابھی تھوڑا سا وقت ہوا تھا اور اُسے یوں انتظار کرنا بور لگا تھا۔ وکیل' منشی' مدعی' ملزم سب کھڑے تھے اور ابھی جج صاحب کرسی انصاف پر براجمان نہیں ہوئے تھے۔ تبھی اُس نے تلخی سے سوچا کہ انصاف کا حصول بھی کس قدر مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے اُس نے اِردگرد دیکھا۔ تبھی اُسے سامنے ایک شناسا چہرہ دکھائی دیا۔ چند لمحے تک اُسے سمجھ نہ آسکی کہ اس نے کہاں دیکھا ہے یہ چہرہ؟ وہ اُسے غور سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ پھر اچانک ایک جھماکا ہوا۔ اُسے حوالات کی وہ رات یاد آگئی جب اُس پر تشدد کیا گیا تھا اور وہ شخص بھی وہیں تھا۔

"مرد بن اوئے مرد---!" بازگشت کی طرح یہ فقرہ اُس کے کانوں میں گونج گیا۔ اُس نے پھر اس فقرے پر غور کیا' وہ پھر سے اُس کے کان میں بجنے لگا۔ "مرد بن اوئے' مرد' جو کہا ہے اس پر قائم رہ---چار دن ہو گئے ہیں مجھ سے ایک بات بھی نہیں منوا سکے ہیں۔"

جیسے ہی اُسے پوری بات یاد آئی' اُس نے عابد کی پرواہ ہی نہیں کی اور تیر کی سی تیزی کے ساتھ اس لڑکے کی جانب بڑھا اور گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ ہمایوں اس کے چہرے پر دیکھ رہا تھا جس پر حیرت' غصہ اور تجسس کے تاثرات تھے پھر چند لمحوں بعد ہی اس کے چہرے پر سے وہ سارے تاثرات ختم ہو گئے' وہاں پر شناسائی اُتر آئی۔

"تم---؟" اُس نے خاصی حیرانگی سے کہا جیسے اس کا یوں مل جانا اچنبھے کی بات ہو۔

"پہچان لیا مجھے---؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"تم وہی ہو نا جسے وہ سب انسپکٹر اس رات لے کر آیا تھا آئس کریم والے کے ساتھ---؟"

جنید نے مزہ لیتے ہوئے پوچھا تو ہمایوں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس پر جنید نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اُسے یہ ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔

"آؤ' ادھر آؤ' بیٹھتے ہیں---" ہمایوں نے جلدی سے کہا اور کینٹین کی جانب بڑھ گیا جہاں رش نہیں تھا' دو خالی کرسیوں پر بیٹھ کر اس نے ٹھنڈا بھجوانے کا کہہ دیا۔

"تو یہاں کیا کر رہا ہے--- یہ کالے کوٹ سے تو لگ رہا تھا کہ تو وکیل ہے تو پھر وہ---؟" جنید نے تجسس سے پوچھا۔

"میں وکیل ہی ہوں' نتیجہ آ جائے گا تو پھر باقاعدہ وکیل بن جاؤں گا اور اس رات---"

یہ کہہ کر اس نے انتہائی اختصار سے وہ بات بتا دی۔ جنید نے پوری سنجیدگی اور خاموشی سے سنا' اس دوران ٹھنڈا بھی آ گیا جسے دھیرے دھیرے سپ لیتے ہوئے وہ پیتے رہے۔ سب کچھ سن کر اس نے کہا۔

"ہوں' یہ اس انسپکٹر کے بچے نے بدمعاشی دکھائی ---- خیر' یہ تو چلتا ہے ہمارے معاشرے میں۔ ہماری اس پولیس کا فلسفہ ہی یہی ہے کہ عوام پر ظلم کرو' اسے دبا کر رکھو اور چند خاندانوں کو جو اس ملک کی تقدیر کے فیصلے کرتے ہیں' انہیں تحفظ فراہم کرو---" جنید نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"---- اور تم ---- تم کیوں وہاں تھے اور اب یہاں --- کیا معاملہ ہے؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"میں وہاں کیوں تھا! اسے چھوڑو۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے' پھر کسی وقت سناؤں گا---- یہاں میں ایک وکیل سے ملنے آیا تھا' اس سے تھوڑا کام تھا۔"

"کام ----؟" ہمایوں نے وضاحت چاہی۔

"بس تھا' یار ----!" یہ کہہ کر اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔ "---- ویسے تم نے اُس سب انسپکٹر کے بارے میں کوئی کارروائی نہیں کی؟"

"کہاں' یار! میرے جیسے لوگ' غریب غرباء کچھ نہیں کر سکتے ---- پہلے تو میری کسی نے سنی ہی نہیں تھی' پھر کیا پولیس والے اپنے ساتھی کے خلاف کوئی کارروائی کرتے؟ اُلٹا مجھے ہی حوالات میں رہنا پڑتا اور پٹائی الگ سے ہوتی ---- ہم جیسے غریبوں کے لیے ممکن نہیں ہے' ہم حوصلہ ہی نہیں کر سکتے۔ اپنی عزت بچائیں' روٹی پوری کریں یا ان سے لڑائی لیں۔ ہم افورڈ ہی نہیں کر سکتے' یار ----!"

"کیوں نہیں کر سکتے --- کیا تمہارے دو ہاتھ نہیں ہیں' ان میں جان نہیں ہے؟" جنید نے تیزی سے کہا۔

"سب کچھ ہے لیکن کیا میں اپنے گھر والوں کو بھول جاؤں؟ --- ہاں' میں بھی دولت مند ہوتا تو کئی ایسے سب انسپکٹر کو خرید کر اپنی جیب میں رکھتا جیسے میں نے کل یہاں ماجد وڑائچ کو دیکھا ہے۔ وہ ---"

"کیا ---- کیا کہا تم نے' ماجد وڑائچ ----؟" جنید نے انتہائی حیرت سے تیزی کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں، کل ہی --- مَیں نے کل اُسے دیکھا ہے۔" ہمایوں نے عام سے انداز میں کہا۔

"تم جانتے ہو اُسے ---؟" جنید نے اسی لہجے میں پوچھا اور ہاتھ میں پکڑی خالی بوتل رکھ دی۔

"نہیں، میرا کولیگ اُسے جانتا ہے، اسی نے مجھے بتایا تھا، پر تم اتنا تجسس کیوں کر رہے ہو؟" ہمایوں نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے پوچھا تھا کہ مَیں پولیس کے پاس کیوں تھا صرف اسی کی وجہ سے --- تفصیل تمہیں بعد میں بتاؤں گا، کیا تم اُس کے بارے میں معلومات دے سکتے ہو؟" جنید نے انتہائی سرد لہجے میں پوچھا۔

"مَیں اُسے نہیں جانتا۔ بتایا ہے نا عابد جانتا ہے۔ مَیں نے تو کل اُسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔" ہمایوں نے صاف لفظوں میں اُسے بتا دیا۔

"دیکھو --- کیا نام ہے تمہارا ---؟" جنید نے پوچھا۔

"ہمایوں ---" اُس نے اپنا نام بتایا۔

"ہمایوں، میرا نام جنید ہے۔ تم اگر اس شخص کے بارے میں کنفرم اطلاع دے دو عابد کو احساس ہوئے بغیر تو مَیں تمہیں ایک لاکھ روپیہ دے دوں گا۔" وہ تیزی سے کہتا چلا گیا۔

"ایک لاکھ ---؟" ہمایوں حیرت سے بولا۔

"ہاں --- اگر معلومات زیادہ ہوں تو اس سے بھی زیادہ --- بولو، کیا کہتے ہو؟" جنید نے پوچھا تو ہمایوں خاموش ہو گیا۔ جنید نے اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے مزید کہا۔ "دیکھو، سوچ لو اور یہ میرا نمبر لے لو۔ اگر جواب ہاں میں ہوا تو مالا مال کر دوں گا۔ یہ جو تو غربت کے رونے روتا ہے نا، یہ نہیں ہوں گے۔"

"جنید! مَیں یونہی وعدہ نہیں کرتا، کنفرم ہوا تو مَیں تم سے شیئر کروں گا۔ اگر وہ مجھے یہاں دکھائی دیا تو مَیں تمہیں بتا دوں گا۔" وہ قدرے بے چارگی سے بولا۔

"ٹھیک ہے --- وہ کل کیوں آیا تھا، کس کے پاس آیا تھا، تم یہیں سے شروع کر سکتے ہو۔" جنید نے کہا۔

"وہ میرا کام ہے، لاؤ نمبر ---"

ہمایوں نے اُس کا موبائل پکڑا، اپنے نمبر ملائے اور فیڈ کر لیے۔ پھر تھوڑی دیر تک وہ وہاں بیٹھے رہنے کے بعد اُٹھ گئے۔ جنید نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہمایوں نے اُسے روک دیا۔

"نہیں رہنے دو، مَیں دے دیتا ہوں۔ تم مہمان ---"

"تم ہی دینا ---" یہ کہہ کر اُس نے جیب سے چند بڑے نوٹ نکالے اور اُسے دیتے ہوئے بولا۔ "یہ رکھو، تمہارے کام آئیں گے۔ یہاں دولت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔"

یہ کہہ کر اُس نے قدم بڑھا دیئے۔ ہمایوں نے بل دیا تو جنید غائب تھا ابھی وہ اُسے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ اُس کا فون بج اُٹھا جنید کی کال تھی۔

"اچھا خدا حافظ ---- میں نے تمہارے فون کا انتظار ابھی سے کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب تمہیں اور مجھے کوئی اکٹھا دیکھے ---- خدا حافظ!"

یہ کہتے ہی اُس نے فون بند کر دیا۔ ہمایوں چند لمحے فون ہی کو دیکھتا رہا۔ پھر اسے جیب میں ڈالا اور اس طرف چل دیا جہاں عابد تھا ----

سارا دن وہ ڈسٹرب رہا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کرے؟ ایک جانب اچانک اتنی بڑی رقم ملنے کی توقع تھی مگر دوسری جانب کئی خدشات تھے۔ پتہ نہیں وہ ماجد وڑائچ کے بارے میں معلومات حاصل کر بھی پاتا ہے یا نہیں۔ کیا عابد سے جب وہ پوچھے گا تو وہ چوکنا نہیں ہو جائے گا؟ بالفرض محال اُسے معلومات مل بھی گئیں اور اُس نے جنید تک پہنچا بھی دیں تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ اسے اتنی بڑی رقم دے دے گا اور رقم دے بھی دے تو کیا جنید پر اعتبار کیا جا سکتا ہے وہ اسے کسی طرح استعمال بھی کر سکتا ہے۔ یہ اور ایسی کئی سوچیں سارا دن اُسے پریشان کرتی رہیں لیکن من میں کہیں ایک بات تھی جو اُسے جنید کی بات مان لینے پر آمادہ کر رہی تھی مگر مسئلہ صرف یہی تھی کہ وہ عابد سے سب کچھ اُگلوائے لیکن وہ ایسا کیوں کرے؟ ----

یہی سوال تھا جس نے اُس آمادہ کر دیا کہ وہ جنید کے لیے ضرور کام کرے گا۔ اُس کی پہلی ترجیح دولت تھی یہی وہ منتر تھا جس سے صفیہ کو حاصل کیا جا سکتا تھا۔ صفیہ اس کی منزل تھی ---- اُس نے آنکھیں بند کیں ایک گہرا سانس لیا اور فیصلہ کر لیا۔ اُسے اپنی جدوجہد کی سمت مل گئی تھی۔

☆☆

رات ڈھل گئی تھی جب عالمگیر کو ہوش آیا وہ کسمسایا تو جنید نے اُس کی جانب دیکھا اور پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت غور سے عالمگیر کو دیکھ رہا تھا ---- گزشتہ شام جب وہ واپس آیا تھا تب وہ خواب آور دوائیوں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ پہلی نگاہ میں تو جنید کو یوں لگا تھا کہ جیسے وہ اس دُنیا سے رُخصت ہو گیا ہے۔ اُس نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے ذیشان سے اشارے کے ساتھ پوچھا تھا کہ اسے کیا ہوا ہے؟

"تنگ بہت کر رہا تھا ڈاکٹر نے اسے نشے کا انجکشن لگا دیا ہے۔ ایک انجکشن اور لگا تو صبح تک یہ یونہی سوتا رہے گا۔"

"ٹھیک ہے اِس کا علاج ہی یہی ہے۔"

اُس نے لاپرواہی سے کہا تو ذیشان اُٹھتے ہوئے بولا۔

"یار میں چلتا ہوں ---- رات تم اس کے پاس رہو صبح میں آ جاؤں گا۔"

"ویسے ہم خواہ مخواہ اس کی تیمارداری میں لگے ہوئے ہیں۔ قیادت کو اگر اس کی ضرورت ہے تو کسی کو اس کے پاس بھیج دے ہمارا وقت تو برباد نہ کرے ----"

جنید نے قدرے غصے میں کہا تو ذیشان مسکرا دیا اور پھر خوشگوار لہجے میں بولا۔

"ہمارا وقت ---- کیا کر رہے ہیں ہم؟ اُدھر بھی تو پڑے ہی رہنا ہے۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بولا پھر اُسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا' جاؤ لیکن قیادت سے بات کر لو وہ اس کے پاس بندے بھیج دے۔"

"کر لوں گا بات یار' تم آج رات تو رہو نا اس کے پاس---"

ذیشان نے کہا اور باہر کی سمت چل دیا تھا۔ تب جنید کے پاس سوچنے کو فقط عدالت رہ گئی جہاں اُسے اگر مایوسی ملی تھی تو ایک غیر متوقع اُمید بھی بندھ گئی تھی--- عالمگیر کسمسا کر پھر بے سدھ ہو گیا تھا۔ جنید اُٹھا اور کونے میں رکھی ہوئی پانی کی بوتلوں تک گیا' اُس نے پانی پیا اور پھر واپس آ کر بیٹھ گیا۔ اُس کے دماغ میں پھر سے عدالت گھومنے لگی تھی۔

اس دن جب وہ فاروق چوہدری سے ملا تھا تو اُس نے بہت مشکل سے اُس کی پوری بات سُنی تھی۔ اُس کا رویہ یوں تھا جیسے کوئی بہت مشکل اور بور ترین سوال کر دیا گیا ہو۔ پھر بھی جب اُس نے اپنا تعارف کرایا تو بات سننے پر مجبور ہو گیا۔ ساری بات سن کر وہ بولا۔

"دیکھئے' میرے پاس ایک ایسا کیس آیا تھا۔ لڑکی کے ساتھ واقعتاً زیادتی ہوئی تھی لیکن بہت جلد اُنہوں نے آ کر کیس واپس لے لیا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو اُنہوں نے یہی بتایا تھا کہ دوسرے فریق سے اُن کی صلح ہو گئی ہے اور لے دے کر معاملہ ختم کر دیا ہے' اس لیے وہ کیس کو آگے نہیں بڑھانا چاہتے۔"

"آپ نے کیس دائر کر دیا تھا---؟"

"ہاں--- لیکن ابھی باقاعدہ سماعت شروع نہیں ہوئی تھی۔"

"آپ کے پاس اُن کا کوئی ایڈریس وغیرہ--- مطلب' کوئی ایسا اشارہ جس سے اُن کے بارے میں معلومات مل جائیں؟"

"سوری میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اگر کوشش کی جائے--- میرا مطلب ہے میں دو چار دن ٹھہر کر آپ کے پاس آ جاؤں گا۔"

"میں نے کہا نا' سوری--- میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر پاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے--- بہت شکریہ آپ نے مجھے وقت دیا۔"

اُس نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اُٹھ گیا۔ وہ وہاں سے تپے ہوئے دماغ اور مایوسی کے عالم میں اُٹھ کر آیا تھا۔ وہ پورے خلوص سے اُس لڑکی کی مدد کرنا چاہتا تھا لیکن اَب جبکہ اُس کے بارے میں معلوم ہی نہیں تھا تو وہ کیا مدد کر سکتا تھا؟ ایک عالمگیر ہی تھا جس سے وہ پوچھ سکتا تھا لیکن سو فیصد امکان نہیں تھا کہ وہ اُسے بتا دیتا--- عدالت کے احاطے میں ہمایوں سے ملاقات اُس کے لیے خاصی حیران کن تھی کیونکہ اس نے غیر متوقع طور پر ایک خبر سنائی تھی۔ ہمایوں کو وکیل والے روپ میں دیکھ کر جنید کو اچھا لگا تھا لیکن اُس کے چہرے پر خوف' غربت اور مایوسی کے سائے اپنا تسلط جمائے ہوئے تھے۔ جنید کو اُس کی سادگی کا احساس اس وقت ہو گیا جب اُس نے ماجد وڑائچ کا نام لیا تھا۔ اُسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کیا شے ہے۔ اُس نے ہمایوں کو فوراً ہی آفر تو کر دی تھی جنید کو احساس تھا کہ اگر اُس سے رابطہ ہو گیا تو وہ اس کے بہت کام آ سکے گا۔ اگر اس

نے ہمایوں کو تھانے میں نہ دیکھا ہوتا تو شاید ایسی کوئی آفر نہ کرتا یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ اگر وہ ماجد وڑائچ کے بارے میں کوئی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ــــ

ماجد وڑائچ اُس کے لیے جہاں نفرت کی علامت بن چکا تھا' وہاں وہ کئی مہینوں سے اُس کا ہدف بھی تھا۔ اگرچہ اِن دونوں میں دُشمنی کی ابتدا یونیورسٹی کے دنوں ہی میں ہو چکی تھی لیکن بڑھتے دنوں کے ساتھ صرف اِسی شخص نے ہی ان کی تنظیم کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ جنید کی خواہش تھی کہ وہ ہی اُسے اپنے ہاتھوں سے ختم کرے لیکن ایسا نہیں کر پایا تھا۔ اُس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اُس کی جڑیں جرائم پیشہ افراد میں زیادہ تھیں۔ پھر جس تیزی سے اُس نے اپنی سیاسی جماعت میں جگہ بنائی تھی' اِس نسبت سے سیکورٹی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ قیادت اُسے تر نوالہ ہی سمجھتی رہی لیکن وہ بہت آگے نکل چکا تھا۔ پھر جن دنوں اُس کی پارٹی کی حکومت آئی' وہ بجائے سامنے آنے کے بالکل ہی غائب ہو گیا۔ اُس کی سرگرمیاں کیا تھیں' اُس کے بارے میں تو کیا معلوم ہوتا وہ ہی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ہمایوں نے جب ماجد وڑائچ کا ذکر کیا تو جہاں اُس کے اندر جوش بھر گیا تھا' وہاں احساسِ شکست کو ختم کرنے کی اُمید جاگ گئی تھی ــــ کاش' اُسے وہ مل جائے۔ یہ سوچتے ہوئے اُس نے واضح طور پر اپنی اُنگلیوں اور بازوؤں کی پٹھوں میں اینٹھن محسوس کی تھی۔

عالمگیر اطمینان سے سو رہا تھا۔ اُس نے وقت دیکھا' رات کے دو بج رہے تھے۔ اُسے نیند نہیں آ رہی تھی' وہ کمرے سے باہر نکل کر بیٹھ گیا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خود بھی ماجد کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے یا ہمایوں کی کسی کوشش کا انتظار کرے۔ وہ جس قدر سوچتا چلا جا رہا تھا' اُس قدر ہی وہ اُلجھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اُسے یوں لگا جیسے اُس پر دباؤ ناقابلِ برداشت ہو رہا ہے سو اُس نے احساس ہوتے ہی ساری سوچوں کو جھٹک دیا اور باہر کھلے لان میں آ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دباؤ سے نکل چکا تھا۔ اِنہی لمحوں میں راحیلہ اُس کی سوچوں میں در آئی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا' اُسے یوں لگا جیسے وہ مجسم اس کے سامنے آ کھڑی ہو ـــ نجانے وہ کیا چاہتی ہے؟ اِس خیال کے ساتھ اُس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی' بلاشبہ کوئی اُلجھن ہے جسے وہ تفصیل کے ساتھ بتانا چاہتی ہے پر مجھے ہی کیوں؟ اس سوال نے اُسے نئی راہ پر ڈال دیا تھا لیکن وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا اس لیے راحیلہ کے خیال کو بھی جھٹک دیا ـــ وہ اگر وہیں بیٹھا رہا تو کوئی نہ کوئی اور سوچ اُسے ڈسٹرب کرے گی اس لیے وہ اُٹھا اور کمرے میں آ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اِس وقت ڈاکٹر راؤنڈ کر کے جا چکے تھے اور ذیشان آ گیا تھا جب جنید نے عالمگیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لو بھئی ذیشان! اَب تم جانو اور تمہارا کام۔ مَیں جا رہا ہوں' بہت کر لی تیمارداری ـــ"

"مَیں نے بات کر لی ہے' آج کوئی نہ کوئی آ جائے گا ــــ ٹھیک ہے' تم جاؤ۔"

اُس نے جنید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تو وہ وہاں سے نکل آیا۔ کاریڈور سے نکلتے ہوئے جنید کے ذہن میں راحیلہ تھی جس سے اُس نے ملنا تھا۔ اُس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی' وہ تھوڑا لیٹ ہو چکا تھا۔ اُس کے قدم تیز ہو گئے لیکن چند قدم چلنے کے بعد اچانک اُسے خیال آیا کہ وہ کیوں اس سے ملنے کے لیے بے تاب ہے؟ وہ اُس کے لیے محض ایک اجنبی لڑکی ہے اور بس! ـــ کیا تعلق ہے؟ بس اتنا ہی کہ اُس نے ایک بار اُسے پانی پلایا تھا اور ایک ایسی بات کہی تھی جس سے اُسے بہت حوصلہ ملا تھا۔ بس یہی تعلق' یہی ناتا اور یہی شناسائی ہے؟ ـــ یہ سوچتے ہوئے اُس کے قدم ڈھیلے پڑ

گئے۔ یہی بات تو عجیب تھی کہ اُسے خود پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ اس لڑکی کے لیے وہ اتنا کیوں سوچ رہا ہے۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ اُسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ راحیلہ سے ملے یا نہیں؟---وہ چند لمحے سوچتا رہا لیکن کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکا اور پھر اُسے خیال آیا کہ میں نے اُس سے وعدہ کیا ہے وہ انتظار کر رہی ہو گی---کیا تم اپنا ہی کیا ہوا وعدہ نہیں نبھاؤ گے؟ اپنے آپ سے اس سوال پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا اُسے بہر حال اپنا وعدہ تو نبھانا تھا۔

راحیلہ لان میں موجود تھی اور اِدھر اُدھر یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ بے یقینی سے کسی کی راہ تک رہی ہو۔ جنید کو اس کی بے چینی کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ دھیرے قدموں سے چلتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا۔ لمحہ بھر بعد راحیلہ کی نگاہ پڑی تو اُس کا چہرہ کھل گیا۔ پھر بڑے تحمل سے وہ اُس کی جانب بڑھی، قریب آتے ہی اُس نے کہا۔

"میں سمجھی آپ کہیں مصروف ہو گئے ہوں گے---کیا حال ہے آپ کے مریض کا؟" راحیلہ کے لہجے میں سرشاری گھلی ہوئی تھی۔

"میرے ساتھ آؤ، ہم کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں---"

جنید نے کہا اور باہر کی جانب چل دیا، راحیلہ بھی اُس کے ساتھ چل دیا۔ ہسپتال کے گیٹ پر انہیں ٹیکسی مل گئی۔ جنید کے ساتھ جیسے ہی وہ بیٹھی اُس نے ایک مشہور ریستوران کا نام لے دیا۔

"ہاں اَب بولو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

ریستوران کے ایک کونے میں اطمینان سے بیٹھنے کے بعد جنید نے راحیلہ کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے اُس کی طرف دیکھتی رہی، پھر دھیرے سے بولی۔

"یہ نہیں پوچھیں گے آپ کہ میں آپ ہی سے کیوں بات کرنا چاہ رہی ہوں؟"

"راحیلہ! میں نہیں جانتا کہ تم مجھ سے کیا بات کرنا چاہتی ہو اور کیوں؟---تم جو کہنا چاہتی ہو کہہ دو۔ کم از کم یہ تجسس تو ختم ہو۔"

وہ سنجیدگی سے بولا تو یہ چند لمحے خاموش رہی شاید راحیلہ بات کا وہ سرا تلاش کر رہی تھی جہاں سے ابتداء کرے پھر اُس نے سر اُٹھایا اور کہتی چلی گئی۔

"میں ایک غریب گھر سے تعلق رکھتی ہوں۔ جب تک باپ کا سایہ میرے سر پر تھا، اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی۔ وہ ایک حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور ہم ماں بیٹی کو یوں لگا جیسے ہمارے گھر کی چاردیواری بھی گر گئی ہے۔ یہ میری ماں ہی تھی جس نے بڑے حوصلے، ہمت اور مضبوطی سے اپنی حفاظت کی، محنت کی اور بہت مشکل سے مجھے میٹرک کروایا۔ میں کوئی بچہ نہیں تھی کہ اپنی ماں کا دُکھ نہ سمجھ سکتی۔ مجھے اپنے رشتے داروں سے بھی کوئی گلہ نہیں ہے کہ انہوں نے ہمیں کیوں نہ پوچھا اور نہ ہی تقدیر سے شکایت ہے کہ اس نے ہمارے ساتھ ایسا کیوں کیا؟---بہر حال میں یہاں نرس کی ٹریننگ کے لیے آ گئی۔ وہاں گاؤں میں تو کوئی ایک آنکھ میلی ہوتی تھی لیکن یہاں تو میں بعض اوقات خود کو ننگا محسوس کرنے لگتی ہوں۔ میں نے اِتنا وقت کس طرح گزارا، یہ میں جانتی ہوں یا میرا خدا، لیکن اَب جبکہ تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے اور میری محنت کا پھل مجھے ملنے والا ہے تو میری راہ

میں بہت ساری رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں۔"

"کیوں ——— رکاوٹیں کیوں؟" جنید جو اب تک تحمل سے بات سن رہا تھا' اچانک تیزی سے بولا۔

"اس لیے کہ میں لڑکی ہوں' میرے آگے پیچھے کوئی نہیں۔ کسی کو یہ ڈر نہیں ہے کہ اگر میرے ساتھ کوئی ظلم یا زیادتی ہو بھی گئی تو انہیں پوچھنے والا کوئی ہوگا۔ میں اگر اُن کی بات مان لیتی ہوں تو پھر ساری آسانیاں ہیں ورنہ یہ ماحول میرا دشمن ہے ——— ممکن ہے میں یہاں سے خالی ہاتھ واپس چلی جاؤں۔" وہ بھیگے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں سمجھ گیا' تم کیا کہنا چاہ رہی ہو ——— مجھے بتاؤ' میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" جنید نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ حوصلہ کہ میں یہاں سے خالی ہاتھ نہ جاؤں۔ تحفظ کا وہ احساس جس سے میں کم از کم یہ تو سمجھ سکوں کہ اس معاشرے میں سانس لیا جا سکتا ہے ———"

راحیلہ کے لہجے میں نفرت سنگ اٹھی تھی۔ اس سے پہلے کہ جنید کوئی بات کہتا' ویٹر اُن کے سامنے کھانا چننے لگا۔ وہ واپس چلا گیا تو اُس نے پوچھا۔

"کون ہیں وہ لوگ ———؟"

"کس کس کا نام لوں ——— اگر آپ اس ماحول کو سمجھیں تو آپ کو میری مجبوری کا اندازہ ہو جائے۔"

راحیلہ نے کہا تو جنید لاپرواہی سے بولا۔

"چلو' ساری باتیں ذہن سے نکال کر اس رزق کی طرف توجہ دو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے پلیٹ سیدھی کی اور کھانے کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ کافی دیر وہیں بیٹھے رہے۔ اس دوران جنید نے بہت ساری باتیں پوچھیں' راحیلہ کے سوالوں کے جواب دیے۔ ان میں جو ایک تکلف کی فضا تھی' وہ ختم ہو گئی۔ ویٹر جب برتن اُٹھا کر لے گیا اور اُن کے سامنے چائے رکھی تو جنید بولا۔

"ایک بات بتاؤ' تم نے اپنی مدد کے لیے مجھے ہی کیوں چنا؟"

"اس لیے کہ آپ ہی مجھے مرد لگے ہو ———" راحیلہ نے بلا جھجک کہا تو وہ ایک دم سے چونک گیا۔ راحیلہ نے مزید کہا۔ "مرد سے میرا مطلب' غیرت اور عزت کا جسے احساس ہوتا ہے۔ میں جو کسی ایسے مرد کا رستہ دیکھتے دیکھتے تھک گئی تھی' آپ کی صورت میں وہ مجھے دکھائی دیا۔ میں مانتی ہوں کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے' آپ کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن میں نے انسانیت کے ناتے آپ سے مدد چاہی ہے اور میرے یقین نے مجھے دھوکہ نہیں دیا ہے۔"

"میں اگر تمہارے معیار پر پورا نہیں اُتر سکا تو ———؟"

"میں سمجھی نہیں ———؟"

"دیکھو — تم شاید میری زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی ہو۔ مجھے کوئی پتہ نہیں کہ میں یہاں سے اُٹھ کر اس ریستوران سے باہر جا بھی سکوں گا یا نہیں۔ میں ہوا کی مانند ہوں اور —"

"میں ہوا کو قابو بھی نہیں کرنا چاہتی لیکن اِتنا چاہتی ہوں کہ کم از کم جس کے اس ماحول سے چھٹکارا تو ملے اور میں تو اس قابل بھی نہیں ہوں کہ اس کے عوض آپ کو کچھ دے سکوں۔"

راحیلہ نے بے بسی سے کہا تو جنید سوچ میں پڑ گیا۔ اُسے یہ سمجھ تو آ رہی تھی کہ وہ کیا مدد مانگ رہی ہے لیکن ایک اجنبی لڑکی سے کوئی وعدہ وہ بہر حال نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جس راہ پر چل رہا تھا' اس میں کسی کا پرتو کیا' اپنے سائے پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اَب جبکہ وہ اُس سے ٹکرا ہی گئی تھی تو دیکھنا یہ تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے یا کسی کے لیے کام کر رہی ہے؟ --- یہ سوچتے ہی اُس نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تم سے وعدہ نہیں کرتا لیکن جب بھی ہو سکا میں تمہاری مدد کروں گا --- تمہارے پاس سیل فون ہے؟"

"میں جو یہاں سے تھوڑے بہت پیسے لیتی ہوں' اس میں سے اپنی ماں کو بھی بھیجتی ہوں۔ میں اتنی بڑی عیاشی نہیں کر سکتی ---"

راحیلہ نے دھیرے سے کہا --- جنید نے ویٹر کو اشارہ کیا پھر اپنا پرس نکالتے ہوئے بولا۔

"ہمارے درمیان رابطے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ تم مجھے فون کر لیا کرو۔ میں تمہیں کچھ رقم اُدھار دے دیتا ہوں' اس سے تم ایک سیل فون خرید لینا تا کہ مجھ سے رابطہ رکھ سکو۔"

"اُدھار --- میں سمجھی نہیں؟"

"اِس میں نہ سمجھنے والی بات کون سی ہے۔ اُدھار تو اُدھار ہوتا ہے نا ---؟"

"لیکن میں آپ کو لوٹا —"

"لوٹانے تو پڑیں گے لیکن جب تمہارے پاس ہوں گے' لوٹا دینا۔ فی الحال یہ رکھو —"

اُس نے پرس میں سے چند بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے تو راحیلہ نے اُس کی جانب حیرت سے دیکھا اور انکار میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"نن نہیں — میں لے لوں گی' آپ فکر نہ کریں۔"

"لے لو بابا' اُدھار دے رہا ہوں۔"

اُس نے کچھ اس طرح کہا کہ راحیلہ ایک دم سے رو پڑی۔ پھر فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"آپ بس میری مدد کر دیجئے گا لیکن اس طرح نہیں ---" اُس نے صاف انکار کر دیا۔

"تمہاری مرضی —"

جنید نے وہ نوٹ واپس پرس میں رکھ لیئے۔ تبھی ویٹر بل لے کر آ گیا۔ اُس نے بل دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اِس سے پہلے کہ راحیلہ اُٹھتی' اُس

کا سیل فون بج اٹھا۔ جنید نے نمبر دیکھ کر فوراً کال ریسیو کر لی اور بولا۔

''ہاں ذیشان۔۔۔؟''

''وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ عالمگیر مر گیا ہے۔۔۔''

''مر گیا۔۔۔'' اُس نے شدید حیرت سے کہا۔ پھر ماحول کا احساس کر کے دھیرے سے بولا۔ ''مگر کیسے۔۔۔؟''

''وہی۔۔۔ اُس نے آکسیجن ماسک ہٹا دیا۔ ڈاکٹر کے آنے تک وہ۔۔۔''

''چلو یہ قصہ بھی ختم ہوا۔۔۔ اَب تم کہاں ہو؟''

''میں ہسپتال ہی میں ہوں۔۔۔ کچھ لوگ لینے کے لیے آ رہے ہیں۔ اسے اُن کے حوالے کر کے چلا جاؤں گا۔۔۔ تم کہاں ہو؟''

''میں اِدھر اپنے گھر۔۔۔''

''ٹھیک ہے شام کو ملتے ہیں۔۔۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔''

اُس نے کہا اور فون بند کر دیا۔۔۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عالمگیر اس قدر احمق پن کرے گا لیکن عالمگیر کی ضد تو اس کے ساتھ تھی مگر نجانے کیوں جنید کو یہ بات ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ اُس نے فون جیب میں رکھا اور راحیلہ کو اُٹھنے کا اشارہ کیا، پھر دونوں باہر چلے آئے۔

''راحیلہ! اَب تم جاؤ۔۔۔''

یہ کہتا ہوا وہ کسی اجنبی کی طرح دوسری سمت چل دیا۔ تھوڑے فاصلے پر اُسے رکشہ ملا، وہ اس میں بیٹھا۔ اُس نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ راحیلہ اُسے جاتا ہوا دیکھ رہی ہے۔

☆☆

شام نے اپنے سائے پھیلا دیے تھے۔ صفیہ اپنے کمرے سے باہر جانے کے لیے اُٹھ چکی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ لان میں اُس کی ماں کا چائے پر انتظار کر رہی ہوں گی۔ ایسا کبھی کبھار یا چھٹی کے دن ہوتا تھا جب اُس کا باپ اور بھائی اُن کے ساتھ شام کو مل بیٹھتے ورنہ بس صبح ناشتے کے وقت ہی ملاقات ہوتی تھی۔ وہ بھی اپنی ماں کو اِتنا وقت نہیں دے پاتی تھی اور جب سے اُس کی زندگی میں تیمور آیا تھا' یہ وقت اور زیادہ سمٹ گیا تھا۔ اگر سلمٰی نہ ہوتی تو اِس گھر میں اُس کی ماں زیتون بی بی تنہائی کا شکار ہو چکی ہوتی۔ یہ سب کچھ سوچتی ہوئی وہ اپنے کمرے سے نکلی اور لان کی طرف بڑھی۔ اُس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ اُس نے دیکھا' لان میں اُس کی ماں اور سلمٰی دونوں بیٹھی ہوئی ہیں۔ وہ گنگناتی ہوئی اُن کے پاس چلی گئی اور پھر بیٹھتے ہی بولی۔

"لایئے ماما! جلدی سے چائے پلا دیں---"

"چائے تو پئیں گے ہی لیکن آج تم سے مَیں نے کچھ باتیں بھی کرنی ہیں۔" زیتون بی بی نے بڑے تحمل سے کہا۔

"ایسی کون سی اہم باتیں ہیں---؟" اُس نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"بیٹی! ایک ماں اور بیٹی کا رشتہ بہت ہی نازک اور بڑا ہی اہم ہوتا ہے۔ نازک اِس لیے کہ اگر وہ اپنی اولاد پر توجہ نہ دے تو بہت سارے بگاڑ پیدا ہو جاتے ہیں اور اِس کا اثر اولاد کے کردار پر پڑتا ہے۔ مَیں سمجھتی ہوں کہ جب تک ماں اور بیٹی سہیلیوں کی مانند ایک دوسرے سے تعلق نہ رکھیں تو دونوں میں ذہنی فاصلہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور اہم اِس لیے ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ بیٹی کی تربیت کا ذمہ دار ماں کو سمجھتا ہے۔ اگر خدانخواستہ کہیں کوئی حادثہ ہو جائے تو اُنگلی ماں کی طرف ہی اُٹھتی ہے---" زیتون بی بی نے دھیرے دھیرے' بہت ہی پیار سے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن ماما! یہ سب آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟" وہ تیزی سے بولی۔

"اِس لیے کہ یہ ساری باتیں تمہیں سمجھانے کی ضرورت ہے اور یہ مَیں بہت دفعہ پہلے بھی تمہیں سمجھا چکی ہوں مگر تم پر اثر نہیں ہوتا---"

"مَیں سمجھی نہیں---؟" وہ لاپرواہی سے بولی۔

"مَیں نہیں چاہتی کہ تمہارے کردار پر کوئی دھبہ لگے یا کوئی ہمارے گھر کی جانب اُنگلی اُٹھائے۔ مَیں نے اگر تم پر اعتماد کیا ہے تو اِس اعتماد کو برقرار رکھو۔"

"ماما! آپ کیا پہیلیاں ڈال رہی ہیں--- آپ کی صحت تو ٹھیک ہے نا؟" اُس کے لہجے میں طنز اُتر آیا تھا۔

"شٹ اَپ صفیہ! تمہیں ماں سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں رہی۔"

سلمٰی نے پہلی بار لب کھولے تو صفیہ نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"ارے! ایسی کیا بات ہو گئی ہے' کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔" وہ بولی۔

"تم اِتنی بھولی ہو نہیں جتنی تم بن رہی ہو۔" سلمٰی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"ماما! بتائیں' آخر بات کیا ہے؟" صفیہ نے اپنی ماں سے پوچھا۔

''تم مجھ سے یہ کہتی ہو کہ مجھے کچھ بننا ہے میں پڑھنا چاہتی ہوں اور بہت پڑھنا چاہتی ہوں لیکن تم ہماری آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہو۔ کیا تعلق ہے تمہارا تیمور سے ---؟''

زیتون بی بی نے غصے میں کہا تو صفیہ ایک بار اندر سے ہل گئی لیکن اس کا اظہار نہ کرتے ہوئے وہ بولی۔

''اچھا تو یہ بات ہے --- ماما وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔''

''کس قدر بے غیرت اور منہ پھٹ ہو۔ اُسے تم اپنا دوست کہہ رہی ہو غیر مردوں کو تم اپنا دوست کہہ رہی ہو؟'' زیتون بی بی یوں ہذیانی انداز میں بولی جیسے اُس کا سارا تحمل کہیں اُڑ گیا ہو اور وہ خود پر قابو نہ رکھ پائی ہو۔

''ماما ہمارے طبقے میں اسے کچھ غلط تصور نہیں کیا جاتا --- اب آپ کہیں گی کہ ہمارے دور میں ایسا نہیں ہوتا تھا ہماری یہ روایت نہیں ہے وغیرہ وغیرہ تو سنیں۔ وہ آپ کا دور تھا آپ کا اپنا رہن سہن تھا۔ یہ میرا دور ہے اور میں اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہوں۔''

''کیا تیرے دور میں ساری اخلاقی قدریں ختم ہو گئی ہیں۔ دیدوں سے حیا کا پانی ڈھل جاتا ہے کیا تیرے دور میں خاندان کی کوئی عزت نہیں ہوتی؟''

زیتون بی بی نے کہا تو صفیہ بڑے آرام سے بولی۔

''ماما! نہ اخلاقی قدریں ختم ہوئی ہیں نہ دیدوں میں حیا۔ مجھے اپنے خاندان کی عزت اسی طرح عزیز ہے جیسے آپ کو --- اب مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو تیمور کے بارے میں کس نے کیا بتایا ہے اور کس رنگ میں ساری باتیں بتائی ہیں لیکن یہ یاد رکھیں میرا اُس سے کوئی غلط تعلق نہیں ہے۔''

''غلط تعلق --- ارے نا ہنجار! تنہائی میں کسی غیر مرد کے ساتھ تمہارا مل بیٹھنا کوئی غلط تعلق ہی نہیں ہے؟''

''نہیں ہے --- میں کوئی چھوئی موئی یا عام سی لڑکی نہیں ہوں کہ جسے کوئی بھی مرد اپنی راہ پر لا سکتا ہے --- میں پوچھتی ہوں کہ یہ سب آپ کو کس نے بتایا؟'' یہ کہتے ہوئے اُس نے سلمیٰ کی جانب دیکھا۔

''مجھے کوئی ضرورت نہیں یہ جاننے کی کہ تم کیا کرتی پھر رہی ہو۔'' سلمیٰ اُس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔

''تم جانتی ہو کہ اگر تمہارے باپ اور بھائی کو تمہارے کچھن معلوم ہو گئے تو کیا ہو گا؟'' زیتون بی بی نے خوف بھرے لہجے میں کہا۔

''وہ اچھا سمجھیں گے اور اگر آپ کو بھی سمجھنا ہے تو پاپا سے بات کر لیجئے گا وہ آپ کی طرح ناراض نہیں بلکہ خوش ہوں گے ---''

صفیہ نے کہا اور تیزی سے اُٹھ گئی۔ زیتون بی بی ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھتی رہ گئی اُسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اُس کے باپ کو بتائے یا نہیں؟ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُسے یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا سوچیں ایک دم سے ٹھٹک گئیں تھیں۔ اسے لگا جیسے رگوں میں دوڑتا ہوا خون اس کی آنکھوں میں سما گیا ہے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ہل نہ سکی۔ اچانک اُس کا سر گھومنا شروع ہو گیا اور وہ کرسی پر جھول گئی اور اسی لمحے سلمیٰ کی چیخ فضا میں بلند ہو گئی۔

"امی---امی! کیا ہو گیا آپ کو؟ پلیز ہوش کریں۔ کوئی ڈاکٹر کو بلائے۔"

سلمٰی ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی تبھی صفیہ نے پلٹ کر دیکھا اور حیرت سے ٹھٹک کر رہ گئی۔ اگلے ہی لمحے اُسے صورت حال سمجھ میں آ گئی۔ وہ اپنی ماں کے پاس تیزی سے آئی جو کرسی پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔

"تم سنبھالو سمیٰ، پانی لے کر آتی ہوں---"

صفیہ نے کہا اور تیزی سے کچن کی جانب بھاگی۔ اتنی دیر میں گھر کے دونوں ملازم وہاں آ گئے۔ سلمٰی انتہائی پریشانی میں اپنی ماں کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن زیتون بی بی ہوش ہی میں نہیں آ رہی تھیں شاید اُسے بہت گہرا صدمہ ہوا تھا جس کے باعث یہ بے ہوشی اس قدر طویل ہو گئی تھی۔ صفیہ پانی لے آئی اور اپنی ماں کے چہرے پر چھینٹے مارے۔ تب اُس نے قدرے ہوش سنبھالا مگر جونہی اُس کے سامنے صفیہ کا چہرہ آیا جو اُسے پانی پلانے کی کوشش کر رہی تھی ایک دم سے زیتون بی بی کا چہرہ بگڑ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اُس کا بدن پھر سے بے جان سا ہونے لگا۔ ایسی کیفیت میں وہ دونوں بہنیں خوف زدہ ہو گئیں۔

"جاؤ جلدی سے پاپا کو فون کرو۔"

سلمٰی نے صفیہ سے کہا تو وہ اسی لمحے فون تک جا پہنچی، پھر چند منٹ بعد آ کر بولی۔

"پاپا کو آنے میں تھوڑا وقت لگ جائے گا۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ماما کو فوراً ہسپتال لے جائیں---دفتر سے یہاں تک کا فاصلہ بھی تو بہت ہے۔"

"تو پھر جاؤ ڈرائیور سے کہو فوراً گاڑی نکالے---بلکہ تم جاؤ۔" اُس نے ایک ملازم سے کہا۔ دونوں بہنیں پھر سے اُسے ہوش میں لانے لگیں مگر یہ بے ہوشی ٹوٹنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

تقریباً بیس منٹ بعد زیتون بی بی ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں تھی اور ڈاکٹر اُسے ٹریٹمنٹ دے رہے تھے۔ کافی دیر بعد زیتون بی بی کو ہوش آ گیا۔ اس وقت صفیہ وہاں نہیں تھی بلکہ باہر کاریڈور میں تھی۔

"دیکھیں، آج آپ انہیں یہیں ہسپتال میں رہنے دیں---" ڈاکٹر نے سلمٰی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "یہ سب بلڈ پریشر کی وجہ سے ہوا ہے۔ اچھا کیا آپ انہیں بروقت ہسپتال لے آئی ہیں ورنہ اس سے کچھ بھی ممکن تھا۔"

ڈاکٹر یہ کہہ کر بڑھ گیا اور دوسرا اسٹاف زیتون بی بی کی دیکھ بھال میں لگ گیا تبھی کاریڈور میں کھڑی صفیہ نے سلمٰی کو اشارے سے بلایا، وہ اُس کے پاس چلی گئی تو صفیہ نے پوچھا۔

"کیا حال ہے ماما کا---؟"

"بلڈ پریشر کی وجہ سے اٹیک ہوا تھا۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ دوبارہ بھی ممکن ہے اس لیے تم رحم کرنا اور امی کے سامنے مت آنا بلکہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔" سلمٰی نے دبے دبے غصے میں کہا۔

"میں نے ایسی کیا بات کہہ دی تھی' سچ تو کہا تھا۔۔۔ویسے ہی ماما کو مجھ سے چڑ ہے۔" صفیہ نے خود پر بات آتے دیکھ کر کہا۔

"انہیں تم سے چڑ نہیں' حیا اور شرم کے مارے یہ حال ہوا ہے اُن کا۔۔۔" صفیہ کو جتاتے ہوئے سلمیٰ بولی۔

"تم ماما کی بڑی خیر خواہ بن رہی ہو اور میں اُن کی دشمن ہوں یا وہ لوگ انہیں پیارے ہیں جن کا نام سننا میں پسند نہیں کرتی۔ کیا میں اپنی بات بھی نہیں کہہ سکتی۔۔۔"

"کہو اور اس کا نتیجہ بھی دیکھ لیا ہے تم نے۔۔۔خدا کے لیے رحم کرو اور جاؤ یہاں سے۔۔۔"

سلمیٰ نے حقارت سے کہا تو صفیہ تلملا کر رہ گئی۔ اُسے اپنی ہتک پر بہت غصہ آیا تھا۔

"اگر تم ماں بیٹی کو وہ لوگ پسند ہیں تو تم کیوں نہیں بیاہی جاتیں اُن کے ہاں' مجھے کیوں قربان کیا جا رہا ہے؟" صفیہ تنک کر بولی۔

"یہ وقت اس طرح کی باتوں کا نہیں اور نہ ہی یہ جگہ ہے۔ میں تمہاری منت کر رہی ہوں کہ جاؤ یہاں سے' یہ ساری باتیں بعد میں ہو جائیں گی۔"

سلمیٰ نے کہا اور پلٹ کر اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔ صفیہ تھوڑی دیر وہاں رہی' پھر ڈرائیور کے ساتھ گھر چلی گئی۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کا باپ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ جائے گا۔

☆☆

"راحیلہ! تمہیں کیا لگتا ہے وہ تمہاری مدد کرے گا۔۔۔؟" نسرین نے بیڈ پر بیٹھ کر تکیہ اپنی گود میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور میری مدد کرے گا۔۔۔" راحیلہ نے اُس کی طرف دیکھا اور اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں کرے گا تمہاری مدد۔۔۔؟" نسرین نے یوں کہا جیسے وہ بات تو راحیلہ سے کر رہی ہو لیکن سمجھا خود کو رہی ہو۔ "دیکھو' یہ مدد ایسے تو نہیں ہے کہ بازار سے کوئی چیز خرید کر دے دی جائے جیسے اُس نے تمہیں کہا کہ سیل فون لے لو اور اُس نے روپے دینے کی آفر کی۔ وہ تمہاری مدد کرے گا تو اُسے اس ہسپتال کے پورے نیٹ ورک سے دشمنی لینا پڑے گی۔ جو کم از کم ایک مقصد میں متفق ہیں کہ لڑکیوں کو اپنی راہ پر لے آئیں اور اپنے جال میں پھنسالیں۔ ہوس اور لالچ کا یہ نیٹ ورک توڑنا اُس کے لیے مشکل ہوگا۔ یہ مشکل اس لیے بھی زیادہ ہوگی کہ وہ یہاں کے ماحول سے واقف نہیں ہے' یہاں کا حصہ نہیں ہے۔ وہ اکیلا کیا کر سکے گا یہاں پر۔۔۔؟" آخری لفظ کہتے ہوئے نسرین بہت زیادہ جذباتی ہوگئی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو نسرین! اگر اُس نے میری مدد کی تو اُسے بہت مشکل ہوگی۔ میں یہ بھی مانتی ہوں کہ یہاں کا نیٹ ورک بہت مضبوط ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ ایک لڑکی کو نہ بچا سکے۔"

"وہی میں کہہ رہی ہوں کہ کیوں وہ اتنی مشکل میں کیوں پھنسے گا۔ وہ ان سے دشمنی مول کیوں لے گا؟۔۔۔یہ لوگ تو اپنی ہوس اور لالچ کے لیے لڑیں گے' اُسے ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"نسرین! اگر اُس نے میری مدد نہ کرنی ہوتی نا' تو وہ صاف کہہ دیتا۔ اُسے کوئی مجبوری نہیں تھی۔ وہ مجھے آس ہی نہ دلاتا۔ اُس نے جس

طرح مجھے حوصلہ دیا ہے میرا دل کہتا ہے کہ۔۔۔"

"تمہارا دل کہتا ہے نا تم تو چاہو گی کہ کوئی بھی تمہاری مدد کرے۔ تمہیں ضرورت ہے اس وقت۔ اگر تمہیں اس وقت مدد کی ضرورت نہ ہوتی تو کیا ہم اس طرح بات کر سکتے یا تم اس کی یوں طلب گار ہوتیں۔۔۔ بالکل اسی طرح آخر اُسے کیا ضرورت ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ انسانیت کے ناتے میری مدد کر رہا ہے۔" راحیلہ نے ایک کمزوری دلیل دی۔

"تم خود بھی جانتی ہو راحیلہ کہ یہ دُنیا کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر ہی نہیں کاربند بلکہ چھین لینے پر بھی یقین رکھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم یا سوسائٹی ایک ایسی ڈگر پر چل نکلے ہیں جس میں ہر جانب عدم اعتماد کی فضا بن گئی ہے۔ تمہارا رویہ ان ہسپتال کے مافیا کے ساتھ سخت رہا ہے تو یہی مزاحمت کام آتی رہی ہے۔ تم اپنی بقا کے لیے اور وہ اپنے لالچ اور ہوس کے لیے لڑتے رہے ہیں۔ آخر کب تک۔۔۔ اور یہ تیسرا فرد اگر تمہاری مدد کو آتا ہے تو کیا وہ تم سے کچھ نہیں چاہے گا؟"

"تم بالکل ٹھیک کہتی ہو نسرین! لیکن کیا ہم محض مفروضوں پر اور منفی سوچ کا اظہار کرتے ہوئے بات نہیں کر رہی ہیں۔ کیا اتنا کم ہے کہ اُس نے مجھے حوصلہ دیا' اندھیرے میں روشنی کی کرن۔۔۔" راحیلہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"اصل میں اس سوال کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے راحیلہ! کہ میں تمہیں مایوس کروں یا کسی کی نیت پر شک کرنا میرا مقصد ہے۔ میں نے تمہیں صرف احساس دلانا ہے کہ اگر کل وہ تم سے اس کا بدلہ یا ریٹرن مانگ لیتا ہے یا اس کے چہرے پر سے نقاب سرک جائے اور تم اُسے ڈاکٹر جمیل کے جیسا ہی پاؤ تو پھر تمہارا ری ایکشن کیا ہوگا؟" نسرین نے اپنے اصل مقصد پر آتے ہوئے وضاحت کی۔

"دیکھو نسرین! یہ تو وقت بتائے گا کہ کون کیا ہے؟ میں سمجھتی ہوں کہ مجھے اس پر شک نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کے بارے میں خوش گمان ہی رہوں تو یہ میرے لیے اور میرے حوصلے کے لیے بہت اچھا ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر وہ مجھے اس بھنور سے نکال کر ہی کوئی بدلہ یا ریٹرن مانگتا ہے تب دیکھا جائے گا۔۔۔"

"او کے۔۔۔ اگر تم اُس کے خیال ہی سے خود کو مضبوط محسوس کر رہی ہو تو یہ اچھی بات ہے لیکن بندہ اندر سے مضبوط ہو تو وہ نہ صرف زیادہ دیر تک مزاحمت کر سکتا ہے بلکہ وہ لمبے عرصے تک لڑ بھی سکتا ہے۔" راحیلہ نے اُس کے چہرے پر دمکتی ہوئی روشنی دیکھ کر کہا۔

"اچھا زیادہ اوٹ پٹانگ باتیں مت کرو۔۔۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ' ہم جا کر سیل فون لے آئیں۔" راحیلہ نے اُسے یاد دلایا تو وہ اُٹھ گئی۔

وہ دونوں بازار میں تھیں۔ اُنہیں چونکہ سیل فون کے بارے میں اتنی معلومات نہیں تھیں اس لیے دونوں ہی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ چند دکانیں گھوم پھر کر ہی کوئی فیصلہ کریں گی۔ اُنہیں کافی دیر ہو گئی تھی اور ابھی تک اُنہوں نے سیل فون نہیں خریدا تھا۔ اس وقت وہ دونوں ایک دوکان کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ اُنہیں وہی سینئر نرس دکھائی دی جو راحیلہ سے اس کے کمرے میں ملنے آئی تھی۔

"واؤ' یہ جوڑی آج کدھر گھوم رہی ہے؟" اِس نے مسکراتے ہوئے خوشدلی سے پوچھا۔

"اسے ایک سیل فون خریدنا تھا' وہی پسند کرنے نکلی ہیں۔" نسرین نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"یہ کون سی بڑی بات ہے --- آؤ ابھی خرید لیتے ہیں۔"

اس نے کہا اور اُن کے ساتھ بڑھ گئی۔ کچھ ہی دیر میں اس نے قدرے مہنگا سیل فون سیٹ پسند کیا اور راحیلہ کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

"کیا تمہیں یہ پسند ہیں---؟"

"پسند تو ہے لیکن یہ میرے بجٹ سے زیادہ ہے---" اس نے قیمت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے کوئی بات نہیں' باقی میں دے دیتی ہوں' بلکہ چھوڑو' یہ میں ہی تمہیں گفٹ کر دیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ دکاندار کی جانب متوجہ ہونے لگی تھی کہ راحیلہ نے فوراً کہا۔

"نہیں --- آپ کوئی دوسرا کم قیمت والا دیکھ لیں' پلیز---!"

اس کے یوں کہنے پر سینئر نرس نے چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھا اور پھر خاموشی سے ایک کم قیمت والا سیل فون نکال لیا۔ راحیلہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سینئر نرس کے چہرے پر مایوسی آن ٹھہری تھی' نسرین اس کے چہرہ پڑھنے میں پوری طرح مگن تھی--- وہ تینوں دوکان سے نکلیں تو شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ راحیلہ کے ہاتھ میں سیل فون تھا۔

"آؤ' تھوڑا کھا پی لیں---"

سینئر نرس نے کہا۔ جس پر راحیلہ انکار کرنے ہی والی تھی کہ نسرین نے فوراً کہا۔

"نیکی پوچھ کر تو نہیں کرتے --- چلیں۔"

تب راحیلہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ اُن کے قدم ایک ریستوران کی جانب اُٹھ گئے' سہولت سے بیٹھنے کے بعد سینئر نرس بولی۔

"میں نے اس لیے "اجازت" لی تھی کہ کہیں راحیلہ منع نہ کر دے۔" اس کے لہجے میں شکوہ بول رہا تھا۔

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں' میں تو ہوسٹل وقت پر پہنچنے کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔"

راحیلہ بات کو سمجھتے ہوئے بولی تو سینئر نرس نے قدرے تلخی سے کہا۔

"ہوسٹل اور وقت --- سارے قاعدے قانون کاغذ پر ہی اچھے لگتے ہیں۔ انہیں اگر استعمال کرنے کی نوبت آئے نا' تو صرف کمزوروں پر ہی کیئے جاتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ چونک گئی پھر جلدی سے بولی۔ "بولو' کیا کھانا پسند کرو گی؟" اس نے اپنے سامنے دھرا ہوا مینو اُٹھا کر پوچھا۔

"آپ اپنی پسند کا ہی منگوا لیں۔" نسرین نے مسکراتے ہوئے کہا' پھر آرڈر وغیرہ دینے کے بعد بات کی ابتدا نسرین ہی نے کی۔ "ویسے میڈم! ایسے قانون بنانے کا فائدہ پھر---؟"

"قانون تو بہتری کے لیے ہی بنائے جاتے ہیں مگر قانون تب قانون بنتا ہے جب اس پر ٹھیک طرح سے عمل ہو۔ جب قانون نافذ کرنے

والے ہی غلط کریں تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اب جو قانون نافذ کرنے والوں کا پسندیدہ ہو گا وہ بچا رہے گا اور راحیلہ جیسی اس کی زد میں آ جائیں گی۔" وہ اپنی رو میں کہتی چلی گئی۔

"---آ جائیں گی---مطلب؟" نسرین نے فوراً اس کی بات پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں دو دن سے یہ سوچ رہی تھی کہ راحیلہ کو اس بارے بتاؤں، یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ مجھے یوں مل گئی ہے تو میں نے سوچا اب بتا ہی دوں۔"

"کیا بتانا چاہ رہی تھیں آپ اور کیوں تذبذب میں تھیں؟" راحیلہ نے فوراً پوچھا۔

"یہی کہ تم بہت زیادہ محتاط رہو۔ ڈاکٹر جمیل دھیرے دھیرے بہت کچھ تمہارے خلاف اکٹھا کر چکا ہے۔ اس میں کچھ سچ ہے اور کچھ فرضی الزامات جنہیں سچ ثابت کر دیا جائے گا۔ یہی وہ لمحات ہوں گے جب وہ تم سے اپنی بات منوائیں گے یا پھر تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا---" سینئر نرس نے ان پر انکشافات کرتے ہوئے کہا۔

"مطلب اس کے بارے میں پھندا تیار کر لیا گیا ہے؟" نسرین نے پوچھا۔

"طاقتور کا کیا ہوتا ہے، وہ ذرا سی چوری پر بہت زیادہ سزا دے یا پھر بہت زیادہ جرم پر بھی چشم پوشی کر جائے---اصل میں اب ڈاکٹر جمیل نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہوا ہے۔" اس نے اپنی بات واضح کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" راحیلہ نے تیزی سے پوچھا۔

"یہ تمہارا اپنا ذاتی فیصلہ ہے---دیکھو میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں اس مافیا کا مقابلہ نہیں کر سکی تھی میں ان کی خواہشات کے ساتھ بہہ گئی اور آج تک انہی کی خواہشات کی بھینٹ چڑھی ہوئی ہوں۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ تم جانتی ہو ٹکراؤ کے نتیجے میں ہمیشہ نقصان کمزور ہی کا ہوتا ہے۔" وہ صاف لفظوں میں کہتی گئی۔

"دوسرے لفظوں میں آپ کا خیال یہ ہے کہ میں ان کی بات مان لوں؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"نہیں، قطعاً نہیں میں نے یہ بالکل نہیں کہا۔ میں نے تو اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ کرو وہی جو تم چاہتی ہو فیصلہ تمہارا ہے---" یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے، ویٹر ان کا دیا ہوا آرڈر لے آیا تو وہ بولی۔ "چھوڑو---کیا ہو گا کیا نہیں ہو گا۔ ابھی تو کھاؤ پیو---"

یہ کہتے وہ ہنس دی جبکہ راحیلہ سوچ میں پڑ گئی اور پھر فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"میں لڑوں گی آخری حد تک لڑوں گی۔ میں یہاں سے خالی الزام لے کر جانے والی نہیں ہوں۔"

اس کے لہجے میں ایسی مضبوطی تھی کہ وہ دونوں ہی چونک گئیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔

☆☆

ہمایوں اپنے سامنے دور تک پھیلا ہوا آسمان دیکھ رہا تھا۔ سرمئی بادل کہیں کہیں ٹکڑیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ سورج مغرب کی جانب

جھک گیا اور مغربی اُفق گیندے کے پھول جیسا رنگ لیئے ہوئے تھا جس میں نارنجی رنگ کی آمیزش ہوتی ہے۔ ہمایوں کا دھیان آسمان پر بکھری اس خوبصورتی کی طرف نہیں تھا بلکہ اپنے دماغ میں اُبھرنے والی سوچوں کو کسی ایک نکتے پر لانے کی کوشش میں مصروف تھا جس نے اُس کے پورے بدن میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ قوت کیسی بھی ہو وہ انسان کے اندر تبدیلی ضرور پیدا کرتی ہے۔ یہ قوت چاہے اس کے رگ پٹھوں میں طاقت بن کر اپنا آپ منوا رہی ہو یا پھر کسی راز کی ہو۔ ہر اطلاع ایک جیسی اہمیت نہیں رکھتی۔ بعض اوقات ایسی خطرناک اطلاعات بھی ہوتی ہیں کہ جن سے انسانی زندگی داؤ پر لگ جاتی ہے۔ اس وقت وہ بھی اسی کشمکش میں تھا۔ ایک جانب انسانی زندگی تھی اور دوسری جانب دولت تھی۔ فیصلہ ہاں اور نہیں میں تھا لیکن اُنکے درمیان بھی ایک بات تھی اور وہی بات اُسے پریشان کر رہی تھی۔ ماجد وڑائچ کے بارے میں اُسکے پاس مصدقہ اطلاع تھی پورا ہفتہ وہ اسی ٹوہ میں رہا تھا۔ جب اُس نے ماجد وڑائچ کے بارے میں معلومات لینا شروع کی تھی اس وقت تک اُسے بھی خبر نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اسکے بارے میں جان لے گا۔ اس نے ابتدا عابد الٰہی سے ہی کی تھی۔ اُس نے عام سے انداز میں پوچھا تھا کہ وہ ماجد کے بارے میں اتنی نفرت کیوں رکھتا ہے؟

"وہ بے غیرت ہے' غنڈہ ہے وہ۔ اُسے احساس ہی نہیں ہے کہ کسی کی عزت کیا ہوتی ہے۔ اُس نے میرے دوست کو صرف اس لیے مارا تھا کہ اس نے ماجد کو وقت پر بھتہ کیوں نہیں پہنچایا تھا۔ یہ جو یونیورسٹی اور کالجوں پر اپنا ہولڈ جما کر رکھتے ہیں' مفاد پرست عناصر انہیں استعمال کرتے ہیں اور یہ اپنی عیاشیوں کے لیے طلبہ و طالبات سے روپے پیسے چھینتے ہیں۔ اپنے ہی قاعدے قانون بنا کر انہیں مارتے پیٹتے ہیں۔ میرے دوست کو اُس نے اس قدر مارا تھا کہ وہ دو ہفتے ہسپتال میں رہا اور پھر ایسا دل برداشتہ ہوا کہ یونیورسٹی ہی چھوڑ کر چلا گیا۔"

"اب کہاں ہوتا ہے وہ---؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں--- آخری بار مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ ملک سے باہر جانے کی کوشش میں ہے' پھر کوئی پتہ نہیں--- اُس نے تو شرم کے مارے سب رابطے ہی ختم کر دیئے تھے۔ مجھے ایک اچھا دوست کھو جانے پر بہت دُکھ ہے اور یہ ابھی تک دندناتا پھرتا ہے۔" عابد نے انتہائی تلخی سے کہا۔

"کیوں--- یہ کیوں دندناتا پھرتا ہے' یہ کبھی پکڑا نہیں گیا؟"

ہمایوں نے یونہی سرسری سے انداز میں پوچھا تو وہ تلخ سی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے بولا۔

"ارے' پکڑے تو وہ جاتے ہیں جن کا کوئی نہیں ہوتا۔ ماجد جیسے لوگوں سے کئی خبیث لوگوں نے فائدہ لینا ہوتا ہے۔ قبضہ چھڑوانا ہو یا کہیں قبضہ کرنا ہو' کسی کو خوف زدہ کرنا ہو وغیرہ وغیرہ--- وہی کام جو غنڈوں کا ہوتا ہے اور یہ سب ملی بھگت سے ہو رہا ہے۔ سب کے سامنے دندناتے پھرتے ہیں ایسے لوگ' کون پکڑتا ہے انہیں؟" عابد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ چھوٹے موٹے غنڈے' ان پر قانون گرفت نہیں کر سکتا؟" ہمایوں نے اُسے شہ دی تھی۔

"واقعی ان کی کوئی حیثیت یا وقعت نہیں ہوتی لیکن گرفت میں اس لیے نہیں آتے کہ پکڑنے والے بہت سارا مفاد لے کر چشم پوشی کرتے ہیں ان سے اور ان کے پیچھے کسی اور کا مفاد ہوتا ہے۔" عابد نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"کیا ہماری سوسائٹی اس قدر کمزور ہو چکی ہے کہ ایسے مفاد پرست لوگوں کو ختم نہیں کر سکتی؟"

"بالکل۔۔۔ بالکل کمزور ہو چکی ہے' اتنی کمزور کہ وہی مفاد پرست لوگ باقی لوگوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔۔۔ اب ماجد ہی کو دیکھ لو۔ کل تک بھوکا ننگا غنڈہ تھا لیکن آج اُس کی شان ہی نرالی ہے۔ دیکھا نہیں تھا تم نے۔۔۔؟"

"دیکھا تھا۔۔۔" ہمایوں نے انتہائی اختصار سے جواباً کہا۔

"وہ بہت مضبوط ہو چکا ہے۔ بہت بڑا گھر' دولت' سیکورٹی' طاقت اور اب تو وہ اپنا سیاسی قد بھی بنا رہا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ وہ کل ہمارے علاقے سے منتخب ہو کر ہمارا ہی نمائندہ قرار پائے۔" عابد نے پھر تلخی سے کہا۔

"یہاں کیا کرنے آتا ہے۔۔۔ مطلب' کوئی جرم سرزد ہو گیا ہو گا؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"مخالفین نے ایک کیس دائر کیا تھا' مقصد ان کا یہی تا کہ اس کیس میں اِسے سزا ہو جائے اور الیکشن لڑنے کے لیے قانونی طور پر معذور ہو جائے۔ دونوں طرف سے زور لگ رہا ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے' یہ بری ہو جائے گا اور پھر وقت آنے پر الیکشن لڑ سکے گا۔۔۔"

"کس کے پاس ہے پیشی اور کب۔۔۔؟"

"یہ علم نہیں کہ پیشی کب ہو گی۔۔۔" یہ کہہ کر اُس نے وہ جگہ بتائی جہاں کیس چل رہا تھا' پھر پوچھا۔ "لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ اگر تمہیں اُس سے اتنی نفرت ہے تو تم کیوں نہیں فریق بن جاتے۔ اُس کے مخالف وکیل کو تقویت دو۔"

ہمایوں نے اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو عابد ایک دم سوچ میں پڑ گیا' پھر کچھ دیر بعد بولا۔

"بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں ایک خاندان رکھتا ہوں۔۔۔" یہ کہتے ہوئے وہ جذباتی ہو گیا۔ "بس یہی وجہ ہے اور صرف میرے ساتھ ہی نہیں' بہت سارے لوگوں کے ساتھ' وہ یہی سوچ کر مار کھاتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔ چھوڑو ہم کس بحث میں پڑ گئے ہیں۔" عابد نے موضوع سے ہٹتے ہوئے کہا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

ہمایوں کو اس کے بارے میں نہایت اہم بات معلوم ہو گئی تھی' اُسے مصدقہ کیسے بنانا تھا' یہیں سب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ اُس نے احتیاط سے کام لیا اور اس جگہ تک رسائی حاصل کر لی جہاں اس کا مقدمہ چل رہا تھا۔ پوری طرح تصدیق کر لینے کے بعد اس شام وہ گھر سے ذرا فاصلے پر موجود پارک میں تھا۔ وہ جنید کو یہ مصدقہ اطلاع دے سکتا تھا اور اُسے پورا یقین تھا کہ جنید اس کے ساتھ کیا کرنے والا ہے لیکن جو بات اُسے پریشان کر رہی تھی وہ یہی تھی کہ اُس کا اپنا کیا ہو گا؟ کیا جنید اُسے واقعتاً دولت دے دے گا یا وہ بھی یونہی استعمال ہو جائے گا اور اگر خدانخواستہ جنید پکڑا گیا تو؟۔۔۔ یہیں پر آ کر اُس کی اپنی ہمت جواب دے رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ تبھی اچانک اُس نے سب کچھ ذہن سے جھٹک دیا۔ اُس کے دماغ میں صفیہ کا خیال آ گیا جسے محض دولت کی ضرورت تھی۔ اُس تک رسائی صرف اور صرف دولت کی وجہ ہی سے ہو سکتی تھی۔ جلدی دولت کمانے کے جو شارٹ کٹ ہیں' ان میں رسک بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ اگر وہ رسک نہیں لے سکتا تو کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا' اُسے صفیہ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔۔۔ "نہیں' میں کمزور نہیں ہوں۔" اُس نے جیسے خود سے کہا جس میں بہت شدت تھی۔ تب پھر اُس نے ساری سوچوں کو ایک طرف رکھ دیا۔ کبھی کبھی انسان کتنا خود غرض ہو جاتا ہے' اُس کی تمام تر وجہ اُس کے اندر پلنے والی خواہشیں اور اُمیدیں ہی ہوتی ہے'

ہمایوں پر بھی صفیہ کے حصول کی خواہش چھا گئی تھی۔

"ہیلو---ہمایوں بات کر رہا ہوں۔" رابطہ ہوتے ہی اُس نے جنید کی آواز پہچان کر کہا۔

"ارے ہاں' کیا حال ہے تمہارا---؟"

"مئیں ٹھیک ہوں---تم نے ایک کام میرے ذمے لگایا تھا۔"

"ہاں مئیں تمہاری طرف سے منتظر ہوں۔"

"تو وہ کام ہو گیا ہے---کل اُس کی پیشی ہے' وہ عدالت میں ضرور آئے گا۔کل اُس کا فیصلہ ہو جانے والا ہے اور یہ بھی بتا دوں کہ اُس کا مستقل کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"خبر پکی ہے نا---؟"

"بالکل پکی---"

"کیا تم مجھے بتا سکو گے کہ کل وہ کس وقت عدالت آئے گا اور اُس کے ساتھ کتنا لاؤ لشکر ہے؟"

"بتا دوں گا---"

"ٹھیک ہے' کل بات ہو گی---"

اُس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ ہمایوں کو یوں لگا جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ ذہن سے ہٹ گیا ہو۔ وہ بہت خوشگوار انداز میں گھر کی جانب چل دیا' شاید ایسا کر کے اُس کے اندر کہیں تسکین ہو گئی تھی۔

اگلے دن جب ہمایوں عدالت میں آیا تو اُس کے اندر خاصی ہلچل مچی ہوئی تھی' اُسے خود پر بڑی مشکل سے قابو ہو رہا تھا۔ وہ چیمبر میں تو آ گیا لیکن اِس کا سارا دھیان باہر احاطے ہی میں تھا جہاں لوگوں کا رش بڑھ چکا تھا اور کاروبارِ عدالت شروع تھا۔ وہ بہت محتاط تھا اور اِس کی ساری توجہ خود پر تھی کہ کہیں اُس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جائے جس سے کسی کو شک پڑ جائے۔ اُسے معلوم تھا کہ اِس کھیل میں اُس کی کتنی بڑی ذمے داری ہے۔ وہ اُٹھا اور کینٹین پر چلا گیا جہاں سے کافی فاصلے پر داخلی دروازہ تھا۔ اُسے بیٹھے ہوئے وہاں خاصی دیر ہو گئی' یہاں تک کہ اُس پر مایوسی چھانے لگی تھی کہ اچانک اُس کی نگاہ ایک کار پر پڑی جس میں سے ماجد وڑائچ اُتر رہا تھا۔ اُسے خود پر بہت غصہ آیا' وہ اَب تک کسی لینڈ کروزر کا ہی اِنتظار کر رہا تھا۔ ماجد کے ساتھ چار لوگ تھے جو چند قدم عمارت تک اُس کے ساتھ گئے اور پھر وہیں کھڑے ہو گئے' ماجد اکیلا اندر چلا گیا۔ تبھی ہمایوں نے جنید کے نمبر ڈائل کر دیئے۔

"تمہارا کام ختم ہے' تم جا سکتے ہو۔ مئیں سنبھال لوں گا۔"

جنید نے اُسے کہا اور فون بند کر دیا۔ اُسے وہاں سے چلے جانا چاہئے تھا لیکن وہ بیٹھا رہا جیسے اُس میں سکت نہ ہو۔ وہ اُٹھنا چاہ رہا تھا کہ عابد وہیں آ گیا۔

''ارے تم یہاں بیٹھے ہو خیریت تو ہے نا---؟''

''طبیعت ٹھیک نہیں' یہاں بیٹھ کر خود کو بہلا رہا ہوں۔'' اُس نے فوراً ہی بہانہ بنا دیا۔

''چلو اچھی سی چائے پیتے ہیں----''

عابد نے بیٹھتے ہوئے کہا اور چائے کا آرڈر دے دیا' پھر دونوں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ لاشعوری طور پر ہمایوں کا دھیان اِدھر ہی تھا۔ وہ چار لوگ وہیں ویسے ہی کھڑے تھے اور ماجد ابھی تک باہر نہیں آیا تھا---اس وقت وہ چائے پی چکے تھے جب ماجد باہر نکلا۔ اُسکے چہرے پر خوشی کا تاثر تھا' وہ تیزی سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور چند لمحوں میں اُس کے ساتھی بھی آئے تو گاڑی چل دی۔ ہمایوں نے گہرا سانس لیا تو عابد نے کہا۔

''اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو گھر چلے جاؤ---''

''کچھ دیر اور رکتا ہوں' پھر چلا جاؤں گا---''

بے اختیار اُس کے منہ سے نکلا اور پھر وہ دونوں چیمبر کی جانب چل دیئے۔ ابھی وہ چیمبر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھے کہ اچانک فضا دھماکے سے گونج اٹھی۔ اس کے بعد ہوائی فائرنگ ہوئی اور یکدم خاموشی کے بعد چیخ و پکار ہونے لگی۔ لوگ ایک جانب دوڑنے لگے۔ اُن کے چیمبر سمیت بھی لوگ باہر آ گئے تھے۔ اگلے چند لمحوں میں یہ اطلاع پھیل گئی کہ ماجد وڑائچ قتل ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی ہمایوں کے پورے بدن میں سنسنی کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

☆☆

مشرقی اُفق دھیرے دھیرے سفید ہو گیا تھا اور وہاں پر موجود سفید بادل زردی مائل ہو رہے تھے۔ گنجان شہر میں موجود تیسری منزل کی چھت پہ پڑی چارپائی پر جنید کی آنکھوں میں رات کٹ گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چند دنوں ہی میں حالات کتنی تیزی سے بدلے ہیں۔ وہ خواہش جو پوری نہیں ہو پا رہی تھی۔ اچانک پوری ہو گئی' جس کی ابھی اُسے توقع تک نہیں تھی' جیسے ماجد وڑائچ' یہی وہ شخص تھا جس کی اُسے تلاش تھی۔ ایک وقت تھا کہ وہ اُس کے سامنے تھا لیکن وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ پھر جنید خود ایسی راہ پر چل نکلا تھا جس کی کوئی منزل نہیں تھی۔ ایسا انجان راستہ جس میں موت کہیں بھی اُس کے گلے لگ سکتی تھی۔ اِنہی دنوں میں اُس نے ماجد کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اُسے نہیں ملا۔ یہ وہی وقت تھا جب ماجد یونیورسٹی کے منظر سے غائب ہو چکا تھا' تب جنید نے سوچ لیا تھا کہ جب بھی وہ اُس کے سامنے آیا' وہ اس سے اپنا بدلہ ضرور چکائے گا۔ ہمایوں نے جو اچانک اس کا ذکر کیا تو سارے ہی زخم ہرے ہو گئے۔ اگرچہ اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ ہمایوں کی وجہ سے ماجد تک پہنچ جائے گا' لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ جسے ہم ناواقف آدمی سمجھ رہے ہوتے ہیں' وہی سب سے بڑا واقفِ راز ہوتا ہے۔ جنید کو اس چھوٹی سی عمر میں ہی بہت سارے تجربات سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ساتھ چلنے والے لوگوں میں سے کوئی اُس پر ریوالور تان کر کھڑا ہو جاتا اور جسے وہ دشمن سمجھ رہا ہوتا' وہی اُن کی جان بچانے کی کوشش کرتا۔ نیت پر شک کرنا تو معمولی سی بات تھی اور کوئی اُس کے لیے جان تک سے گزر جانے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ ہمایوں کو وہ ایک معمولی سا مہرہ سمجھ رہا تھا جس نے اُس کی بڑی مشکل حل کر دی۔ اُس نے عدالت کے باہر ایسا جال بچھایا تھا جس سے ماجد بچ نہ

سکا۔جنید کا انتقام پورا ہو چکا تھا۔جس وقت ماجد وڑائچ کی لاش اُس کے سامنے پڑی تھی'اس وقت اُسے کبیل بہت یاد آیا تھا۔وہی اُس کا ایسا کزن تھا جو اُس کے سارے رازوں پر پردہ ڈال دیتا تھا'جو کزن کم اور دوست زیادہ تھا۔اُسے ماجد نے اس لیے قتل کر دیا تھا کہ وہ مخالف طلبہ تنظیم کے لیے سرگرم کیوں ہے۔

ماجد وڑائچ کے قتل کی خبر پورے شہر میں جنگل کی آگ کی مانند پھیل گئی۔اِس واردات میں جنید اکیلا نہیں تھا۔شام ہونے تک وہ اپنی قیادت کے دو سینئر ممبرز کے سامنے تھا۔

''آخر تم نے اُسے قتل کیوں کیا---؟''

یہ تھا سوال جو اُس سے کیا گیا'وہ دونوں رُکن اُس سے جواب طلب کر رہے تھے۔

''یہ میرا ذاتی معاملہ تھا جس کے لیے مَیں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔''

''تمہارا یہ جواب اطمینان بخش نہیں ہے'جنید! تنظیم میں ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم کسی کو بھی قتل کر دو۔عالمگیر اگر ہسپتال میں جل بسا ہے تو اس کے ذمہ دار بھی تم ہو۔تمہارا یہ منصب نہیں ہے کہ تم لوگوں کو قتل کرو۔''

''میرا منصب ہے یا نہیں لیکن ماجد کے معاملے میں اگر تنظیم میں نہ بھی ہوتا تو مَیں نے اُس سے اِنتقام لینا تھا۔اُس نے میرے بھائی کو قتل کیا تھا۔وہ آپ ہی کی تنظیم کا رُکن تھا'کیا کیا تھا آپ نے---کوئی مقدمہ'کوئی سزا؟بس آپ کی طرف سے پوسٹر چھپ گئے'اُس کی موت کو بھی آپ لوگوں نے کیش کرایا۔''

''---اور عالمگیر کے معاملے میں---؟''

''ہر بندے کو اپنے بچاؤ کا حق حاصل ہے۔مَیں اُسے قتل کرنے نہیں گیا تھا'میری نیت کچھ اور تھی لیکن اُس نے میری بات نہیں سُنی'ذیشان اس کا گواہ ہے۔''

''ذیشان---کہاں ہے ذیشان'کیا وہ تمہارے حق میں گواہی دے سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں دے گا۔وہ ہمارا ساتھی ہے'ابھی آپ فون کر کے اُسے پوچھ سکتے ہیں۔''

''تو چلو ملاؤ اُس کا نمبر---''

جنید نے فون نکالا اور ذیشان کے نمبر ملائے لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

''وہ اَب تم سے کبھی بات نہیں کر سکے گا'کیونکہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر جا چکا ہے۔''

''کیا مطلب---؟''

''ہمیں اُس کا نہیں پتہ لیکن یہی پتہ چلا ہے کہ وہ اس ملک میں نہیں ہے---عالمگیر کا قتل تم دونوں پر ہے'وہ بھاگ گیا اور تم من مانی کر رہے ہو جو تنظیم کے اصولوں سے غداری ہے۔''

''کیا آپ میری نیت پر شک کر رہے ہیں---؟''

''کوئی شخص بھی حرف آخر نہیں ہے۔ہم تمہیں ایک موقعہ دے رہے ہیں۔ذیشان کے بارے میں پتہ کرو اور عالمگیر کے بارے میں کوئی ٹھوس جواز ہے تو بتاؤ ورنہ---''

''---ورنہ مجھے قتل کر دیا جائے گا' یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''صرف تین دن ہیں تمہارے پاس---اپنی پوزیشن صاف کرو'ہم بھی کوشش کر رہے ہیں اور ہاں' یہ وارننگ ہے تمہیں کہ اب تم کوئی من مانی نہیں کرو گے۔''

وہ وہاں سے وارننگ لے کر اسی گھر میں آ گیا۔وہ یہی سوچ رہا تھا کہ یہ کیسی گتھی ہے جو سلجھ نہیں رہی' کیا عالمگیر غلط تھا یا ذیشان اُسے استعمال کر گیا ہے؟ جو کچھ بھی تھا' ان دونوں ہی کے درمیان تھا اور اُسے یہ گتھی فقط تین دنوں میں سلجھانا تھی۔پوری رات وہ انہی پہلوؤں پر سوچتا رہا لیکن کچھ بھی تو پلے نہیں پڑا' اُس کا دماغ دُکھنے لگا تھا---

انسان کے اندر فطری ردِ عمل بھی پایا جاتا ہے جیسے ہی کوئی سوچ اُبھرتی ہے تو اس کے ساتھ ایک دوسری سوچ بھی اُبھرتی ہے جو بالکل اس کے متضاد ہوتی ہے۔یہاں تک کہ کوئی ایک سوچ رہتی ہے لیکن دوسری متضاد سوچ برابر اپنا آپ منوانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔انسانی دماغ کسی وقت بھی سوچ سے خالی نہیں رہ سکتا۔اس طرح جنید کے دماغ میں رات بھر ایک ہی مرکز کے گرد نہ جانے کتنی سوچیں گھومتی رہیں۔آخرکار وہ موضوع جس نے ذہن کو تھکا کر رکھ دیا تھا' وہ محو ہونے لگا اور اس کے ساتھ راحیلہ کا تصور اُبھر آیا جس کے ساتھ ہی خوشگواریت کا احساس در آیا---راحیلہ! وہ بھی کسی گتھی سے کم نہیں تھی۔بلاشبہ وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس کا حسن کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر سکتا تھا۔اُسے پورا یقین تھا کہ وہ اُس کے ساتھ تعلق چاہتی ہے لیکن اس کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے' شروع شروع میں اُسے خود سمجھ نہیں آئی تھی۔چند ملاقاتوں تک اُسے خود پتہ نہیں چل رہا تھا کہ راحیلہ آخر چاہتی کیا ہے۔اس کا چہرہ اور آنکھیں اُسے ایک خاص سمت کی طرف اشارہ دیتی تھیں اور وہ سمجھ نہیں سکا تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ پہلی ملاقات سے لے کر آخری ملاقات تک اگر اُس نے راحیلہ کو آگے بڑھنے کا موقعہ دیا تھا تو صرف اسی وجہ سے---آخری ملاقات میں جو اس نے اپنے بارے میں بتایا اور اُسے مدد چاہی تب اُسے اندازہ ہوا کہ معاملہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے لیکن ایک اَن کہا احساس بھی اس کی باتوں میں لپٹا ہوا تھا جس سے سوالیہ نشان اُبھرتے تھے۔کیا وہ فقط مدد ہی چاہتی ہے یا اس جذبے کا اظہار بھی جو اس کی آنکھوں سے چھلک رہا ہوتا ہے یا پھر ایسا کچھ بھی نہیں ہے' معاملہ ہی کچھ اور ہو سکتا ہے جس کی اُسے توقع بھی نہ ہو---کیا ہو سکتا ہے؟ یہی سوال اُس کے سامنے آ کر تن گیا۔اُس کا دماغ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہ رہا تھا اس لیے وہ اُٹھا اور چھت سے نیچے آ گیا۔اُس نے شاور لیا' ناشتہ کیا اور لمبی تان کر سو گیا۔وہ پہر کے بعد اُس کی آنکھ کھلی تو وہ بہت حد تک فریش تھا۔اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ باہر نکلے لیکن کہاں جائے؟ یہ اُس کے ذہن میں قطعاً نہیں تھا۔وہ اسی چار دیواری سے گھٹن محسوس کرنے لگا تھا جس میں وہ تھا اور ایک مرید لڑکا سلطان جو اُس کے کھانے پینے کا انتظام کرتا تھا۔وہ تیار ہوا اور باہر نکل گیا۔اُس کی جیب میں بھاری رقم تھی۔بڑی سڑک پر آ کر اُس نے فون نکالا اور ہمایوں کے نمبر ملائے۔

''میں جنید بات کر رہا ہوں۔''

''ہوں' بولو۔۔۔'' دوسری طرف سے انتہائی محتاط انداز میں کہا گیا۔

''مجھے کہیں ملو۔۔۔''

''کہاں پر۔۔۔؟'' اس کا انداز ویسا ہی تھا۔

''جہاں تم مناسب سمجھو۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے گھر سے ذرا فاصلے پر ایک پارک کا نام بتا دیا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ دونوں اس پارک کے ایک سنگی بینچ پر آ بیٹھے۔

''کیا بات تھی۔۔۔؟'' ہمایوں نے جنید کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں اپنا وعدہ نبھانے آیا ہوں۔۔۔ یہ لو تمہاری توقع سے زیادہ رقم ہو گی۔'' اس نے اندرونی جیب سے ایک خاکی رنگ کا پھولا ہوا لفافہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جنید! اسے واپس رکھ لو۔'' ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

''واپس رکھ لوں۔۔۔ مطلب؟'' وہ قدرے حیران ہوتے ہوئے بولا۔

''تم یہ مت سمجھنا کہ میں کسی خوف کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں' ایسا نہیں ہے۔ میں تمہارے کام آ گیا' یہی بہت بڑی بات ہے۔''

اس نے کہا تو جنید چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

''اصل بات بتاؤ' تم چاہتے کیا ہو؟''

''میں جو چاہتا ہوں' اس میں دولت سب سے اہم چیز ہے۔ میں دولت مند بننا چاہتا ہوں۔''

''یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں' پیارے! اس معاشرے کی اکثریت ایسا ہی چاہتی ہے لیکن یہ تضاد کیوں ہے میں تمہیں اچھی خاصی رقم دے رہا ہوں اور تم انکار کرتے ہوئے دولت مند بننے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہو۔۔۔؟'' یہ کہتے ہوئے وہ چونک گیا اور فوراً ہی بولا۔ ''ہاں' اگر تم یہ کہو کہ میں تمہیں کوئی ایسا راستہ بتا دوں تو ایسا ممکن نہیں ہے' مجھے بھی نہیں معلوم۔۔۔''

''پھر تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی ہے؟''

''یہ میری نہیں' کسی اور کی ہے۔۔۔ اور ہاں' تم اگر میرے ساتھ شامل ہو جانے کی سوچ رہے تو بھی ممکن نہیں ہے۔ میں کسی اور دُنیا کا باسی ہوں۔''

''چلیں ٹھیک ہے' ہمارے درمیان جو بھی ہوا میں اسے بھول جاتا ہوں۔ آج سے ہم اجنبی۔۔۔''

"تمہارا پرابلم کیا ہے۔۔۔ بتاؤ شاید کوئی راستہ نکل آئے؟"

جنید کے یوں کہنے پر ہمایوں نے انتہائی اختصار کے ساتھ صفیہ والا معاملہ بتادیا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد جنید نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"میں اُس کے دل میں تمہارے لیے محبت تو پیدا نہیں کرسکتا۔۔۔ ویسے اُسے تم سے نفرت کیوں ہے؟"

"میں نے کبھی ایسا کوئی کام کیا نہیں جس سے وہ میرے ساتھ نفرت کرے۔ اُس کی نفرت صرف غربت سے ہے' اتنے دنوں میں یہی پایا ہے میں نے اور یہ غربت مٹانا میرے بس کی بات نہیں' یہ ہے اور اسے ختم کرنے کی کوئی راہ بھی نظر نہیں آتی۔"

"۔۔۔ اور تم سمجھتے ہو کہ دولت ہی سے اُس کا دل جیت سکتے ہو۔"

"یقیناً۔۔۔"

"لیکن تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ جب تک تم دولت مند ہو جاؤ گے' اس وقت تک۔۔۔ کیا نام بتایا تھا تم نے۔۔۔ ہاں' تیمور! اس وقت تک تو وہ صفیہ کو لے اُڑے گا۔۔۔ دولت حاصل کرنے کا جتنا بھی شارٹ کٹ طریقہ ہو' اس میں وقت تو لگتا ہے' نا یار ے!"

"ہاں۔۔۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ جب میں صفیہ کو حاصل ہی نہیں کرسکتا تو پھر اس دولت کا مجھے کیا کرنا۔۔۔ میں نے رات بہت سوچا تھا اسی لیے منع کر رہا ہوں۔"

"دیکھو' اس دُنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ کوشش بہرحال کرو وہ۔۔۔"

"سارے راستے بند ہیں' اس وقت تک بند ہیں جب تک صفیہ کے دل کا دروازہ نہیں کھل جاتا۔ اُس پر چاہے دولت کی دستک ہو یا پیار کی۔۔۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ خیر' تم اس رقم کو رکھو۔ کبھی کام آئے گی۔۔۔ میں نے تمہارے لیے پلان سوچا ہے' فرصت ملی تو میں ضرور تم سے ڈسکس کروں گا۔ فی الحال تو میں خود پھنس گیا ہوں۔"

"وہی واجد کے معاملے میں۔۔۔؟" ہمایوں نے تیزی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ کچھ اور معاملہ ہے۔" اُس نے لاپرواہی سے اِردگرد دیکھتے ہوئے کہا اور پھر لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

"کیا میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں؟" ہمایوں نے لفافہ لیتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"پتہ نہیں۔۔۔" یہ کہتے ہوئے وہ چونک گیا۔ اُس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ اَب تک عالمگیر اور ذیشان کے معاملے میں اُلجھن کا شکار رہا ہے' اس سے گفتگو کرکے دیکھے شاید کوئی نئی بات سامنے آجائے۔ یہی سوچ کر اُس نے کہا۔ "آؤ' کسی ریستوران میں چلتے ہیں۔ وہاں کھانا۔۔۔"

"تم پاگل ہو۔۔۔ کیا تمہیں یہ خوف نہیں کہ پکڑے جاؤ گے؟"

"مجھ پر شک ہوگا تو۔۔۔ کل سے اُس کے مخالف لوگوں کو پکڑا جا رہا ہے' میرا تو اُس کا حساب کتاب ہی بہت پرانا تھا۔۔۔ خیر' وہاں سے

کھانا لیتے ہیں اور کسی محفوظ ٹھکانے پر بات کرتے ہیں۔"

"کھانے کے بعد جنید واپس اسی گھر میں ہمایوں کے ساتھ آ گیا تھا۔ وہاں اُس نے اطمینان سے اسے طویل داستان سنائی۔ وہ بہت غور سے سنتا رہا۔ وہ جب ساری بات کہہ چکا تو اُس نے ہمایوں کی طرف دیکھا۔

"جنید! اس میں صرف ایک بات سے ساری اُلجھن دور ہو جائے گی۔ وہ تم جس وکیل سے ملے تھے——"

"ہاں، وہ فاروق چوہدری——؟"

"بات وہیں جا کر گم ہو گئی ہے۔ وہ بتا سکتا تھا کہ لڑکی کون ہے۔ ذیشان ہی نے بتایا تھا، اُس کے بارے میں اور تم نے بھی تصدیق نہیں کی۔ کیا واقعی ایسا کوئی معاملہ ہوا تھا؟ اس کی تصدیق ضروری تھی——دیکھو دو باتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ واقعہ ہوا یا نہیں ہوا۔ چونکہ بات فارق چوہدری پر ختم ہوئی آگے نہیں چلی تو ہونے یا نہ ہونے کی تصدیق وہیں ہو گی۔"

"میں سمجھ گیا ہوں——فاروق چوہدری یا تو لڑکی سے ملوائے اور معاملے کی تصدیق ہو پھر میرا موقف قیادت کے سامنے دُرست ہو گا اور اگر ایسا کچھ بھی نہیں ہے تو ذیشان مجھے استعمال کر گیا ہے اور بلاشبہ——وہ——عالمگیر——کو قتل کر چکا ہے——" جنید کو جیسے ہی بات سمجھ میں آئی وہ بُری طرح چونک گیا۔ وہ کتنی ہی دیر تک خاموش بیٹھا یہی سوچتا رہا۔ پھر ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔"

"تو پھر مجھے اجازت——؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"ہاں، تم جاؤ میں دوبارہ تم سے رابطہ کروں گا۔ میرے فون کا انتظار کرنا۔"

"اوکے——"

اس نے اُٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ جنید اسے باہر تک چھوڑنے آیا مگر اُس کا سارا دھیان اسی طرف تھا جس کی نشاندہی ہمایوں نے کی تھی اُس پر بہت کچھ واضح ہوتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆

صفیہ ڈرائنگ روم میں تنہا تھی۔ اُس کی ساری توجہ سامنے دھرے ٹی وی اسکرین پر تھی جہاں فیشن سے متعلق پروگرام چل رہا تھا۔ میزبان خاتون کپڑوں کے بارے میں بتا رہی تھی کہ فیشن میں آج کل کیا اِن ہے اور کیا آؤٹ۔ صفیہ پوری توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ اُسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب اُس کا باپ ڈرائنگ روم میں آ گیا ہے۔ چند لمحے بعد جب اُسے احساس ہوا تو اُس نے والیم کم کر دیا اور باپ کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"آپ کو دیر نہیں ہو گئی آج——اور بھائی نہیں آئے؟"

"وہ کچھ دیر تمہاری ماں کے پاس رُک گیا ہے میں بھی وہیں تھا۔" اصغر علی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔" اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں رہنے دو---ابھی کھانا کھاؤں گا۔" یہ کہہ کر اُس نے صفیہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔ "تم بیٹھو میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" اُس نے کچھ اس انداز میں کہا جس کی صفیہ کو فوری طور پر سمجھ نہیں آ سکی۔ وہ اندر سے لرز گئی تھی لیکن اُس کے باپ کے انداز میں غصہ یا تلخی نہیں تھی۔ وہ دھیرے سے بیٹھ گئی اور اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "یہ تیمور کون ہے؟"

اُس کے باپ کا لہجہ اس طرح تھا کہ جیسے اُس سے پوچھ تاچھ نہیں بلکہ معلومات لے رہا ہو۔ اس پر صفیہ کو قدرے حوصلہ ہوا۔

"پاپا! آپ مجھ سے جو بھی پوچھیں گے میں آپ کو بالکل سچ بتاؤں گی لیکن یہ ذہن میں ضرور رکھئے گا کہ آپ کی بیٹی اپنا اچھا بھلا خوب جانتی ہے۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے---میں نے جو پوچھا ہے وہ بتاؤ؟"

"پاپا! وہ شہر کے ایک بہت بڑے انڈسٹریلسٹ کا بیٹا ہے' آپ بھی انہیں جانتے ہیں۔ شیخ عزیز الرحمٰن' وہ اُن کا بیٹا ہے۔ وہ زیادہ عرصہ برطانیہ میں رہا ہے' ابھی کچھ عرصہ پہلے وہ یہاں آیا ہے۔ میری اُس کی ملاقات تا ئبہ---"

"کیا وہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے---؟"

یوں باپ کے اچانک پوچھنے پر وہ قدرے گڑبڑا گئی اور ہکلاتے ہوئے بولی۔

"ج ج---جی ہاں---"

"جس طرح مجھے معلوم ہوا ہے' کیا اس طرح اُن کے خاندان کو بھی تمہارے بارے میں معلوم ہے؟"

"پتہ نہیں---میری اس موضوع پر اس سے کبھی بات نہیں ہوئی۔"

"بیٹی! تم پیاہ کر جس گھر میں جانا چاہ رہی ہو' اُس گھر کے بارے میں' اُس کے افراد اور اُن کے خیالات بارے تمہیں کچھ پتہ نہیں ہے۔ تم نے اُس سے یہ پوچھنا گوارا نہیں کیا کہ اُس کے والدین تمہیں قبول کریں گے بھی یا نہیں؟"

"میں نے ابھی اس لیے نہیں پوچھا ہے پاپا! کہ وہ فوراً شادی چاہتا ہے مگر میں ابھی نہیں چاہتی۔ ہمارے درمیان ابھی یہی بات چل رہی ہے۔"

"تم ابھی کیوں نہیں شادی کرنا چاہو گی؟"

"اس لیے پاپا! کہ میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ بزنس میں آؤں۔ میں اپنا آپ منوانا چاہتی ہوں۔"

"---اور اس پر تیمور کا ردِ عمل کیا ہے؟"

"وہ میری بات مانتا ہے۔ اُس نے شادی کا معاملہ میری مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔"

اصغر علی نے بیٹی کی زبانی یہ بات سُنی تو ایک لمحے کے لیے وہ پریشان ہو گیا' اُس کے منہ سے ایک سرد آہ برآمد ہوئی۔ اُسے لگا جیسے وہ اعصاب پر سے کنٹرول کھو دے گا' تاہم اُس نے بہت مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! میں مانتا ہوں کہ تم اپنا اچھا بھلا خوب سمجھتی ہو ذہین ہو اور دُنیا کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو لیکن تم یہ مانو گی کہ تم ابھی ناسمجھ اور ناتجربہ کار ہو۔ تم نے ابھی گھر اور کالج کی دُنیا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا جبکہ یہاں قدم قدم پر پھندے ہیں---"

"پاپا! تیمور ایسا نہیں ہے---"

"میں مانتا ہوں کہ وہ ایسا نہیں ہوگا لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ یہاں قدم قدم پر دھوکا دیا جاتا ہے۔"

"پاپا! تیمور کے پاپا اُس کو بہت چاہتے ہیں وہ اُس کی بات ٹال ہی نہیں سکتے۔ وہ منتظر ہے کہ میں ہاں کروں اور وہ اپنے گھر والوں سے بات کرے۔"

"---اور تم ابھی وقت چاہتی ہو---دیکھو بیٹی! بزنس کی دُنیا میں صرف آج پر نگاہ رکھی جاتی ہے جو کل گزر گیا سو گزر گیا اور ابھی جو کل آنے والا ہے اُس نے ابھی آنا ہے۔ ہمارے پاس چانس ہے کہ اسے خوبصورت بنائیں مگر ہم ہر شے کو بزنس کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے---"

"پاپا! آپ اُس خاندان کو جانتے ہیں وہ دولت مند محترم اور باعزت خاندان ہے اور پھر تیمور بہت اچھا ہے۔"

"تم اپنی بات کو دُہرا رہی ہو جبکہ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہو۔ ایک جانب تم اپنا آپ منوانے کی بات کر رہی ہو اور دوسری جانب تیمور کے خاندان کی خوبیاں گنوا رہی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ تم ان دونوں آپشنز پر چلتے ہوئے یکسوئی قائم نہیں رکھ سکتی ہو۔ تمہیں ایک آپشن بہرحال چھوڑنا پڑے گا۔"

"مگر پاپا! مجھے کوئی دُشواری پیش نہیں آرہی ہے۔ میں---"

"میں پھر کہہ رہا ہوں۔ وہ بہت اچھا خاندان ہی لیکن ہمارا معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ تمہارا نام اُس کے ساتھ آئے اور لوگ کھلم کھلا اس پر اظہار کریں۔ ہم کسی مغربی معاشرے میں نہیں رہ رہے ہم جتنے بھی ماڈرن ہو جائیں لیکن ابھی مشرقیت ہمارے اندر ہے۔ کوئی باپ یہ سب برداشت نہیں کرسکتا۔" اصغر علی کا لہجہ دھیرے دھیرے تلخ ہونے لگا تھا لیکن جیسے ہی اُسے احساس ہوا فوراً خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "میں نے تحمل اور پیار کے ساتھ اس لیے تم سے گفتگو کی ہے کہ تم اِن حالات پر غور کرو۔ میں تم پر کسی بھی قسم کے دباؤ کے حق میں نہیں ہوں۔ میں تمہاری مرضی کو اوّلیت دوں گا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم اپنے اور اپنے خاندان کا وقار بہرحال پیش نظر رکھو گی۔"

"پاپا! پلیز---میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس سے میری یا میرے خاندان کی عزت پر حرف آئے۔"

"مگر تم لوگوں کی زبان نہیں پکڑ سکتی ہو۔ جس طرح یہ چانس ہے کہ وہ تمہارے ساتھ تعلق نبھائے گا اسی طرح یہ چانس بھی تو موجود ہے کہ وہ تمہیں چھوڑ بھی سکتا ہے۔ ایسا کیا حق ہے تمہارے پاس؟"

"میں مانتی ہوں پاپا! میرے پاس اس وقت کوئی حق نہیں ہے۔"

"تو ایسے حالات میں تمہیں کیا کرنا چاہیے---؟"

"پاپا! مجھے تھوڑا سا موقع دیں۔ میں ایک بار تیمور سے بات کرلوں۔ اس کے بعد جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا---"

"فیصلہ تم نے کرنا ہے۔ اگر تم ابھی شادی کے حق میں ہو تو میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا اور اگر نہیں، تم میرے ساتھ بزنس میں آنا چاہتی ہو تو پھر تمہیں سب کچھ بھلانا ہوگا۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنی آواز کو مزید نرم بناتے ہوئے کہا۔ "میری تجربہ کار نگاہیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ وہ خاندان دولت میں ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمیں امیر ہوئے اتنا عرصہ نہیں ہوا لیکن وہ کم از کم تین نسلوں سے امیر ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ تیمور کا ذہن کیا ہے۔ ممکن ہے وہ بہت کھلے ذہن کا ہو لیکن میں باپ ہونے کے ناتے تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ یہ ناتا بہت مشکل سے ہونے کا امکان ہے۔"

"لیکن پاپا! اگر ہو جائے تو --- میں کوشش ---"

"تم اپنی کوشش کر دیکھو لیکن بات وہی ہے کہ اپنے خاندان کی عزت کو داؤ پر مت لگانا۔ میں ان والدین میں سے نہیں ہوں جو اپنی جوان اولاد پر پابندیاں لگاتے اور انہیں بغاوت پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری ماں جو سوچ رہی ہے میں اس سے بھی متفق ہوں اس لیے مجھے اُس کے سامنے بھی شرمسار نہ کرنا۔ میں فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں، تم خوب سوچ لو---"

"پاپا! یہ تو آپ یقین رکھیں میں اپنی عزت اور عصمت کے معاملے میں خالص مشرقی ہوں۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ میں آپ ہی کی بات مانوں گی --- آپ بتائیں میں کیا کروں؟"

"نہیں --- میں تم پر ذرا سا بھی دباؤ نہیں ڈالوں گا۔ میں نے کہا نا، تم سوچ لو اور مجھے بتا دو---"

اصغر علی نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور پھر اُٹھ گیا۔ وہ اپنے کمرے کی جانب چلا گیا تھا جبکہ صفیہ گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ اُسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اُس کا باپ اس قدر تحمل اور نرمی کے ساتھ اس سے بات کرے گا اور اسے سمجھائے گا۔ اس نے بجائے پابندیاں لگانے اور اپنا حق جتانے کے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ جو چاہے --- اُسے سوچنا تھا اور پھر اپنا فیصلہ دینا تھا۔ چند لمحے کے لیے تو اُسے یوں لگا جیسے تیمور اس سے بہت دُور جا چکا ہے لیکن اُس کے باپ کی بات بھی بالکل دُرست تھی سو اس نے تیمور سے آخری بار حتمی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ طے کر کے وہ اُٹھ گئی۔

☆☆

راحیلہ دھیرے دھیرے آہستہ قدموں سے ہاسٹل وارڈن بیگم شمیم کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اُسے پورا یقین تھا کہ اُسے کچھ اچھی بات سننے کو نہیں ملے گی۔ اُسے اپنی سینئرز سے معلوم ہو گیا تھا کہ اُسے اپنی راہ پر لانے کے لیے جال تنگ کر دیا گیا ہے۔ تھوڑی دیر قبل جب اُسے بیگم شمیم کی طرف سے بلاوا آیا تھا، وہ اسی وقت سمجھ گئی تھی کہ کیا ہونے والا ہے، پھر بہت سوچ کر اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ اُسے کیا کہنا ہوگا۔

"میں اندر آ سکتی ہوں؟"

راحیلہ نے دھیمی آواز سے کمرے کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس پر بیگم شمیم نے جو میز کے دوسری طرف کاغذات پر دھیان دیے بیٹھی تھی، سر اُٹھا کر چشمے کے پیچھے سے اُسے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ راحیلہ چلتی ہوئی اُس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ بیگم شمیم نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر قدرے کرخت لہجے میں بولی۔

"اچھا تو یہ تم ہو۔۔۔۔ راحیلہ ہی نام ہے نا تمہارا؟"

"جی میرا نام ہی راحیلہ ہے۔" اُس نے انتہائی تحمل اور شائستگی سے کہا۔

"تمہارے بارے میں بہت ساری شکائتیں آ رہی ہیں۔ پہلے تو مجھے فقط زبانی کہا گیا تھا جسے میں نے نظر انداز کیا لیکن اِس بار مجھے باقاعدہ چٹھی ملی ہے۔" بیگم شمیم نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا الزامات لگائے گئے ہیں مجھ پر۔۔۔؟"

راحیلہ نے اسی تحمل سے پوچھا تو بیگم شمیم نے چونک کر اُسے دیکھا۔

"لڑکی! اِس کا مطلب ہے تم جانتی ہو کہ تم پر الزامات لگ سکتے ہیں۔ اِس کا مطلب۔۔۔ تمہیں اندازہ تھا کہ تمہارے خلاف ایسا۔۔۔"

"میڈم! آپ پلیز' مجھے الزامات تو بتائیں' آخر میں نے کیا کیا جرم کیے ہیں؟"

"تمہارا رویہ ٹھیک نہیں' تم ڈیوٹی سے اکثر غائب رہتی ہو۔ سینئرز کو نظر انداز کرتی ہو اور اپنے فرائض ٹھیک طرح سر انجام نہیں دیتی ہو۔ تمہاری غفلت کی وجہ سے دو مریضوں کی جان کو خطرہ بھی لاحق ہوا۔" بیگم شمیم نے فردِ جرم پڑھ کر سنا دی۔

"میڈم! کیا آپ نے تحقیق کر لی ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے؟"

راحیلہ نے اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ جس پر بیگم شمیم نے بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے راحیلہ کو دیکھا' پھر تیوریوں پر بل ڈالتے ہوئے بولی۔

"یہ میرے فرائض میں شامل نہیں ہے کہ جو کچھ تم لوگ ہسپتال کے اندر کرو میں اُس کی تحقیق کرتی پھروں۔ میری حدود ہوسٹل کی چار دیواری ہے۔ ہسپتال انتظامیہ نے یہ چٹھی مجھے اس لیے بھیجی ہے کہ مجھے بھی اطلاع ہو سکے اور میں تمہیں بتا سکوں کہ تم خود پر لگے الزامات کا دفاع کر سکو۔ تمہیں انتظامیہ کے سامنے جا کر اپنی پوزیشن صاف کرنا ہو گی ورنہ پھر تمہارے خلاف فیصلہ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے مجھے اطلاع ہو گئی۔۔۔۔ یہ بتا دیجئے کہ مجھے کب ہسپتال انتظامیہ کے سامنے پیش ہونا ہو گا؟" اُس نے عام سے انداز میں کہا۔

"راحیلہ! تم اِس چٹھی کو بہت معمولی لے رہی ہو۔ یہ آن ریکارڈ معاملہ ہے' اگر اِس پر ایکشن ہوا تو تمہیں یہاں سے نکالا جا سکتا ہے۔" بیگم شمیم نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ جو جرم کرتا ہے' اُسے سزا ضرور ملنی چاہئے۔ یہ میں ہوں یا کوئی اور ہو۔ میں اگر یہاں سے نکال دی جاؤں گی تو کیا میں اتنا بھی نہیں کر سکتی کہ جو بھیانک چہرے ہیں اور اِن پر جو بڑا خوبصورت نقاب چڑھا ہوا ہے میں وہ بھی نہ اُتار سکوں۔ میں بھی جانتی ہوں اور آپ کو بھی معلوم ہے کہ مجھ پر یہ سارے الزام جھوٹے ہیں۔ میں آپ سے کوئی التجا نہیں کروں گی۔ آپ جو چاہے' کر سکتی ہیں۔ انتظامیہ جو چاہے' کر سکتی ہے لیکن پھر مجھے بھی اپنی مرضی کرنے کا پورا حق ہو گا۔"

"بہت بولتی ہو تم اور واقعی ہی تمہارا رویہ بہت خراب ہے۔ تم میرے سامنے اس طرح بول رہی ہو تو ڈاکٹرز سے کس طرح بات کرتی ہو گی۔

تمہیں پتہ ہے کہ مجھے اس قدر اختیار ہے میں تمہیں یہاں سے باہر پھینک سکتی ہوں۔"

"آپ ایسا کر سکتی ہیں میں نے کب روکا ہے۔ ہر شخص اپنے اختیار کے نشے میں ہے آپ بھی ہو سکتی ہیں۔ نکال دیں مجھے مگر یہ یاد رکھیں کہ رات گئے تک جو لمبی لمبی گاڑیاں ہوسٹل کے باہر آ کر رکتی ہیں وہ ضرور آنا بند ہو جائیں گی۔"

"تم اس قدر--- اس قدر زبان دراز ہو۔"

"نہیں میں سچ کہہ رہی ہوں میڈم! آج آپ مجھے یہ الزامات کی فہرست بتا رہی ہیں میں اگر اپنا ضمیر مار دوں تو آپ ہی مجھے نوازشات کی فہرست سنائیں گی--- آپ مجھے ہوسٹل سے باہر پھینک دیں لیکن اگر آپ میں ضمیر نام کی کوئی شے ہوئی تو آپ کو یہ احساس ضرور ہوگا کہ آپ نے اندھیرے مزید گہرے کیئے ہیں۔"

"انتظامیہ نے تم پر جو چارج لگائے ہیں وہ بالکل ٹھیک ہیں۔" یہ کہہ کر وہ طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔ "وہ اس طرح ٹھیک ہیں کہ تم اس ماحول میں مس فٹ ہو۔ تمہیں یہاں ہونا ہی نہیں چاہئے تھا۔ تمہارے جیسی لڑکیاں سوائے سر درد کے اور کچھ نہیں ہوتیں۔"

"ٹھیک ہے۔ جب انتظامیہ مجھ سے یہ سوال کرے گی تو میں وہیں جواب دے دوں گی۔"

راحیلہ نے واضح انداز میں کہا تو بیگم شمیم مسکرا دی اور پھر بولی۔

"ممکن ہے ایسا موقع ہی نہ آئے اور تم یہاں سے جانے پر مجبور ہو جاؤ۔"

"ممکن ہے سب کچھ ممکن ہے یہ بھی ممکن ہے کہ میں یہیں رہوں اور آپ لوگ مجھے یہیں رکھنے پر مجبور ہو جائیں۔"

راحیلہ نے انتہائی اطمینان سے کہا تو پہلی بار بیگم شمیم کے ماتھے پر سوچ کے واضح آثار ابھرے۔ اس کا چہرہ حیرت کا تاثر دینے لگا تھا۔

"کیا کر لوگی تم---؟" اس نے تیز آواز میں پوچھا۔

"ردِ عمل--- ظاہر ہے میں ردِ عمل ہی کر سکتی ہوں اور وہ کچھ نہیں کر سکتی، جس کی وجہ سے مجھ پر چارج ہیں۔" راحیلہ نے آرام سے کہا۔

"ٹھیک ہے بہت جلد تمہیں فیصلے سے آگاہ کر دیا جائے گا--- اب تم جا سکتی ہو۔"

اس نے تذبذب سے کہا تو راحیلہ مڑی اور دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی ہوئی واپس چلی گئی---

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر پڑی سوچ رہی تھی، اُس کی زندگی کا مشکل ترین مرحلہ آ گیا تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ میڈم کا یوں اپنے آفس میں بلا کر بات کرنا واضح طور پر دھمکی تھی اور وہ یہ چاہتے بھی تھے کہ راحیلہ اپنی ذات میں کچھ لچک پیدا کرے جس سے یہ اشارہ ملے کہ وہ اُن کی بات مان جائے گی مگر اُس نے صاف لفظوں میں اُنہیں باور کرا دیا کہ اُسے یہاں سے چلے جانا منظور ہوگا لیکن وہ اُسے اپنی ڈگر پر نہیں چلا پائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اُن کے فیصلے پر ردِ عمل کا اظہار کرے گی حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ صرف ایک جنید کا آسرا تھا، پتہ نہیں کہ وہ اُس کی مدد کر بھی سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن وہ اُس کی احسان مند تھی کہ اُسی کی وجہ سے اُسے حوصلہ مل گیا تھا۔ اُس نے فون اُٹھایا اور فون میں موجود اکلوتے نمبر کو ڈائل کر دیا تو دوسری طرف سے اُس نے پہچانتے ہوئے کہا۔

"ہیلو---کیا حال ہے راحیلہ---؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"لیکن تمہارا لہجہ نہیں بتا رہا ہے کہ تم ٹھیک ہو---بولو کیا بات ہے؟"

جنید نے کہا تو اُس نے ساری روداد اُسے سنا دی۔ سب کچھ اطمینان سے سننے کے بعد جنید نے کہا۔

"گھبراؤ مت' کل کا دن تمہارے لیے بہت بڑی تبدیلی لے آئے گا۔تم اطمینان سے سو جاؤ---ڈیوٹی کس وقت ہے تمہاری؟"

"پتہ نہیں کب اور کہاں---" اُس سے بولا نہیں جا رہا تھا' وہ کسی اور دُنیا میں پہنچ گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" جنید نے دھیرے سے پوچھا۔

"کچھ نہیں---" وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کچھ تو ہے' تم یوں---" جنید نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"بس یہی سوچ رہی ہوں کہ کیا ہے زندگی اور کتنا بے بس کر دیتی ہے یہ زندگی' کیوں ہم مرتے رہتے ہیں اس زندگی کے لیے---" اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"اوہ---میں نے کہا نا' گھبراؤ نہیں۔اب سو جاؤ---اللہ حافظ۔" جنید نے اُسے حوصلہ دیا۔

"اللہ حافظ---"

اُس نے دھیرے سے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔راحیلہ نے فون سکرین پر دیکھتے ہوئے ایک طویل سانس بھری' پھر فون ایک طرف رکھا اور آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے لیٹ گئی۔اُسے ایک روشن صبح کا انتظار تھا جس میں سچائی نکھر کر سامنے آ جائے۔

☆☆

کھلی ہوئی کھڑکی میں سے چاندنی آ کر اُس کے کمرے میں ہلکا اُجالا کیے ہوئے تھی۔یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر شے اس چاندنی میں چمکنا چاہتی ہے۔صفیہ اپنے بیڈ پر پڑی خود بھی اس ماحول کا حصہ لگ رہی تھی لیکن اُس کے دماغ میں اپنے باپ سے ہونے والی گفتگو گونج رہی تھی۔ اُس کے باپ نے کس قدر تحمل' بردباری اور حلیمی کے ساتھ اُسے سمجھایا تھا۔عین ممکن تھا کہ وہ اس پر سختی کرتا' اس کا بھی رویہ اُس کی ماں کے جیسا ہوتا اور اس کے اندر بغاوت جنم لے لیتی۔اُس کے باپ نے جو نرم رویہ اپنایا تھا' اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ آئندہ بھی ایسا ہی طرز اپنائے۔اگرچہ اس کا لہجہ نرم تھا لیکن اس کے اندر دہکتی ہوئی آگ وہ محسوس کر چکی تھی۔کوئی بھی غیرت مند مشرقی باپ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کی بیٹی یوں کسی غیر مرد کے ساتھ تنہائیوں میں ملاقات کرے اور پھر اس کا اظہار بھی کرے۔صفیہ کے ذہن میں بلاشبہ اپنے باپ کے بارے میں ایسا تاثر تھا جس کی وجہ سے اُس نے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔بہرحال یہ اس کے لیے ایک ایسا مناسب موقع تھا کہ کوئی حتمی فیصلہ کر سکے۔یہ فیصلہ اُس کی اپنی ذاتی زندگی کے لیے بھی بہت اہم تھا---

زندگی میں بہت سارے ایسے مقامات آتے ہیں جب انسان خود کو پوری دُنیا میں تنہا محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اُسے شدت سے کسی اپنے کا ساتھ ہونے کی طلب محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں اگر دور دور تک کوئی اُسے اپنا دکھائی نہ دے تو یہ کیفیت احساسِ محرومی میں بدل جاتی ہے۔ تنہا ہو جانے کا احساس اور اس کی شدت میں جو دُکھ ہوتا ہے وہ عام حالات سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ مشرقی روایات میں کچھ باتیں ایسی ہیں جن سے بندہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اسے اپنی حدود متعین کرنا پڑتی ہیں اور ایک خاص دائرے میں ہی رہنا پڑتا ہے لیکن یہی مشرقی روایات اپنے اندر ایسی خوبصورتیاں بھی رکھتی ہے کہ بندہ خود کو کبھی تنہا محسوس نہیں کرتا۔ فطری طور پر جس طرح کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے اسی طرح مشرقی سماج میں محبتوں کے لیے چھوٹی چھوٹی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ محبت اور قربانی کے لین دین میں کوئی مول تول نہیں ہوتا مگر یہی ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ جوڑ کر رکھتی ہے۔ دراصل مشرقی سماج "رویے" کی بنیاد پر ہے۔ سماج میں جس قدر رویے اچھے، خوبصورت اور خلوص بھرے ہوں گے سماج اُتنا ہی مضبوط ہوگا۔ اس میں خود غرضی کہیں نہیں ہوتی اور قربانی دینے کا حوصلہ بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن اسی مشرقی سماج میں اگر منفی رویے آ جائیں تو پھر اس سماج کی مضبوطی باقی نہیں رہتی اور انسان تنہائی کی جانب بڑھنے لگتا ہے۔ فرد کی تنہائی پورے معاشرے کو تنہا کر کے رکھ دیتی ہے۔ یہی وہ دیمک ہے جو کسی بھی سماج کو کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس وقت صفیہ بھی ایک ایسے ہی کرب سے گزر رہی تھی۔ مشرقی معاشرے میں ایک ماں اور بیٹی کا تعلق سہیلیوں جیسا ہو تو ان میں کبھی جنریشن گیپ نہیں آ سکتا۔ ماں جس طرح چاہے بیٹی کی تربیت کر سکتی ہے مگر جب دونوں میں بہت دوری ہو تو ایسے میں باہر سے آنے والے خیالات رویہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ سلمٰی اپنی ماں زیتون بی بی کے بہت قریب رہی تھی لیکن صفیہ ایسا نہ کر سکی۔ ان کا اپنا خاندان جب تبدیلی کے مرحلے سے گزر رہا تھا، صفیہ نے سب سے زیادہ اس تبدیلی کو اپنایا جس کے نتیجے میں وہ بہت دور ہو گئی تھی اور آج تنہائی کا شکار ہو کر اُلجھنوں میں گھری ہوئی تھی۔ یہ اُلجھنیں باپ کے نرم رویے میں واضح طور پر سرزنش اور والدہ کا متنفر ہو کر ہسپتال میں پڑے ہونا تھا، لے دے کر اگر وہ کسی کو اپنا سمجھ رہی تھی تو وہ فقط تیمور تھا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی اور پھر قریب پڑے فون کو اُٹھا لیا۔ اس نے نمبر پش کیے، دوسری جانب بیل جاتی رہی۔

"ہیلو۔۔۔۔ تم صفو۔۔۔۔ اتنی رات گئے؟" اُسے تیمور کی آواز سنائی دی جس میں حیرت گھلی ہوئی تھی۔

"بس دل کیا اور فون کر دیا۔۔۔۔ ابھی کون سا اتنی رات ہو گئی ہے تم سو رہے تھے کیا؟" اس نے ایک ہی سانس میں بہت کچھ کہہ دیا۔

"نہیں میں سو نہیں رہا تھا۔ ایک بہت دلچسپ فلم دیکھ رہا ہوں ٹی وی پر۔۔۔۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"مطلب، تم بزی ہو؟" اُس نے قدرے لاپروائی سے کہا۔

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں بھی دراصل بور ہو رہا تھا اس لیے ٹی وی آن کر دیا۔۔۔۔ لو میں بند کر دیتا ہوں۔" اس نے چند لمحے ٹھہر کے پھر کہا۔ "ہاں اب بولو۔۔۔۔؟"

"انسان بور کیوں ہو جاتا ہے۔" صفیہ نے یونہی بات بڑھانے کے لیے کہہ دیا۔

"میرے خیال میں جب اُسے اپنی پسند کا ماحول نہ ملے۔" تیمور نے یونہی روانی میں کہا پھر چونکتے ہوئے بولا۔ "تم بور ہو رہی تھیں

کیا۔۔۔؟"

"ہاں بھی اور نہیں بھی۔۔۔۔۔ شاید میں بور نہیں ہو رہی ہوں بلکہ خود کو تنہا محسوس کر رہی ہوں۔" اُس نے حسرت سے کہا۔

"تمہاری اُبھی اُبھی خمار آلود گفتگو لگتا ہے کہ معاملہ کچھ اور ہے وہ نہیں جو اس وقت تمہاری زبان پر ہے۔" وہ قدرے خوشگوار اور مذاق میں بولا۔

"ہاں تیمور! میں آج ایک فیصلہ کر لینا چاہتی ہوں۔" وہ حتمی لہجے میں بولی۔

"کون سا فیصلہ۔۔۔؟" اس نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"یہی کہ مجھے تم سے شادی کر لینا چاہئے یا پھر تمہیں بھول کر اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے کوشش کرنی چاہیے؟" صفیہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ارے یہ تمہیں اچانک کیا ہو گیا ہے؟۔۔۔ میں مانتا ہوں کہ تم بہت کچھ کرنا چاہتی ہو لیکن یہ مجھے بھول جانے کی بات کہاں سے آ گئی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تیمور! تم نہیں جانتے۔ اس وقت مجھے یہ فیصلہ کرنا ہے ورنہ میں خود ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاؤں گی۔" اُس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"یہ تم واقعی بہت سیریس بات کر رہی ہو؟۔۔۔ چلو ٹھیک ہے۔ ہم بہت سہولت کے ساتھ بہت سوچ کر فیصلہ کر لیتے ہیں لیکن۔۔۔" وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

"لیکن کیا۔۔۔؟" وہ تیزی سے بولی۔

"لیکن یہ میری جاں! کہ جب تم نے پچھلی بار مجھ سے بات کی تھی تب میں نے تمہیں کہہ دیا تھا کہ جو تم چاہو۔ تم نے خود ہی تو شادی دیر سے کرنے کے لیے کہا تھا اور میں نے مان لیا تھا۔ اب ایسی کون سی افتاد آ پڑی کہ تم اس قدر جلد فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہو؟" تیمور نے اُلجھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کوئی بھی وجہ ہو لیکن کیا یہ خیال غلط ہے؟" وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔

"نہیں، غلط نہیں۔۔۔۔" اُس نے مانتے ہوئے کہا پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد سنجیدگی سے بولا۔ "تمہیں اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے کتنا وقت درکار ہے؟"

"اس بارے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی اور یہی سب سے بڑی اُلجھن ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"وہی اُلجھن اگر بتاؤ گی تو پتہ چلے گا نا۔۔۔؟" تیمور نے کہا۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ میں ایک بزنس وومن کے طور پر پہچانی جاؤں۔ میں اپنے اس خواب سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے اس کے لیے ابھی وقت چاہئے لیکن اس دوران نہ تم انتظار کر سکتے ہو اور نہ ہی ہمارے اردگرد لوگ ہمیں یہ اجازت دیں گے کہ

ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھ پائیں۔" اُس نے بہت آرام سے اِسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جب تم اور میں راضی ہیں، مانتے ہیں تو دوسروں کو پھر کیا ہے؟" تیمور اُلجھتے ہوئے بولا۔

"نہیں، تیمور! تم میں اور مجھ میں کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جس کی بنیاد پر میں فخر سے اپنے لوگوں کو اپنے معاشرے کو بتا سکوں۔ تم سوچو یہ معاملہ صرف تمہارا اور میرا نہیں ہے بلکہ دو خاندانوں کا بھی ہے۔" اُس نے اپنی بات بہت آرام سے کہہ دی۔

"اوہ میں سمجھا ---- تم سیدھے کہو کہ ہم میں کوئی مضبوط تعلق ہونا چاہیے جسے ہمارا معاشرہ بھی تسلیم کرے اور ہم انہیں فخر سے بتا سکیں۔" وہ ساری بات سمجھتے ہوئے بولا۔

"یہی بات ہے ----" وہ دھیرے سے بولی۔

"اوکے ---- مجھے بس ایک ہفتہ دو میں اپنے والدین کو اپنی خواہش بتاتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمارا ساتھ بہت جلد ہو جائے گا ---- رہی بزنس وومن کی بات تو اتنا سرمایہ ہے میرے پاس تم کوئی سا بھی بزنس کر سکتی ہو۔ ممکن ہے ہم دونوں ----" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا ایسا ممکن ہے ----؟" وہ قدرے حیرت سے بولی۔

"کیوں نہیں ---- تم بس مجھ پر اعتماد رکھو اور مت گھبراؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

تیمور نے اُسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تو صفیہ کے ذہن پر چھایا ہوا غبار دُھل گیا۔ وہ خوشگوار موڈ میں اس سے باتیں کرتی رہی پھر فون بند کر کے جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو بہت سارے سہانے سپنے اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔

☆☆

رات کا آخری پہر شروع ہوئے کوئی اتنا زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ پوش کالونی میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا برقی قمقمے روشن تھے اور سڑکیں سنسان تھیں۔ کالونی میں چند سیکورٹی گارڈ مختلف جگہوں پر متعین تھے۔ ایسے میں ایک کار بنگلے کے سامنے رُکی اور اُس نے ہارن دیا۔ اگلے ہی لمحے گیٹ کھل گیا۔ گاڑی سیدھی پورچ میں جا کر رُکی۔ اس میں سے پہلے ڈاکٹر جمیل باہر آیا جس کے ساتھ ہی ایک سیاہ پوش بھی باہر نکلا اور دونوں ایک ساتھ جڑے ہوئے اندر کی جانب چل پڑے۔ ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی سیاہ پوش نے اپنا ریوالور ڈاکٹر جمیل کے پہلو سے ہٹا لیا۔

"کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو ----؟" ڈاکٹر جمیل کی گھرائی ہوئی آواز نکلی جس میں خوف گھلا ہوا تھا۔

"میں کون ہوں یہ جاننے کی تمہیں ضرورت نہیں۔ میں جو تمہارے ساتھ کرنے آیا ہوں، تمہیں صرف اسی پر دھیان دینا ہے۔" جنید نے انتہائی تحمل سے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا ---- چاہتے ہو تم ---- کیا کرو گے ----؟" ڈاکٹر نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا تو تمہیں کالونی سے باہر ہی کہیں راستے میں قتل کر دیتا، وہ میرے لیے زیادہ آسان تھا۔ میں یہاں تمہیں کچھ سمجھانے آیا ہوں۔ تعاون کرو گے تو تمہیں قتل کیئے بنا چلا جاؤں گا ورنہ اس ریوالور سے نکلی ہوئی گولی کسی بھی وقت تمہارے جسم کو چھید سکتی ہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔

''سمجھانے آئے ہو---؟'' ڈاکٹر بے یقینی سے بولا۔

''ہاں' لیکن میرا انداز کچھ الگ سے ہیں---اٹھو اپنے بیڈروم تک چلو۔''

''دیکھو میں رقم اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔ زیورات بھی لاکر میں ہیں۔ تمہیں یہاں سے کچھ اتنا زیادہ نہیں ملے گا۔ تم نے جو لوٹنا ہے' وہ لو اور چلے جاؤ---'' اُس نے جنید کے چہرے کی طرف دیکھا جو نقاب میں تھا۔ شاید وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم پیار سے نہیں مانو گے---'' یہ کہتے ہوئے اُس نے زوردار انداز میں اُس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا۔ جس سے اُلٹ کر وہ صوفے پر جا پڑا۔ ڈاکٹر کا جو تھوڑا بہت اعتماد بحال ہو چکا تھا' وہ ختم ہو کر رہ گیا' اُس کی آنکھوں سے خوف چھلکنے لگا۔ جنید نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اُٹھایا تو ڈاکٹر کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ ''چلتے ہو یا---؟''

اُس کے یوں کہنے پر ڈاکٹر بنا کچھ کہے آگے بڑھ گیا۔ وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگا' یہاں تک کہ وہ اپنے بیڈروم کے سامنے آ رُکا۔ اُس نے دھیرے سے دروازہ کھولا۔ کمرے میں مدہم لائٹ تھی اور سامنے بیڈ پر اُس کی بیوی سو رہی تھی۔ جنید نے ریوالور کا دستہ ڈاکٹر کے سر پر دے مارا' وہ ذرا سا جھولا تو جنید نے اُسے تھام کر زمین پر ڈھیر کر دیا۔ ڈاکٹر کی طرف سے اطمینان کرنے کے بعد اُس نے جیب سے نائیلون کی رسی نکالی اور اُس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ پھر اُسے گھسیٹتے ہوئے بیڈ کے پاس لے آیا۔ اُس کی بیوی اطمینان سے سو رہی تھی۔ جنید نے کپڑوں کی الماری کھولی اور اس سے اپنے مطلب کے کچھ ایسے کپڑے نکالے جن سے وہ اُس کی بیوی کو باندھ سکے۔ چند لمحوں کی کوشش کے بعد اسے مطلوبہ رومال اور چادریں مل گئیں۔ جنید نے اُس کی بیوی کو بھی باندھ دیا۔ وہ حیران تھا کہ اُس کی بیوی کس طرح بے ہوشوں کی مانند سو رہی ہے۔ انہیں وہیں چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکلا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں ڈاکٹر جمیل کی بیٹی سو رہی تھی۔ جس وقت جنید نے اُسے ہاتھ لگایا' وہ جاگ گئی اور اُسے دیکھتے ہی خوف زدہ انداز میں چیخنا چاہا مگر جنید نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اُسے باندھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے اچھی خاصی مزاحمت کی لیکن آخر کار وہ اُسے باندھنے میں کامیاب ہو گیا' پھر اُسے لے کر ڈاکٹر کے بیڈروم میں آ گیا اور اُسے بیڈ پر پھینک دیا۔ وہ خوف بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر ابھی تک بے ہوش پڑا تھا جبکہ اُس کی بیوی کی آنکھیں یوں خمار آلود تھیں جیسے وہ جاگنا چاہ رہی ہو لیکن آنکھیں نہ کھل رہی ہوں۔ جنید نے سائیڈ ٹیبل پر دھرا ہوا پانی کا جگ اُٹھایا اور ڈاکٹر پر اُلٹ دیا۔ وہ کراہتا ہوا اُٹھ گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوف کے سائے تھے لیکن جیسے ہی اُس نے اپنی بیوی اور بیٹی کو بندھا ہوا دیکھا' وہ دہشت زدہ سا ہو گیا۔ اُس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ جنید نے کہا۔

''خاموش' صرف میری سنو۔ جب کوئی بات پوچھوں' تب جواب دینا۔'' یہ کہہ کر وہ بھی ماں بیٹی کے پاس بیڈ پر ہی بیٹھ گیا اور بولا۔ ''میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر میں نے تمہیں قتل ہی کرنا ہوتا تو اب سے کچھ دیر پہلے ہی کر دیا ہوتا۔ یہاں لا کر ایسا منظر دکھانے کا آخر میرا مقصد کیا ہے' یہ نہیں پوچھو گے؟''

''ک' کیا مطلب ہے تمہارا---؟''

''بہت واضح---میں اگر اس وقت تمہاری نگاہوں کے سامنے تمہاری بیٹی کو کپڑوں سے آزاد کر دوں تو کیسا لگے گا---؟'' اُس نے کہا

تو بیوی کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بھی دہشت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم۔۔۔تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتا؟ اس وقت یہ میرے اختیار میں ہے۔۔۔ چلو میں ایسا نہیں کرتا۔ تمہاری بیوی۔۔۔"

"خدا کے لیے مجھے بتاؤ تم چاہتے کیا ہو۔۔۔؟"

"میں کیا چاہتا ہوں' یہ ابھی وقت پتہ چلے گا' کہ پہلے تمہاری بیٹی یا بیوی۔۔۔"

"یہ ظلم مت کرو۔۔۔ بتاؤ؟"

وہ اونچی آواز میں بولا تو جنید نے پھر ایک تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا اور کہا۔

"میں نے یہ سب اس لیے نہیں کیا کہ میں تمہیں آسانی سے چھوڑ دوں۔ بتاؤ' پہلے بیٹی یا بیوی۔۔۔؟"

اس پر اس کی بیٹی سر مارنے لگی وہ چاہ رہی تھی کہ اس کا منہ کھول دیا جائے لیکن جنید نے اس کی بیوی کا منہ کھول دیا۔

"تم ایسا کیوں چاہ رہے ہو' اس کے سامنے۔۔۔" اس نے اپنے شوہر کو طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اس کے سامنے۔۔۔"

"کیوں' کیوں۔۔۔؟" ڈاکٹر تیزی سے بولا۔ "تم یوں کسی کی عزت پامال نہیں کر سکتے۔"

"۔۔۔اور اُن کی کوئی عزت نہیں ہوتی جو بے چاری مجبور اور بے بس ہوتی ہیں۔ اُن کی کوئی حرمت نہیں ہوتی جن کے ساتھ تم اس عمر میں عشق لڑانے کی کوشش میں ہو اور اگر وہ تمہاری بات نہیں مانتی ہیں تو انہیں ذلیل و رسوا کرتے ہو' اُن پر ظلم کرتے ہو۔۔۔" جنید حد درجہ جذباتی ہو گیا۔

ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت اور وحشت سے پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔ "میں تمہاری بیٹی کو لے کر جا رہا ہوں۔ میں بھی اس سے عشق لڑاؤں گا اور وہی کچھ کروں گا جو تم اُن مجبور اور بے بس لڑکیوں سے کرتے ہو۔"

"نہیں' تم مجھے اتنی بڑی سزا نہیں دے سکتے۔۔۔" ڈاکٹر نے کراہتے ہوئے کہا۔

"یہ نوجوان ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔" اس کی بیوی نے اچانک کہا۔ "یہ تمہارے اعمال کی سزا ہے۔ میں ساری زندگی تمہیں سمجھاتی رہی ہوں لیکن تم نہیں مانے۔ آخر میں ہار گئی ہوں' صبر کیا ہے میں نے۔۔۔ دیکھو آج کوئی تمہاری بیٹی کو اٹھانے آ گیا ہے۔"

"میرے اعمال کی سزا مجھے ملنی چاہئے۔" وہ کراہا۔ "میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے گولی مار دو۔۔۔"

"اس طرح تو تم ایک بار ہی مر جاؤ گے۔۔۔ تمہیں روز مرنا ہو گا۔ تم جب بھی کسی ایسی لڑکی کو دیکھو گے جس پر تم نے ظلم کیا ہے' اس میں تمہیں اپنی بیٹی دکھائی دے گی۔" یہ کہتے ہوئے جنید نے اُس کی بیٹی کے بازو سے قمیص پھاڑ دی۔ "بولو' ڈاکٹر! اسے لے جاؤں یا یہاں تمہارے سامنے ہی اسے برباد کروں۔"

"مجھے گولی مار دو۔۔۔ خدا کے لیے مجھے گولی مار دو۔۔۔" ڈاکٹر ہذیانی انداز میں چیخا۔

"اس وقت تک نہیں جب تک---" اُس نے فقرہ ادھورا چھوڑا اور دوسرے بازو سے قمیص پھاڑ دی۔

"جو ہونا تھا ہو گیا---پلیز مجھے موقع دو۔ میں آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ میری بیٹی پر ظلم نہیں کرو۔"

"تمہاری بیٹی آسمان سے اُتری ہے کیا اور وہ کسی کی بیٹیاں نہیں ہیں؟" یہ کہتے ہوئے اُس نے بیٹی کو بازوؤں سے پکڑا اور نیچے قالین پر پھینک دیا۔ وہ بے حس و حرکت تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اپنے باپ کے گناہوں کی بھینٹ چڑھنے والی ہے اسلئے اُس نے ذرا سی بھی مزاحمت نہیں کی۔

"مجھے معاف کر دو---خدا کے لیے مجھے معاف کر دو---" ڈاکٹر کراہتے ہوئے مسلسل کہہ رہا تھا۔

"تمہارے جیسے لوگ جو اپنی دولت اور رُتبے سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں نا اِن کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہئے جو تم لوگ دوسروں کے ساتھ کرتے ہو۔ تم لوگ سوچتے ہی نہیں کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ کسی مجبور کی زندگی تنگ کرنے والے اِسی وقت سمجھتے ہیں جب اُن کی زندگی تنگ کر دی جائے---بولو یہی منظر یہاں دکھاؤں یا اسے لے جاؤں؟" جنید یوں بپھر گیا تھا جیسے اس پر کوئی جنونی کیفیت طاری ہو گئی ہوئی ہے۔

"کوئی ایسا راستہ ہے جس سے تم مجھے معاف کر سکتے ہو---؟"

"ہاں ہے---ابھی فون کر و اپنے اِن بڑوں کو جو تمہارے ساتھ شریکِ جرم ہیں اور اُنہیں بتاؤ کہ تمہارے سامنے تمہاری بیٹی کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔"

"مجھے مار دو---"

وہ چیختا ہوا آگے بڑھا اور اپنا سر بیڈ پر دے مارا۔ شاید چوٹ بہت زیادہ شدید تھی اس لیے وہ بے ہوش ہو گیا۔ جنید چند لمحے اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر چشم زدن میں اُٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ بنگلے کی پچھلی طرف گیا اور وہاں سے دیوار پھاند کر سڑک پر آ گیا۔ سیکورٹی گارڈز سے بچ کر نکلنا اُس کے لیے اِتنا مشکل نہیں تھا۔ اس کے اندر ایک اطمینان اُتر آیا تھا اُسے پورا یقین تھا کہ جس طرح اس نے ڈاکٹر کو اُس کے گھر والوں کے سامنے ذلیل کر دیا ہے وہ یا تو خودکشی کر لے گا یا پھر ساری زندگی نگاہیں نہیں اُٹھا پائے گا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ لوگ بے غیرت قسم کے ہوتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر ان میں سے ہوا تو وہ اُسے گولی مار دے گا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ اندھیرے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ جس طرح وہ کالونی سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھا رہا تھا اُس کے اندر اُٹھا ہوا طوفان کم ہوتا چلا گیا۔ اُس نے تصور میں دیکھا' راحیلہ کی آنسو بھری آنکھوں میں خوشی بھر گئی تھی۔ وہ چہرہ جس پر خوف کے سائے مسلط تھے اِن پر اُمید کے دیے روشن ہو گئے تھے۔ اُسے یوں لگا جیسے پہلی بار اُس نے بہت اچھا کام کیا ہو---جنید کے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

☆☆

ہمایوں کی آنکھوں سے نیند اُڑ چکی تھی۔ وہ ساری رات یہی سوچتا رہا تھا کہ آخر وہ کس سمت چل پڑا ہے۔ اگرچہ صفیہ کا حصول اُس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن چکا تھا لیکن پھر بھی وہ اِس کے معاملے میں اِتنا مایوس کیوں ہے؟---اُسے جنید کی کہی ہوئی بات یاد آ رہی تھی کہ جب

تک وہ اس معیار کا دولت مند ہوگا' اس وقت تک صفیہ کو تیمور اُڑا لے جا چکا ہوگا۔ اُسے یہ احساس تھا کہ جب اُس نے صفیہ کے حصول کے لیے دولت مند ہونے کا سوچا اور اس راہ پر آ گیا تو دولت بھی آنا شروع ہو گئی تھی لیکن یہ شارٹ کٹ بھی اُسے صفیہ تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اچانک اُس کی زندگی میں اِک شور بپا ہو گیا تھا' اتنی آوازیں اُس کے اندر جمع ہو گئی تھیں کہ کسی ایک آواز کی بھی اُسے سمجھ نہیں آتی تھی۔ وہ جب بھی صفیہ کا تصور کرتا' اُس کے اندر اِک ہوک اُٹھتی تھی اور یہی ہوک فغارہ بن جاتی۔ آوازوں کا شور یوں بڑھتا جیسے کئی سارے لوگ کسی نعش پر ماتم کناں ہوں۔ کوشش کے باوجود بھی کوئی حسین خیال نہیں آتا تھا۔ ایسا اس لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے ایک لاحاصل خواہش کی مانند بن کر رہ گئی تھی--- کیا وہ ہار جائے گا؟ یہی ایک سوال تھا جس کا وہ سامنا نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اپنے اندر کی عدالت میں ایک مجرم کی سی حیثیت سے آ کھڑا ہوتا اور خود ہی فردِ جرم سنانے لگتا۔ اُس نے اَب تک جو حوصلے اور جدوجہد کی کہانیاں اور داستانیں پڑھ رکھی تھیں' اُسے وہ سب جھوٹ لگتا۔ فقط خواہش' وہ چاہے جس قدر شدید ہو' اس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا جب تک وقت اور حالات سازگار نہ ہوں۔ آج اُس کے پاس ڈھیروں دولت ہوتی تو وہ صفیہ کو چند دنوں میں رام کر سکتا ہے لیکن دولت کوئی ایسی شے تو نہیں جو اس کی خواہش پر اس کے قدموں میں آ جائے۔ وہ خود ہی یہ سارے دلائل دیتا اور پھر اپنے ہی اندر کے زنداں میں جا کر اندھیرے گوشے میں بیٹھ جاتا--- "مَیں نے تیرے لیے ایک پلان سوچا ہے---" اُسے جنید کی بات پھر یاد آ گئی تھی مگر کیا کرے گا وہ ایسے پلان کا جس کے کرنے کے بعد بھی وہ صفیہ کو حاصل نہیں کر پائے گا۔ وہ بھی سوچ سکتا ہے۔ اس کے پاس بھی دماغ ہے لیکن پھر وہی بات کہ اس کے اور صفیہ کے درمیان دولت ہی حائل ہے۔ ساری رات اُس کے اندر یہی جنگ رہی تھی کہ وہ سب کچھ بھول جائے' صفیہ کو اور اس کے حصول کے لیے جو اس کا خود سے وعدہ تھا' اُسے بھی بھول جائے۔ ایک نارمل زندگی گزارے جیسے ایک عام آدمی زندگی گزارتا ہے۔ اس کے لیے ایک سیدھا سادا راستہ تھا جس پر وہ باآسانی چل سکتا تھا' یہی سوچتے ہوئے سوال اُبھرتے کہ کیا پھر بھی وہ صفیہ کو بھلا پائے گا' من میں موجود خواہش کو کچل کر نکال باہر کر سکے گا؟ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو پھر وہ نارمل زندگی بھی نہیں گزار سکتا لیکن اگر وہ صفیہ کی راہ پر چلتا ہے تو سوائے مایوسی کے اسے کچھ بھی نہیں ملنے والا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے اسے ساری رات ہو گئی تھی۔

ہمایوں کو شدید پیاس محسوس ہوئی تو وہ اُٹھا اور کچن تک گیا' پانی پیا اور واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ تب اُسے خیال آیا کہ جنید نے جو اُسے لفافہ دیا تھا' اس میں موجود رقم اُس نے دیکھی ہی نہیں' کم از کم دیکھ تو لے۔ وہ اپنی الماری کی جانب بڑھا' وہ لفافہ اُٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ اس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ ایک خوشگوار تاثر اُسکے اندر پھیل گیا۔ اُس نے دوبارہ لفافہ اسی جگہ رکھ کر الماری بند کر دی اور اپنے بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔

"ساری رات تم نے مایوسی کی باتیں کرتے ہوئے گزار دی ہے--- کیا فائدہ ہوا' نیند بھی گنوائی؟"

"مَیں نے جان کے نیند نہیں گنوائی' سوچوں میں گھر رہا ہوں۔ یہ ظالم سوچیں جان چھوڑیں گی تو سکون ملے گا نا---!"

"سکون--- وہ تو ساری زندگی نہیں مل سکتا۔"

"ارے حالات اچھے ہوں نا تو مل جاتا ہے۔ جب بندے کا وقت ہی بُرا چل رہا ہو تو پھر کسی سے بھی گلہ نہیں بنتا۔"

"تم جب تک مایوسی میں سوچتے رہو گے' تمہارا کچھ نہیں بن سکتا--- دیکھو چند دن پہلے تم دولت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ کتنی

محنت کی ہے تم نے اور تم اتنی دولت کے مالک ہو جو کبھی تم نے دیکھی بھی نہیں تھی اور یہ کیا تم نے وقت اور حالات کی رَٹ لگا رکھی ہے یہ مایوس اور بزدل لوگوں کا کام ہوتا ہے۔"

"میں نہ تو بزدل ہوں اور نہ مایوس--- اگر ایسا ہوتا تو میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح ڈر کر کچھ بھی نہ کرتا۔ مجھ میں حوصلہ ہے میں دولت اکٹھی کر سکتا ہوں۔"

"تو میری جان! اس طرح حالات کو بھی اپنی دسترس میں لے سکتے ہو۔ سارے کام دولت سے نہیں ہوتے کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جہاں عقل استعمال کرنا پڑتی ہے۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ جنید کو اگر دوسرے استعمال کر سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں۔ جس طرح اُس نے مجھے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ دولت کے عوض تو میں اُسے جذبات کی مار دوں گا' دوستی بناؤں گا اُس سے--- مجھے صرف اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے اس جیسے پتہ نہیں کتنے ہوں گے---"

"تم بالکل غلط ٹریک پر سوچ رہے ہو' اسے مجرمانہ ذہنیت کہتے ہیں۔ تم ایک معزز پیشے سے وابستہ ہو اور---"

"ہر پیشہ معزز ہے۔ چاہے کوئی بازار میں بیٹھ کر جوتے گانٹھتا ہو یا پھر انسانی زندگی کو بچانا--- پیشہ بُرا نہیں ہوتا لیکن اس کی آڑ میں جو ظلم کرتے ہیں' وہ رویہ غلط ہے۔ آج کا سماج اگر ایسا ہے اور اس سیلاب میں اگر میں بھی بہہ جاؤں تو کیا ہے' مجھے اپنی زندگی بنانا چاہئے۔"

"یہ خود غرضی ہے--- تم اگر سماج میں بگاڑ کا باعث نہیں بن رہے ہو تو یہ بھی ایک طرح سے بھلائی ہے۔"

"مجھے سماج کی باتیں مت بتاؤ--- میں نے اچھائی کے لیے' ظلم کے خلاف آواز اُٹھائی تو میرے ساتھ کیا ہوا؟ میرے باپ کے پاس دولت نہیں ہے تو رشتے ناتے' احسانات اور سب کچھ ختم۔ ہماری وجہ سے اُن کی بے عزتی ہوتی ہے۔ ہمارے ساتھ ہی کیوں' جواب ہے کوئی تمہارے پاس؟"

"تو پھر تمہارا جو جی چاہے کرو---"

"ہاں میں کروں گا۔ میں وقت اور حالات کو اپنی دسترس میں کروں گا۔ میں وہ سب کچھ کروں گا جو میرا جی چاہے گا۔"

"کیا یہ تمہارا حتمی فیصلہ ہے---؟"

"ہاں' یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔ میں نہیں ڈروں گا۔ جو میرے معاشرے نے مجھے دیا ہے میں! اسے وہی کچھ لوٹاؤں گا۔"

اُس نے جواباً کہا تو پھر اس کے جواب میں اُس کے اندر سے کوئی آواز نہ اُبھری۔ وہ جو ساری رات قنوطیت زدہ سوچیں سوچ رہا تھا' اُس نے مایوسی کو جھٹک کر پرے پھینک دیا تھا۔ اُس نے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا تو مسکرا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اَب اُس کے لیے دن رات کا فرق مٹ چکا تھا۔

☆☆

صبح ہو چکی تھی۔ اُبھرتے ہوئے آفتاب نے دھرتی پر روشنی پھیلا دی تھی۔ راحیلہ اپنی ڈیوٹی پر آن موجود ہوئی تھی۔ رات دیر تک جاگتے رہنے کا خمار اُس کی آنکھوں میں تھا لیکن پھر بھی وہ پورے ہوش وحواس کے ساتھ اپنی ڈیوٹی دے رہی تھی۔ اس وقت اُس کی ڈیوٹی پرائیویٹ وارڈز میں تھی۔ وہ مریضوں کو میڈیسن دینے کے لیے اپنی ساتھی نرس کے ساتھ تھی۔ ایک کمرے میں داخل ہوئی تو ایک ادھیڑ عمر خاتون سے سامنا ہوا جو آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی آمد کا احساس کر کے خاتون نے آنکھیں کھول دیں تو راحیلہ نے اُس پر نگاہ پڑتے ہی بے اختیار سوچا کہ میری ماں بھی اتنی عمر کی ہے اور اسی طرح دکھائی دیتی ہے۔ راحیلہ کے من میں ماں کا خیال آیا تو چند لمحوں کے لیے وہ خود سے غافل ہو گئی ---- نجانے اس وقت میری ماں کیا کر رہی ہو گی۔" اس خیال کے ساتھ ہی اُس کا دل بھر آیا۔ اس وقت تک وہ خاتون کے پاس پہنچ چکی تھی، تب اُس نے خاتون کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیسی ہیں آپ ----؟"

اُسے اپنا ہی لہجہ اجنبی لگا۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ اپنی ماں کے ساتھ اپنائیت بھرے احساس کے ساتھ بات کر رہی ہے۔ اس پر خاتون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں ٹھیک ہوں ----"

"بہت اچھا ----" یہ کہتے ہوئے اُس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا چارٹ اُٹھایا اور اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ زیتون بی بی ----"

"جی ----"

اُس نے جواب دیا تو راحیلہ نے میڈیسن لیں اور زیتون بی بی کے ہاتھ پر رکھ دیں۔ اسے پانی کی ضرورت تھی، راحیلہ نے قریب پڑے کولر میں سے پانی دیتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کے ساتھ کوئی نہیں ہے ----؟"

"ہے میری بیٹی، یہیں کہیں باہر ہو گی۔"

زیتون بی بی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے میڈیسن پھانک لیں اور پھر چند گھونٹ پانی پی کر گلاس واپس کر دیا۔ راحیلہ چارٹ پر لکھنے میں مصروف ہو گئی تو دوسری نرس نے انجکشن لگا دیا۔

"بیٹی! میں کب یہاں سے جا سکوں گی۔ میں ٹھیک ہوں اب ----" زیتون بی بی نے پوچھا۔

"اماں جی! یہ بات میں آپ کو کیسے بتا سکتی ہوں، یہ تو ڈاکٹر ہی بتا سکیں گے، وہ راؤنڈ پر آئیں تو ان سے پوچھ لیجئے گا۔" راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا ---- "ویسے تو آپ ٹھیک ہیں، ممکن ہے کہ آج ہی آپ گھر چلی جائیں۔" اُس نے حوصلہ دیا۔

"تم مجھے اچھی لگی ہو۔ میں آج چلی گئی تو پھر تم سے ملاقات نہیں ہو گی۔"

"---- اور اگر آپ اِدھر رہیں تو میں آپ سے گپ شپ کرنے آ جاؤں گی۔" راحیلہ نے ہنستے ہوئے کہا اور واپس چارٹ رکھتے ہوئے

باہر جانے لگی۔

"سنو! تم کیا واقعی میرے پاس کچھ دیر بیٹھ سکتی ہو؟" زیتون بی بی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن دوسرے مریضوں کے دیکھنے کے بعد۔۔۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔۔۔"

زیتون بی بی نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ راحیلہ واپس جارہی تھی تو سلمیٰ کمرے میں داخل ہوئی۔

"امی کو میڈیسن دے دیں آپ نے۔۔۔؟"

"دے دیں' لیکن آپ ان کا دھیان رکھئے۔۔۔"

راحیلہ نے کہا اور باہر چلی گئی۔۔۔۔

وہ عام حالات میں ایسی باتیں نہیں کیا کرتی تھی لیکن نجانے کیوں وہ اس دن بھی مریضوں سے اسی طرح بات کرتی رہی۔ شاید وہ اپنے اندر کے کسی خوف کو دور کرنا چاہ رہی تھی یا خود کو بہلا رہی تھی۔ جنید سے باتیں کرنے کے بعد اُسے بہت حوصلہ ہوا تھا' شاید وہ لاشعوری طور پر کسی منتقی نتیجے کا انتظار کررہی تھی۔ ڈیوٹی پر سیل فون لانا منع تھا لیکن اس دن وہ اپنے ساتھ لے آئی تھی اور اُسے "خاموشی" پر لگا کر چھپا لیا تھا۔ اُسے پوری اُمید تھی کہ جنید کا فون ضرور آئے گا' انہی خیالات اور احساسات کے ساتھ وہ ہر کمرے میں جاتی' خوشگوار باتیں کرتی ہوئی واپس اس جگہ آگئی جہاں نرسز بیٹھتی تھیں۔ ان کا کام تقریباً ختم ہوگیا تھا۔ اب کسی ایمرجنسی کی صورت میں مریض کو دیکھنے یا پھر گپ شپ کے علاوہ انہیں کوئی اور کام نہیں تھا مگر اس دن راحیلہ کو باتوں میں مزہ نہیں آرہا تھا۔ وہ خیالوں ہی خیالوں میں کبھی جنید کی طرف دھیان دے دیتی اور کبھی اپنی ماں کی یاد اُسے آجاتی۔ اس دن نجانے اُسے اپنی ماں اس شدت سے کیوں یاد آرہی تھی' شاید اس کی وجہ زیتون بی بی تھی جو اُس کی ماں سے بہت حد تک مشابہ تھی۔ اُس نے سوچا کہ جب ڈاکٹرز راؤنڈ کرجائیں گے تو پھر وہ کچھ دیر کے لیے اُس کے پاس ضرور جائے گی۔۔۔۔ وہ انہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ اچانک اُسے داخلی راستے پر ڈاکٹر جمیل دکھائی دیا' اس کے ساتھ بیگم شمیم بھی تھی۔ دونوں نے دور ہی سے اُسے دیکھا اور پھر تیز تیز قدموں سے اس کی جانب آنے لگے۔

ڈاکٹر جمیل اور بیگم شمیم کی آمد کوئی معمول کی بات نہیں تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ اُن کا اکٹھے ہونا ہی غیر معمولی تھا اور پھر یوں آنا کسی طوفان کا پیش خیمہ ہی ہوسکتا تھا۔ بلاشبہ اُس کی ساتھی نرسز کو راحیلہ کے بارے میں سب معلوم تھا اس لیے وہ اپنے چہروں پر سوالیہ نشان لیئے اُن دونوں کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ راحیلہ کی نگاہیں بھی ان دونوں پر تھیں۔ ڈاکٹر جمیل نے تو اپنی ڈیوٹی پر آنا تھا' ساتھ میں بیگم شمیم کا آنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ یہ وہی تھی جس نے اُسے انجام اچھا نہ ہونے کے بارے میں دھمکیاں دی تھیں۔ راحیلہ ہر طرح سے اپنا ذہن بنا چکی تھی۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ اُس نے اپنی عزت کی لاج رکھنی ہے' باقی سب کچھ چاہے اُس سے چھین لیا جائے۔ جب انسان کوئی حتمی فیصلہ کرلیتا ہے اور اس فیصلے پر ڈٹ جانے کا اس میں حوصلہ بھی ہو تو وہ بے خوف ہوجاتا ہے۔ ایسی ہی کیفیت اِس وقت راحیلہ کی بھی تھی۔ چند قدم کا فاصلہ تھا جو دونوں طے کرکے اُس کے پاس آچکے تھے۔ ڈاکٹر جمیل آگے تھا اور بیگم شمیم اس سے ایک قدم پیچھے' تبھی ڈاکٹر جمیل نے اُس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"راحیلہ! تم ذرا میری میز تک آؤ' تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

اس کا لہجہ اگرچہ عام سا تھا لیکن اس میں خوف کی تھرتھراہٹ واضح تھی۔ اس پر راحیلہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور نفرت سے بولی۔

"ویسی ہی باتیں جیسی تم روزانہ کرتے ہو---- دوستی' پیار محبت کی باتیں' اپنی تحقیق کے بارے میں معلومات' کوئی نئی دھمکی یا پھر آج کوئی نیا سبز باغ دکھانا چاہتے ہو؟" اس کے لہجے میں گویا آگ بھری ہوئی تھی۔

"نن نہیں۔ایسی کوئی بات نہیں---- تم آؤ تو' بتاتا ہوں نا----!" وہ گھبراتے ہوئے بولا' باشبہ دوسری نرسز بھی یہ سب سن رہی تھیں۔

"یہیں بتاؤ' کیا بتانا چاہتے ہو اور یہ جو میڈم آپ کے ساتھ آئی ہیں' ضرور کوئی نئی دھمکی دیں گی مجھے---- ان سب کے سامنے دیں مجھے دھمکی تاکہ یہ بھی خوف زدہ ہو جائیں' یہ بھی وہی کچھ کریں جو تم جیسے لوگ چاہتے ہیں۔"

اس نے نفرت بھری نگاہوں سے بیگم شمیم کی طرف دیکھتے ہوئے ڈاکٹر جمیل سے کہا۔ تب بیگم شمیم آگے بڑھی اور پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"تم غلط سوچ رہی ہو' راحیلہ! میں نے تم پر لگے ہوئے الزامات کی تحقیق کی ہے' وہ سب غلط ہیں۔ میں تمہیں یہی بتانے آئی تھی کہ تم آرام سے رہو' کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

"اتنی جلدی---- میڈم! اتنی جلدی تحقیق ہو بھی گئی۔ بہت تیز نیٹ ورک ہے آپ کا' تحقیق کرنے کا یا آپ بھی اس ڈاکٹر کے نیٹ ورک سے تعلق رکھتی ہیں؟" راحیلہ جیسے بپھر گئی۔

"سنو لڑکی! اگر تم صاف صاف ہی سننا چاہتی ہو تو----" یہ کہہ کر بیگم شمیم نے قدرے غصے میں کہا۔ "اگر تم پر کوئی الزام لگا بھی ہے تو ڈاکٹر جمیل کی ہی وجہ سے ختم بھی ہو گیا ہے ورنہ جس ذہم پر تم بات کر رہی ہو' اتنی آگ اگل رہی ہو' یہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر رہنا ہے تو آرام سے رہو نہیں رہنا تو مجھے یہاں سے نکالنے کے بہت طریقے آتے ہیں۔"

"تو میڈم آپ وہ طریقے آزما لیں----" راحیلہ نے صاف انداز میں نفرت اور غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"او نہیں---- میڈم! آپ چھوڑیں غصہ۔ یہ لڑکی تو پاگل ہے' آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔" ڈاکٹر جمیل نے بات بڑھتی دیکھ کر تیزی سے کہا۔

"یہ آگ تمہی نے لگائی ہے ڈاکٹر جمیل! ورنہ اس جیسی چیونٹیاں تو میں ویسے ہی اپنی چٹکی میں مسل دوں۔ اس کے پر نکل آئے ہیں تو کیا ہوا؟" بیگم شمیم کا غصہ ہی ٹھنڈا نہ ہوا۔

"میں بھی جانتی ہوں تم کس ذہم پر بات کر رہی ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا نا کہ میری جان چلی جائے گی' میں مر جاؤں گی' کوئی بات نہیں لیکن کیا تم سلامت رہو گی' تمہاری یہ چٹکی؟---- جاؤ' چلی جاؤ اور اپنے طریقے آزماؤ' میں بھی دیکھتی ہوں کہ تم کیا کرو گی۔" راحیلہ نے شدید نفرت سے کہا۔

''میڈم! کیا کر رہی ہیں آپ؟ میں نے آپ سے کیا درخواست کی تھی؟--- چھوڑیں۔ پلیز! آپ میری طرف دیکھیں۔'' ڈاکٹر جمیل منت پر اُتر آیا۔

''نہیں! ڈاکٹر صاحب! میں تو اس لڑکی کے بھلے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ خود چل کر بتانے آئی ہوں کہ تم پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہے جبکہ اس کا مزاج ہی آسمانوں پر ہے۔ یہ اگر ایک بدمعاش پال سکتی ہے تو میرے ہاتھوں میں نجانے ایسے کتنے بدمعاش ہیں۔ اس کی خبر بھی نہ ہوگی کسی کو---'' میڈم نے غصے میں کہا' اسے راحیلہ کا رویہ بہت بُرا لگا تھا۔

''تم میرا بھلا مت چاہو اور اپنے بدمعاشوں سے کہہ دو کہ میری خبر گم کر دیں' اگر ہمت ہے تو---'' راحیلہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''راحیلہ کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ جس سے بیگم شمیم ایک دم سے خوف زدہ ہو گئی۔ بلاشبہ وہ ایک گھاگ عورت تھی' اس قدر آگ کو وہ سمجھتی تھی۔ وہ تو ڈاکٹر جمیل کے کہنے پر معاملہ رفع دفع کرنے کے لیے' تھوڑا دبا کر' سمجھا کر بات ختم کرنے آئی تھی لیکن راحیلہ کا ردِعمل دیکھ کر اُسے نہیں لگتا تھا کہ بات معمولی سے انداز میں سلجھائی جا سکتی ہے' پھر بھی اپنی عزت کا پاس رکھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب! آپ کہتے ہو تو میں اسے چھوڑ دیتی ہوں ورنہ یہ اس قابل ہے نہیں--- آپ بھی نجانے کس کس کی سفارشیں کرنے لگ جاتے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ واپس پلٹنے لگی' تب ڈاکٹر نے کہا۔

''کوئی بات نہیں' آپ نے بہرحال کوئی ایکشن نہیں لینا---''

''مت کرو سفارشیں' ڈاکٹر! یہ نہ ہو کہ میں ابھی تمہارا گریبان پکڑ لوں---''

راحیلہ نے اس ڈرامہ بازی کو دیکھتے ہوئے زخمی شیرنی کی مانند کہا تو ڈاکٹر جمیل ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''میں تمہارا مجرم ہوں' راحیلہ! مجھے معاف کر دو۔ آئندہ کبھی کوئی بات نہیں ہوگی' یہ چند مہینے تم میری شکل بھی نہیں دیکھو گی' تمہیں جو تکلیف اور اذیت ہوئی' میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔''

''میں تمہیں معاف نہیں کروں گی--- ہاں' اگر تم اپنی شکل نہ دکھاؤ تو میں اپنی نفرت اپنے سینے ہی میں دبا لوں گی' سمجھا لینا اپنے جیسے دوسروں کو بھی---''

اُس نے آخری فقرہ کہتے ہوئے بیگم شمیم کی جانب دیکھا' جس کے تلملانے کے اثرات اس کے چہرے پر واضح تو ہوئے لیکن وہ بولی کچھ نہیں' پھر ڈاکٹر واپس پلٹ گیا۔ بیگم شمیم بھی اُس کے پیچھے ہی چل دی۔ وہ دونوں چند قدم ہی بڑھے تھے اور راحیلہ اپنے آپ میں آ رہی تھی کہ اُس کی نگاہ ذرا سے فاصلے پر کھڑی زیتون بی بی پر پڑی جو اُس کی جانب بہت غور سے دیکھ رہی تھی' نجانے وہ کب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''آپ--- آپ کب آئیں؟'' راحیلہ نے اُس کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے' بیٹی---!'' زیتون بی بی نے یوں کہا جیسے وہ خود خیالوں میں کھوئی ہو اور اُس سے بات کر رہی ہو۔

''فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟'' راحیلہ نے پوچھا۔

''میں اپنے گھر جا رہی تھی۔ سوچا تم سے ملتی جاؤں لیکن یہاں ــــــ'' یہ کہتے ہوئے وہ رُک گئی پھر دھیرے سے اُلجھتے ہوئے بولی۔

''تھوڑی دیر پہلے تمہارا رُوپ! اتنا اچھا لہجہ جس نے مجھے یہاں تک آنے پر مجبور کر دیا اور اب ان دونوں سے ایسی باتیں --- یہ کیا ہے بیٹی؟''

اُس کے یوں کہنے پر راحیلہ کا من ایک دَم سے بھر گیا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اُس کی ماں اس کے سامنے آ کر اُس سے پوچھ رہی ہو۔ اُس کا دل چاہا کہ زیتون بی بی کے گلے لگ کے ساری بات کہہ دے اپنے من کا سارا بوجھ اُتار پھینکے۔ ماں کے گلے لگ کر اپنا دُکھ کہہ دینا کتنا سکون بخش ہوتا ہے۔ یہ وہی جان سکتے ہیں جن کی مائیں ہوں اور اُن ماؤں کا اتنا حوصلہ ہو کہ وہ سارے دُکھ اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔ راحیلہ کی ماں تو ویسے ہی دُکھوں بھری زندگی گزار رہی تھی وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے دُکھ اُسے نہیں بتا سکتی تھی۔

''کیا بات ہے بیٹی ---؟''

زیتون بی بی نے پھر پوچھا تو وہ چونک کر اپنے آپ میں آ گئی۔ وہ لمحوں میں نجانے کہاں سے کہاں جا پہنچی تھی۔ اُس نے اپنی آنکھوں میں نمی محسوس کی اُسے زیتون بی بی کا چہرہ دُھندلا دکھائی دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں ماں جی! بس یونہی ---'' راحیلہ نے دھیرے سے کہا اور ہتھیلی کی پشت سے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔

''چلو اپنا دُکھ مجھے نہ بتاؤ لیکن ایک وعدہ کرو مجھ سے ---'' زیتون بی بی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بتائیں ---؟'' راحیلہ نے اشتیاق سے کہا۔

''مجھ سے ملنے ضرور آؤ گی جب بھی میں تمہیں بلاؤں ---'' زیتون بی بی نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''جی ضرور --- میں آپ کو اپنا فون نمبر دے دیتی ہوں۔''

راحیلہ نے اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر ایک چھوٹے سے کاغذ پر اپنا نام اور نمبر لکھ کر اُس کی جانب بڑھا دیا۔ زیتون بی بی نے وہ لیا اور ایک گہری نگاہ ڈالتے ہوئے واپس پلٹ گئی تبھی اُس کی ساتھی نرس نے کہا۔

''راحیلہ! تم نے تو کمال کر دیا۔ یہ ڈاکٹر اور میڈم --- کیا جادو کیا ان پر ---؟''

''میرا کوئی جادو نہیں ہے۔''

راحیلہ نے کہا اور اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایک دَم سے اُس کے دماغ میں اِتنے خیالوں نے یورش کر دی تھی کہ اُسے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ کس پر سوچے؟ اِسی لیے سارے ہی خیالوں کو ذہن سے نکال کر وہ یوں سمٹ کر بیٹھ گئی جیسے اس پوری دُنیا سے لاتعلق ہو گئی ہو۔

☆☆

اگرچہ تیمور سے بات کر کے صفیہ کچھ مطمئن ہو گئی تھی نجانے اُسے پوری طرح یقین کیوں نہیں آ رہا تھا۔ اُسے صرف تیمور کے خاندان سے خوف تھا۔ اگر انہوں نے ہی اُسے قبول نہ کیا تو پھر کیا فائدہ ہے تیمور کی ہو جانے کا؟ مان لیا کہ اُس کا تھوڑا بہت بزنس ہے۔ لیکن اتنا نہیں جتنا وہ اپنے

خوابوں میں دیکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ سوچ پروان چڑھ رہی تھی کہ اگر اس کے خاندان سے اُسے قبول نہ کیا تو اُن دونوں کو ایک نئے سرے سے زندگی کی شروعات کرنا ہوں گی جس کے لیے اُنہیں بڑی جدوجہد کرنا پڑے گی۔ مگر یہ ایک طرح سے ٹھیک بھی تھا' اُسے اپنا آپ منوانے کا بہت اچھا موقعہ مل جائے گا ——— اس دن کالج سے آ کر صفیہ! انہی سوچوں میں کھوئی رہی تھی لیکن وہ کسی منطقی فیصلے پر نہیں پہنچ سکی تھی۔ سارا دن کالج میں انہی سوچوں میں گھری وہ واپس گھر آ گئی۔ اُسے یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ ماما ہسپتال سے گھر واپس آ گئی ہیں۔

"ماما! کیسی طبیعت ہے آپ کی---؟" اُس نے ڈرائنگ روم میں بیٹھی زیتون بی بی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں---" اُس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"ماما! آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا' آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"بیٹی! تم جانو اور تمہارا باپ' اب میں تمہارے کسی بھی معاملے میں نہیں آؤں گی۔" ماما نے بھی دھیرے سے کہا۔

"تو آپ ناراض ہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"ناراض تو اپنوں سے ہوا جاتا ہے' تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم میری بیٹی نہیں ہو۔" ماما نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے لرزتے لہجے میں کہا۔

''ماما! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ---؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں بیٹی! رشتے احترام کے ہوتے ہیں، مان ہو تو یہ قائم رہتے ہیں ورنہ یہ کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ رشتے تحفظ کا احساس دیتے ہیں، نرم اور ٹھنڈی چھاؤں ہوتے ہیں اور جب یہی میسر نہ ہو تو پھر رشتے نہیں ہوتے، بس مجبوریاں ہوتی ہیں۔'' ماما نے یوں کہا جیسے یہ سب کہتے ہوئے اسے بہت دُکھ ہو رہا ہو۔

''آپ اس طرح کیوں سوچتی ہیں؟---میں آپ کی بیٹی ہوں۔ ہم دونوں بھی چاہیں تو اس سے اِنکار نہیں کر سکتے تو پھر اس قدر تلخی کیوں؟'' وہ روہانسو ہوتے ہوئے بولی۔

''میں تم سے بحث نہیں چاہتی صفیہ! ہاں، یہ چاہوں گی کہ تم مجھے تنہا چھوڑ دو۔''

ماما نے اجنبیت بھرے لہجے میں کہا تو صفیہ اس کی طرف حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ چند لمحے وہ یونہی ساکت سی رہی، پھر اُٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی---

ماما کے رویے نے اُسے بہت دُکھ دیا تھا۔ وہ ایک دَم سے اجنبی ہو گئی تھیں جیسے اُن کی کوئی غلطی ہی نہ ہو، یہاں تک کہ اُس نے اپنی بیٹی ماننے سے اِنکار کر دیا ہے۔ صفیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں غلط ہے؟---ماں کے خدشات اپنی جگہ، لیکن اُس نے کچھ بھی غلط نہیں کیا تھا۔ اگر وہ اپنی زندگی بنانے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے تو اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔ وہ اُس کی ماں ہے۔ اُسے سمجھنا چاہئے کہ جسے میں پسند نہیں کرتی ہوں، جس سے نفرت ہے مجھے تو پھر بار بار اسی کا ذکر کیوں کرتی ہیں۔ اس کی اپنی سوچ ہے، زندگی گزارنے کے بارے میں اس کا اپنا نظریہ ہے۔ بدلتے ہوئے زمانے میں کس طرح زندگی گزارنا ہوگی، یہ اُنہیں نہیں معلوم۔ وہ تو اپنی گزار چکی ہیں اُنہیں تو اپنی اُنہی روایات کے بارے میں معلوم ہے، جس زمانے میں وہ جی رہی تھیں۔ اَب وہی سب کچھ مجھ پر مسلط کرنا چاہیں تو میں اِسے کیسے قبول کر لوں؟ گھر کی چار دیواری میں رہنے والی ماں کو کیا معلوم کہ دُنیا کے ساتھ چلنے کے لیے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے---وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسی زندگی گزارے کہ جس طرح عام لڑکیاں پہلے تو اچھا بَر ملنے کی اُمید میں بیٹھی رہتی ہیں اور پھر جیسا بھی گھر مل جائے، اسی کو نبھانے کے چکر میں اپنے آپ پر جبر کرتی ہوئی زندگی گزار دیتی ہیں۔ وہ ایسی زندگی گزارنے کی قائل ہی نہیں تھی، جس میں دوسروں کا دستِ نگر رہنا پڑے۔ وہ زندگی میں جدوجہد کی قائل تھی، یہاں تک کہ وہ دوسروں کو اپنا دستِ نگر بنا لے۔ اُسے اپنے ہونے کا پوری طرح احساس تھا۔ اگرچہ اس کے پاس نوٹوں کی دولت بہت زیادہ نہیں تھی لیکن حسن کی دولت تو اس کے پاس تھی، جس سے وہ ہر ممکن حد تک فائدہ اُٹھانا چاہتی تھی۔ تیمور اس کے حسن کا گرویدہ ہو گیا تھا، وہ حسن کی طاقت کو آزمانا چاہتی تھی مگر ان باتوں کا وہ اظہار کرنا ہی نہیں چاہتی تھی کیونکہ اسے پورا یقین تھا کہ یہ باتیں اس کے گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آنے والی ہیں۔ وہ اپنے خوابوں کو حاصل کر لینا چاہتی تھی، جس میں ہمایوں جیسے لوگوں کی قطعاً گنجائش نہیں تھی جبکہ اس کی ماما ان کا ذکر کر کے اسے ڈسٹرب کر کے رکھ دیتی تھی۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ اُڑان بھرنا چاہتی ہے لیکن اُس کی ماما اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈال رہی ہے---وہ اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ فون بیل نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے نمبر دیکھا تو وہ تیمور کا تھا۔

"چلو---" اُس نے دھیمے سے لہجے میں یوں کہا جیسے آہ بھری ہو۔

"کیا بات ہے صفو! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا' کیا ہوا ہے؟" تیمور نے تیزی سے کہا جیسے اس کی ذرا سی تکلیف پر وہ تڑپ اُٹھا ہو۔

"بس کیا بتاؤں---مَیں بہت ڈسٹرب ہوں' سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں؟" وہ اسی لہجے میں بولی۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا ہے' مطلب؟---خیر تم یوں کرو کہ ایک اچھے سے لنچ کے لیے آ جاؤ' وہیں باتیں ہوں گی۔" تیمور نے کہا۔

"مَیں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی ہوں' تیمور! مَیں تم سے تھوڑی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" وہ مایوس لہجے میں بولی جیسے وہ بہت پریشان ہے۔

"اس لیے نا!---مجھے بس ذرا سی دیر ہو گئی تمہیں فون کرنے میں' میرا خیال ہے کہ تم ابھی گھر پہنچی ہو گی اور ابھی تک لنچ نہیں کیا ہوگا۔" تیمور نے اندازے سے کہا۔

"ہاں' ایسا ہی ہے۔" اُس نے پھر دھیمے سے لہجے میں جواب دیا۔

"تو بس پھر تم جلدی سے آ جاؤ' مَیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر تیمور نے ریستوران کا نام بتایا۔

"مَیں آ رہی ہوں---"

صفیہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس نے جلدی سے کالج یونیفارم اُتاری۔ موسم کی مناسبت سے خوبصورت سا ڈریس پہنا' انتہائی ہلکا سا میک اپ کیا اور خود ہی گاڑی لے کر نکل گئی۔

ریستوران کے ایک نیم تاریک سے گوشے میں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ تیمور نے ویٹر کو اشارہ کر دیا تھا تاکہ اُس کے آرڈر کے مطابق کھانا لے آئے۔ چند تمہیدی باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔

"صفو! پہلی بات تو یہ بتاؤ کہ تم ڈسٹرب کیوں ہو---؟"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مَیں تمہیں کیسے بتاؤں---میرا خیال ہے' رات جو ہم نے فون پر بات کی تھی' اس سے اندازہ ہو جانا چاہئے کہ مَیں ڈسٹرب کیوں ہوں---؟" صفیہ نے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ مَیں نے تمہیں رات ہی بتا دیا تھا کہ مَیں اپنی ماما سے بات کروں گا' وہ پاپا سے بات کریں گی' اس میں تھوڑا وقت تو لگے گا---" اُس نے سمجھانے والے انداز میں مزید کہا۔ "تمہارے فون کے بعد مَیں بہت دیر تک سوچتا رہا ہوں۔ مَیں نے سوچا ہے کہ چاہے جتنا وقت لگ جائے۔ مہینہ' دو مہینے یا اس سے تھوڑا زیادہ وقت' پہلے ہماری منگنی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد ہم دونوں اشتراک میں بزنس شروع کر دیں گے۔"

"ایسا کیوں---؟" صفیہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"اس لیے میری جان! کہ دونوں طرف سے والدین کی ہمیں سپورٹ حاصل رہے گی' اُن کا اعتماد شامل ہو گا ہمارے ساتھ اور پھر تمہارے امتحان ہو جائیں تو اس طرح کے معاملات دیکھ سکو گی۔ مَیں نہیں چاہتا کہ ہماری ذرا سی غلطی یا جلد بازی سے معاملہ خراب ہو جائے۔" اس نے آہستہ آہستہ کہا۔

"تمہاری بات دل کو لگتی ہے اور مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے' تیمور! لیکن مجھے کسی بھی اَنہونی سے ڈر سا لگتا ہے۔" اُس نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا ۔۔۔۔ کیا ڈر ہے تمہیں؟" تیمور نے تیزی سے پوچھا۔

"میری ماما ۔۔۔۔ تم اُن کے بارے میں نہیں جانتے ہو۔ وہ پرانے خیالات کی ہیں' اسٹیٹس سے زیادہ وہ رشتے ناتوں پر اعتماد کرنے والی ہیں۔ میں کل سے ہی ڈسٹرب ہوں۔ پتہ ہے' میری ماما رات ہاسپٹل میں تھیں ۔۔۔" اُس نے دُکھی لہجے میں بتایا۔

"کیا وہ ہاسپٹل میں تھیں ۔۔۔ کیا ہوا تھا' اَب کیسی ہیں؟" تیمور نے تشویش سے پوچھا۔

"انہیں تمہارے اور میرے بارے میں معلوم ہوا تو یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی ہیں کہ میں یوں تم سے ملوں۔ یہ سنتے ہی وہ بے ہوش ہو گئیں اور پھر انہیں ہاسپٹل لے جانا پڑا ۔۔۔۔ آج تو انہوں نے مجھ سے بات بھی نہیں کی۔" صفیہ نے نگاہیں چراتے ہوئے کرب سے کہا۔

"اوہ تو یہ معاملہ ہے ۔۔۔" تیمور نے سوچتے ہوئے کہا پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "اس کا مطلب ہے' ہمیں اور بہت زیادہ محتاط ہونا پڑے گا ۔۔۔۔ خیر! تم فکر نہ کرو۔ میں سب دیکھ لوں گا۔"

"تیمور! اگر دیر ہو گئی تو ممکن ہے' وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے ۔۔۔" صفیہ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ حوصلہ دیتے ہوئے بولا پھر سوچ بھرے لہجے میں پوچھا۔ "تمہارے پاپا ۔۔۔۔؟"

"وہ میرے ساتھ ہیں اور میری ہر بات مانتے ہیں' سمجھتے ہیں۔ یہ جو میں اپنے خوابوں کی بات کرتی ہوں نا تو صرف اسی وجہ سے ۔۔۔ میں اگر اپنا بزنس نہیں کر سکی' تب بھی میں اُن کے ساتھ شامل ہو جاؤں گی۔ انہیں مجھ پر حد درجہ اعتماد ہے۔" وہ قدرے حوصلہ مند لہجے میں بولی۔

"تو پھر تم کیوں گھبراتی ہو؟ ۔۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا' اَب یہ سارا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ تم بس اپنے کالج کا فائنل ایئر مکمل کرو۔ تمہاری ماما کو ہمارے ملنے پر اعتراض ہے تو ہم اتنا زیادہ نہیں ملیں گے اور انہیں معلوم بھی نہیں ہونے دیں گے۔ تم اِس دوران اُن کا بھی اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے عام سے انداز میں بھرپور یقین سے کہا۔

"میں بہت گھبرا گئی تھی تیمور! تمہاری باتوں نے مجھے بہت حوصلہ دیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"تم بھی ہنستی مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو ۔۔۔ اپنے سارے غم مجھے دے دو۔"

تیمور نے اُس کی جانب پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اِسی اثناء میں ویٹر ان کے لیے کھانا چننے لگا تو وہ اس طرف متوجہ ہو گئے۔

☆☆

جنید اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تازہ اخبار پڑھ رہا تھا۔ اگرچہ شام ہونے کو آ گئی تھی لیکن وہ ابھی تک اپنے کمرے ہی سے نہیں نکلا تھا۔ اس

کے لیے کھانا بنانے والا لڑکا سلطان کئی بار آ کر پوچھ چکا تھا کہ وہ اس کے لیے کھانا بنائے یا نہیں؟ ہر بار وہ اسے یہی کہہ دیتا کہ تھوڑی دیر بعد بتائے گا۔۔۔۔اصل میں اُس کے دماغ میں دوطرح کی باتیں چل رہی تھیں۔اُس کا اپنا جی چاہ رہا تھا کہ وہ باہر کھلی فضا میں نکلے اور کسی کے ساتھ خوب جی بھر کے باتیں کرے۔سب سے پہلا نام اُس کے ذہن میں راحیلہ ہی کا آیا تھا لیکن تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اُس کا دل نہیں مانا۔۔۔۔آج صبح وہ سو رہا تھا جب راحیلہ کا فون آیا تھا۔اُس نے نیند بھری آنکھوں سے نمبر دیکھا اور پھر خمار آلود آواز میں کہا۔

"ہاں بولو راحیلہ۔۔۔؟"

"آپ سو رہے ہو۔۔۔؟"

"ہاں سو رہا تھا جب سوؤں گا دیر سے تو اُٹھنا بھی دیر ہی سے ہو گا۔۔۔۔تم بولو؟" اُس نے آنکھیں بند کیئے ہی کہا۔

"میں بعد میں کر لوں گی۔۔۔۔" راحیلہ نے جلدی سے کہا۔

"ارے نہیں بولو۔۔۔"

اُس نے تیزی سے کہا تو راحیلہ نے ڈاکٹر جمیل اور بیگم فہیم کے آنے کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا۔

"مجھے اُمید ہے کہ اب وہ دوبارہ تمہیں تنگ نہیں کریں گے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"لگتا تو یہی ہے لیکن کیا کسی انسان کی خصلت بھی بدل جایا کرتی ہے۔۔۔؟" راحیلہ نے دُکھی دل سے سوال کیا۔

"میں اس بارے میں نہیں جانتا لیکن جو اُس کے ساتھ ہو گئی ہے اگر اس کے باوجود بھی اُس نے اپنا رنگ دکھایا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا' یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" وہ انتہائی سرد لہجے میں بولا۔

"خیر میں نے آپ کو بتانا تھا آپ آرام کرو میں بعد میں فون کر لوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔"

جنید نے کہا اور پھر فون سرہانے رکھ کر سو گیا۔۔۔۔اور اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ راحیلہ کو فون کرے' اسکے ساتھ کسی بھی اچھے سے ریستوران میں بیٹھ کر کھانا کھائے لیکن اسکے ساتھ جنید کے ذہن میں یہ خیال اُبھرتا کہ ابھی راحیلہ کے شکریہ کہے کو چند بھی گھنٹے بھی نہیں گزرے ہیں اور وہ اُسے بلا لے۔وہ کیا سوچے گی' کیا یہ بیہودگی نہیں ہے کہ اک ذرا سے احسان کے بدلے میں وہ اس کی رفاقت چاہے؟۔۔۔۔اپنے ضمیر کی سرزنش پر اُس نے اس بابت سوچنا ہی چھوڑ دیا لیکن دل لگاتار اُسے اُکسا رہا تھا' مختلف بہانے اور دلیلیں دے رہا تھا اور وہ مسلسل اُسے نظر انداز کرتا چلا جا رہا تھا۔

جنید کے ذہن میں دوسرا شخص ہمایوں تھا۔وہ اُسے بہت کام کا آدمی معلوم ہوا تھا' اُس کے ذریعے وہ بہت سارے کام کر سکتا تھا۔اگر چہ یہ بات اُس نے بہت پہلے بھانپ لی تھی لیکن ماجد وڑائچ کے قتل کے بعد وہ اُس کی نگاہوں میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔جنید کو احساس ہو گیا تھا کہ ہمایوں پسے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتا ہے جسے اپنی تمام تر خواہشوں کو پورا کرنے کا ایک ہی راستہ دکھائی دیتا ہے اور وہ ہے دولت!۔۔۔۔دولت ہمایوں کی کمزوری تھی۔اُس نے ہمایوں کے بارے میں جو پلان سوچ رکھا تھا' وہ بہت ضروری ہو گیا تھا کیونکہ جنید کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ ذیشان اُس

کے ساتھ ہاتھ کر گیا ہے۔ دراصل وہ اُسے استعمال کرتے ہوئے عالمگیر کو قتل کرنا چاہتا ہے مگر ان سب باتوں کی کوئی دلیل جواز یا کوئی منطق اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جو وہ اپنی قیادت کے سامنے پیش کر سکے۔ اب اس کے سامنے فقط ایک ہی ٹارگٹ تھا اور وہ تھا فاروق چوہدری! جس کو سوچ کر ساری بات گم ہو گئی تھی۔

"سر جی! سورج غروب ہونے لگا ہے اب تو بتا دیں---- یا پھر بازار سے کھانا لے آؤں۔"

سلطان نے بے چارگی سے پوچھا تو جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوئے یار! بس چند منٹ دے دے میں ابھی بتا دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ہمایوں کے نمبر تلاش کر کے اُسے پش کر دیا۔ چند لمحوں بعد اس نے فون ریسیو کر لیا اور کہا۔

"بولیں جنید بھائی----؟"

"کیا کر رہے ہو اور کہاں ہو؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں' گھر پہ ہوں۔" ہمایوں نے جواب دیا۔

"تو پھر یوں کرو گھر سے نکلو۔ میں بھی آ رہا ہوں اسی پارک میں' پھر کہیں نکل چلیں گے۔" جنید نے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں----"

اس نے کہا تو جنید نے فون بند کر دیا۔ پھر سلطان کو آواز دے کر کہا کہ تم اپنے لیے بنا لو یا بازار سے لے آؤ جو دل چاہے میں باہر جا رہا ہوں۔

"مجھے بھی یہی اندازہ تھا کہ آپ باہر ہی جائیں گے----"

سلطان نے کہا تو وہ مسکرا دیا' پھر تیار ہونے کے لیے اُٹھ گیا۔

رات بھیگ گئی تھی جب وہ دونوں ایک اوپن ایئر ریستوران کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پارک سے لے کر وہاں آنے تک اُن کے درمیان یونہی عام سی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ جنید نے جب آرڈر دے دیا اور خاموشی سے اپنے خیالات میں یکسو ہو رہا تھا کہ ہمایوں بولا۔

"ویسے خیریت ہے' جنید بھائی! آپ نے مجھے یوں بلایا----؟"

اس کے یوں کہنے پر جنید نے چونک کر ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ اس کا لہجہ' تم سے آپ پر آ جانا بڑی تبدیلی تھی۔ سو وہ چند لمحے یونہی دیکھتا رہا' پھر بولا۔

"میرے جیسے بندے کے ساتھ خیریت کہاں ہوتی ہے۔ ہم وہ لوگ ہیں جن کے پاؤں میں نہ صرف چکر ہوتا ہے بلکہ انھیں یہ تک خبر نہیں ہوتی کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔ خیریت' سکون اور اطمینان جیسے لفظ ہمارے لیے اجنبی ہوا کرتے ہیں۔"

"آپ تو بہت مایوس دکھائی دے رہے ہیں۔" ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

"میں مایوس نہیں ہوں یار! ایسا ہوتا نا تو اب تک منوں مٹی کے نیچے پڑا ہوتا۔۔۔۔۔ ویسے کسی کو بھی خبر نہیں ہے کہ اس نے یہ دنیا کب چھوڑ جانی ہے لیکن میری دنیا میں ایک خوش گمانی تو ہے جو سکون سے بیٹھنے نہیں دیتی۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "خیر چھوڑو ان باتوں کو۔۔۔۔ تمہیں شاید یاد ہوگا کہ میں نے تمہیں کہا تھا میرے پاس تمہارے لیے ایک پلان ہے؟"

"ہاں کہا تو تھا۔۔۔۔" ہمایوں نے دبے دبے جوش سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ وہ تم سے کہہ دوں۔ تمہاری سمجھ میں آئے تو مجھے بتانا۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"آپ کہیں تو۔۔۔۔" ہمایوں نے تیزی سے کہا۔

"دیکھو ہمایوں! دولت اس دنیا کی اہم ترین حقیقت ہے۔ اس میں قصور کسی کا نہیں' پوری دنیا ہی مادیت کی لپیٹ میں آگئی ہے۔ ہر شے کو دولت ہی کے معیار پر پرکھا جا رہا ہے۔ اب ضروریات زندگی صرف اس شخص کے لیے محدود ہو کر رہ گئی ہیں جس کے پاس آسائشیں خریدنے کی استطاعت نہیں۔ ہمارے پسے ہوئے طبقے کے لیے تو یہ دولت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ہماری ضروریات' خواہشیں اور خواب اس سے جڑے ہوئے ہیں۔" جنید یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ہمایوں نے اس کی تائید کی۔

"جن حالات سے تم گزر رہے ہو اس میں دولت کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ تمہاری چاہت کے درمیان دولت ایک عفریت کی مانند آن کھڑی ہے جو تم دونوں میں سے کسی ایک کو نگل جائے گی۔۔۔۔ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟" جنید نے اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

"بالکل۔۔۔۔ شاید میں دولت کی اتنی تمنا نہ کرتا۔ میں بھی ایک عام انسان کی طرح یونہی زندگی گزارنے کی جدوجہد کرتا رہتا لیکن۔۔۔۔"

جنید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "لیکن وہ تمہاری پہنچ سے بہت دور ہوگی' صرف اس وجہ سے کہ وہ دولت مند ہیں۔"

"بالکل' اس میں کوئی شک نہیں۔" ہمایوں نے اعتراف کیا۔

"بلاشبہ تم اپنی راہ سے یہ رکاوٹ دور کرنا چاہتے ہو گے؟" جنید نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں میں دولت حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر مجھے معلوم ہے کہ ان حالات میں اگر میں جائز ذرائع سے دولت حاصل کرنا چاہوں تو نہیں کر سکتا۔" ہمایوں نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس جو پلان ہے' اس میں کوئی ناجائز بات نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہیں اپنی راہ پر چلنے کے لیے کہوں گا مگر تمہیں اپنا پورا وقت اس میں لگانا ہوگا۔ جو پلان میں تمہیں دینا چاہتا ہوں پھر اس کے سوا کچھ اور نہیں ہونا چاہیے۔" جنید نے دھیرے سے کہا۔

"آپ بتائیں تو سہی میں اپنا آپ وقف کر دوں گا۔" ہمایوں نے اپنا تجسس دباتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تمہاری وکالت کوئی حیثیت نہیں رکھتی' یہ بھی تعلقات کی بنیاد پر چلتی ہے۔ تمہارا اسٹیٹس ابھی تمہیں وہ مقام نہیں دے گا جو فی زمانہ وکالت کے لیے چاہیے ہوتا ہے۔" جنید اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یہ سب دولت ہی سے ممکن ہے اور میرے پاس۔۔۔" ہمایوں نے کہا۔

"میری جان! وہی بتانے جا رہا ہوں۔ تم خود کو عوام میں مقبولیت کے لیے تیار کر لو وہ سب سوچو اور ان پر عمل کرو جس سے تمہیں عوامی مقبولیت حاصل ہو۔ غریب لوگوں کے، مستحق لوگوں کے کام آؤ۔ ان کے لیے مفت میں لڑو، احتجاج کا کوئی موقعہ نہ جانے دو۔ شہر میں ہونے والی کوئی تقریب ہو، اس میں تمہیں پیش پیش ہونا چاہیے۔ ایک پریشر گروپ بنا لو جو انتظامیہ پر دباؤ ڈال سکے۔۔۔ مطلب میں تمہیں ایک سیاستدان کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں اور سیاست۔۔۔؟" ہمایوں پریشان سا ہو گیا۔

"ہاں، تم اس حلقے کی سیاست کرو۔ وہ جو سیاستدان اپنے انتخابی پوسٹروں پر جھوٹے نعرے لکھتے ہیں نا، جیسے بے لوث خدمت، بے خوف قیادت وغیرہ۔ بس تمہیں ویسا ہی تاثر دینا ہے۔" جنید نے اُس کے چہرے پر بدلتے ہوئے رنگوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جنید بھائی! سیاست بھی انسان ہی کرتے ہیں اور جو رنگ ڈھنگ اس وقت سیاست کے ہیں وہ کچھ اور ہی چیز ہے لیکن میں۔۔۔"

"تم جو کہنا چاہتے ہو میں اسے سمجھ رہا ہوں۔ تم اس میں خرچ ہونے والی رقم کی پرواہ نہیں کرنا، وہ میں تمہیں دوں گا لیکن کبھی بھی کہیں بھی اور کسی سے بھی میرا ذکر نہیں ہو گا۔۔۔ اب تمہارا مجھ سے یہ سوال ہونا چاہیے کہ میں ایسا کیوں چاہتا ہوں؟"

"ہاں۔۔۔ یہ تو ہے؟" ہمایوں نے کہا۔

"تو پھر جان لو میں اس شہر پر مسلط منافق سیاستدانوں کا توڑ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میں ہمت ہے، میرے ساتھ اپنا مقصد بھی حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ، میدان میں آ جاؤ۔" جنید نے اُسے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

"میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔" ہمایوں نے جب یہ لفظ کہے تو اس کے دماغ میں صفیہ کا مارا ہوا تھپڑ گونج گیا تھا۔ اس کی بازگشت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ پولیس کے ہاتھوں بے عزت ہو جانے کی خلش نے اُسے بے حال کر کے رکھ دیا۔

"تمہارا اور میرا رابطہ فون پر رہے گا۔ مجھے جس قدر تمہارا کام دکھائی دے گا میں اسی قدر تمہیں رقم فراہم کرتا چلا جاؤں گا اور ممکن ہے، ہمارا یوں ملنا آخری بار ہی ہو۔" جنید نے دھیرے سے کہا۔

"نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔" ہمایوں تیزی سے بولا۔

"ممکن ہے ایسا نہ ہو لیکن تم یہی سمجھو۔۔۔" جنید نے اس پر واضح کر دیا۔

"ٹھیک ہے جنید بھائی! میں تیار ہوں۔"

ہمایوں نے حتمی لہجے میں کہا تو جنید نے اپنی جیکٹ کے اندر ہاتھ ڈالا اور ایک پھولا ہوا لفافہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔

"اسے اُٹھا لو۔۔۔ اور ہاں، یاد رکھنا جس دن بھی تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی اس کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔"

"میں ان معاملات کو سمجھتا ہوں۔" ہمایوں نے وہ لفافہ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات اور ہے ہمایوں! تم فاروق چوہدری کے بارے میں تو جانتے ہو۔ بات وہیں ختم ہوئی تھی! اس کے بارے میں تصدیق کرنی ہے۔۔۔۔ بولو یہ کام کر سکو گے؟" جنید نے پوچھا۔

"یوں نہیں! اس سے تصدیق آپ ہی کریں۔۔۔۔ آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ میرا تعلق آپ سے ثابت نہیں ہونا چاہئے! اس طرح تو میں سامنے آ جاؤں گا۔۔۔۔ ہاں فاروق چوہدری کے بارے میں معلومات آپ کو مل جائیں گی۔"

"بہت خوب۔۔۔۔" جنید نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "تم نے اتنی باریک بات اپنے ذہن میں رکھی۔ تم اس کے بارے میں معلومات دو، میں اس سے جلد ملنا چاہتا ہوں۔"

"یہ کام تو سمجھیں ہو گیا۔" ہمایوں نے مضبوط لہجے میں کہا۔

پھر اس حوالے سے وہ اس وقت تک آپس میں باتیں کرتے رہے جب تک کھانا سامنے نہیں آ گیا۔۔۔۔ آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی جب وہ دونوں وہاں سے نکلے۔ جنید اپنا خواب ہمایوں کے سپرد کر کے قدرے پرسکون ہو گیا تھا، اب بس اس کے نتیجے کا اسے انتظار بہت صبر و تحمل سے کرنا تھا۔

☆☆

"راحیلہ! مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر تم چاہتی کیا ہو---؟"

نسرین جوزف نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ راحیلہ چند لمحے خاموش رہی پھر دور خلاؤں میں گھورتی ہوئی بولی۔

"نسرین! یقیناً تمہیں سمجھ نہیں آسکتی کیونکہ تم اسے سمجھنا ہی نہیں چاہتی ہو۔۔۔کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے کہ ہر طرف آگ لگا دوں۔ کچھ بھی نہ رہے لیکن پھر سوچتی ہوں کہ اس سے کیا ہوگا' بہت سارے بے گناہ لپیٹ میں آجائیں گے۔ مَیں جو ایک گاؤں کی دیوسی ڈرپوک سی لڑکی یہاں شہر میں آئی ہوں تو مجھے جینے کا حق کیوں نہیں دیتے۔ اب اگر مَیں نے اُنہیں کچھ کہہ دیا ہے تو گنہ گار ہوگئی ہوں۔ بہت اچھا انصاف ہے تمہارا---؟"

آخری لفظ کہتے ہوئے اُس کے لہجے میں تلخی آگئی تھی۔

"تم میری بات کا غلط مطلب لے گئی ہو۔ مَیں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جب وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے تھے تب تم بھی تھوڑا تحمل دکھاتیں---" نسرین نے دبے ہوئے لفظوں میں کہا۔

"ہاں---مصلحت کا تقاضا تو یہی تھا کہ مَیں خاموش رہتی لیکن کیا کروں مَیں اپنی سوچ کا جو میرے تن بدن میں آگ لگا دیتی ہے۔ اُن کا چہرہ دیکھتے ہی میرے اندر آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔" راحیلہ نے خود کلامی سے انداز میں کہا۔

"اس آگ پر قابو پاؤ' زمانے کا کچھ بھی نہیں جانا' تم خود جل کر راکھ ہو جاؤ گی۔ ہمارا یہاں پر زیادہ سے زیادہ تین چار مہینے قیام ہوگا' پھر ہم نے چلے جانا ہے اس لیے خود پر قابو رکھا کرو۔ یہ وقت بھی گزر جائے گا۔" نسرین نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں' مجھے ایسے ہی کرنا چاہئے۔" راحیلہ نے پھر خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"جس طرح ڈاکٹر جمیل نے آکر معذرت کر لی ہے اور اس کے ساتھ میڈم نے بھی تو میرا نہیں خیال کہ اب کوئی مزید بات ان کی طرف سے ہوگی---ویسے یہ سارا کام جنید ہی کا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اُس نے کیا' کیا ہوگا جو ڈاکٹر اس قدر جھکنے پر مجبور ہوگیا؟" نسرین نے حیرت سے پوچھا۔

"اس بارے میری اُس سے بات ہی نہیں ہوئی اور مَیں جانتی ہوں کہ وہ مجھے کچھ بھی نہیں بتائے گا ورنہ وہ فون کر کے کسی ردِعمل کے بارے میں پوچھ چکا ہوتا۔" راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"ویسے حیرت ہے' اتنی جلدی یہ سب ہوگیا اور اس سے بھی زیادہ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ وہ تمہاری مدد کرنے پر راضی کیسے ہوگیا؟"

نسرین کو اب تک ایسا کوئی اشارہ نہیں مل رہا تھا جس سے وہ اپنا اطمینان کر سکتی۔

"تم ایسا کرو اُس سے خود ہی پوچھ لینا۔ مَیں تمہیں یقین سے کہتی ہوں کہ مجھے نہیں پتہ---" راحیلہ نے قدرے خوشگوار انداز میں کہا اور مسکرا دی۔

"نہیں یار! حیرت تو ہونی ہی ہے۔ تم نے بھی تو اُس سے نہیں پوچھا---"

وہ دھیرے سے بولی تو راحیلہ کو جنید کا لہجہ یاد آگیا۔ اُس نے کس قدر غرا کے کہا تھا کہ اگر اب اُس نے کوئی ایسی حرکت کی تو اپنی جان سے جائے گا---اُسے خاموش پا کر نسرین بولی۔

"ویسے تمہیں ایک بار اُس سے مل لینا چاہیے' اُس کا شکریہ تو ادا کرنا' کم از کم---"

"ہونا تو ایسے ہی چاہیے لیکن اُس نے کبھی ایسا اظہار نہیں کیا---نسرین انجانے مجھے کیوں یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ عام سا نہیں ہے' اُس میں کوئی خاص بات ہے---کیا ہے؟ مَیں خود نہیں جانتی۔" راحیلہ نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"ہاں' یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ کوئی یونہی اپنی زبان کا پاس رکھتے ہوئے مدد نہیں کر دیتا۔ زندگی کے ان تلخ تجربات نے مجھے بھی سکھایا ہے' اسی لیے شاید مَیں اَب تک شک میں مبتلا ہوں۔" نسرین نے بھی اسی کے سے انداز میں کہا۔

"بات کچھ بھی ہو نسرین' اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ مرد ہے۔" راحیلہ نے کسی خیال کو ذہن میں لا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج آف ہے' نا؟---تم یوں کرو کہ اُس سے ملو' اُس کا شکریہ ادا کرو۔ ممکن ہے' وہ یہ بتا دے کہ اُس نے یہ سب کیسے کیا؟" نسرین کو اَب تک وہی تجسس ہو رہا تھا۔

"اُس سے ملنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مَیں تمہیں یہ بتا دوں کہ وہ کبھی ایسی بات نہیں کرے گا---ویسے میرا دل بھی چاہتا ہے کہ اُس سے ملوں' اُس کا شکریہ ادا کروں۔"

راحیلہ نے کہا تو نسرین تیزی سے بولی۔

"تو منع کس نے کیا ہے' فون کرو اُسے---"

تبھی راحیلہ نے فون اُٹھایا اور فون میں محفوظ واحد نمبر کو پش کر دیا۔ تھوڑی دیر بیل ہو جانے کے بعد اِس نے فون اُٹھا لیا' علیک سلیک کے بعد اُس نے پوچھا۔

"سو رہے تھے آپ---؟"

"ہوں---سوائے سونے کے اور کام ہی کیا ہے؟" جنید نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"---اور مَیں ہمیشہ آپ کو جگا دیتی ہوں۔" راحیلہ شرمندگی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں---ویسے فون کس لئے کیا تھا؟"

جنید نے پوچھا تو راحیلہ چند لمحوں تک گڑبڑا گئی' پھر حوصلہ جمع کرتے ہوئے بولی۔

"مَیں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کب---؟" جنید نے پوچھا۔

"آج---یا جب آپ چاہیں۔"

وہ تیزی سے بولی تو جنید نے چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

"ٹھیک ہے' دوپہر کے وقت مَیں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کہاں آؤ گی۔" اُس کا لہجہ عام سا تھا' جذبات سے عاری جس میں ذرہ بھر تجسس

نہیں تھا۔

''کہیں آپ کو دقت تو نہیں ہوگی؟'' راحیلہ نے پوچھ لیا۔

''نہیں ـــــ بس تم اپنا خیال رکھنا۔''

جنید نے یوں کہا جیسے وہ اُسے سمجھا رہا ہو۔ پھر الوداعی مکالموں کے بعد فون بند کر دیا گیا۔

دوپہر کے بعد جنید نے جس جگہ کے بارے میں بتایا تھا وہ وہاں پر موجود نہیں تھا جبکہ راحیلہ وقت پر وہاں پہنچ گئی تھی۔ وہ چند لمحے انتظار کرتی رہی پھر اُس نے فون کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اُس کا فون بج اُٹھا۔ راحیلہ نے کال ریسو کی اور پوچھا۔

''آپ ابھی تک یہاں نہیں پہنچے ہیں۔''

''میں چند منٹ تک پہنچ جاؤں گا تم مشرق کی جانب پیدل چلو۔''

جنید نے اتنا کہا اور فون بند کر دیا۔ راحیلہ نے فون بیگ میں ڈالا اور مشرق کی جانب چل دی۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلی ہوگی کہ ایک کار بالکل اُس کے قریب آن رکی۔ راحیلہ نے اس میں جھانکا تو ڈرائیونگ سیٹ پر جنید موجود تھا۔ وہ عام شلوار قمیص کی بجائے پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا' پہلی نگاہ میں وہ پہچانا ہی نہیں جا رہا تھا۔ راحیلہ کار میں بیٹھ گئی۔

''آپ تو پہچانے ہی نہیں جا رہے ہیں۔'' سلام دعا کے بعد راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار! کبھی کبھی میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں جنٹلمین بن جاؤں --- کیا اچھا نہیں لگ رہا ہوں؟'' جنید نے سامنے سڑک پر نگاہ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ آپ اچھے لگتے ہیں ـــــ دراصل آپ کو پہلی بار ایسے لباس میں دیکھا ہے نا!'' راحیلہ نے وضاحت کی۔

''اوہ اچھا --- خیر چھوڑو ان باتوں کو اب مجھے تفصیل سے بتاؤ' دوبارہ پھر کوئی بات تو نہیں ہوئی اُن کی طرف سے ---؟'' جنید نے پوچھا۔

''نہیں ـــــ بلکہ دوسروں کا بھی سلوک مجھ سے اچھا ہو گیا ہے۔''

یہ کہہ کر اُس نے پھر سے پوری تفصیل کے ساتھ ساری بات بتا دی۔ اس دوران جنید ڈرائیونگ کرتا رہا' یہاں تک کہ شہر سے باہر نکل آیا اور ہائی وے پر موجود ایک ریستوران کے سامنے گاڑی روک دی۔

''آؤ آج تمہیں مختلف قسم کا کھانا کھلاتا ہوں۔''

جنید نے کہا اور گاڑی سے باہر آ گیا۔ راحیلہ اُس کے ساتھ چلتی ہوئی ایک گوشے میں جا بیٹھی جہاں اُن کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اس وقت راحیلہ کو احساس ہوا کہ وہ ریستوران والے جنید کو اچھی طرح جانتے ہیں' تب اُس نے پوچھ ہی لیا۔

''یہ آپ کو جانتے ہیں؟''

"ہاں! بہت اچھی طرح ---" جنید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "یہاں میں اس وقت آتا ہوں جب مجھے کسی سے کوئی خاص بات کرنا ہوتی ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے آپ مجھ سے کوئی خاص بات ---؟" راحیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ---" جنید نے کہا اور پھر کہتا ہی چلا گیا۔ "راحیلہ! میرے جیسے بندے کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا' نجانے کب کوئی گولی بدن چھید جائے یا پھر میں سلاخوں کے پیچھے ہوں۔ میرے جیسے لوگ کسی کے ساتھ وعدہ بھی نہیں کر سکتے۔ میں بھی کوئی وعدہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ مجھے خود پر یقین ہی نہیں ہے۔"

"کیا آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں ---؟" راحیلہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"ان دنوں میرے پاس سوائے سوچنے کے اور کوئی کام نہیں ہے --- میں نے تمہارے بارے میں بھی بہت سوچا ہے۔ یہ ڈاکٹر وغیرہ کوئی شے نہیں ہیں' جو شخص بھی چہرے پر نقاب سجا کر رکھتا ہے نا' وہ اندر سے بزدل ہوتا ہے کیونکہ اپنی بزدلی کو چھپانے کے لیے نقاب اوڑھتا ہے --- ایک سوچ یہ ہے کہ اگر میں نہ رہوں تو پھر کون تمہیں ان لوگوں سے بچائے گا ---"

راحیلہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"جنید! آپ نے جتنا میرے لیے کر دیا' اتنا ہی بہت ہے۔ میں ان سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتی اور نہ ہی میں اس مقصد کے لیے آپ سے ملی ہوں۔"

"تم میری بات نہیں سمجھی ہو --- تم نے اگر اس پروفیشن میں رہنا ہے تو اپنا تاثر خراب مت کرو۔" اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے --- میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ چاہتے ہیں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"میری بات بُری لگی ---؟" جنید نے پوچھا۔

"نہیں --- لیکن آپ سے اجنبیت کا احساس ضرور ہوا ہے۔" راحیلہ نے صاف کہہ دیا۔

"تم اگر میرے لیے اجنبیت کا احساس رکھو تو اچھا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ میرا کوئی بھروسہ نہیں ہے اور میں یہ سب کچھ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ جیسے ایک چوکیدار پہرہ دیتے ہوئے اونچی آواز میں صدا لگاتا ہے کہ جاگتے رہنا' میں بھی کچھ ایسے ہی جذبوں کو محسوس کرنے لگا ہوں۔ ہم جیسے لوگوں کی لغت میں ایسا تب ہوتا ہے جب بندہ بزدل ہو جاتا ہے۔"

"کیا آپ میرے لیے کوئی جذبہ اپنے من میں محسوس کرتے ہیں؟" راحیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا' کسی بھی مرد کی زندگی میں نسوانی احساس اپنی کشش ضرور رکھتا ہے۔ مجھے تم اچھی لگتی ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ ایک اپنائیت کا احساس ہے تم سے ---"

جنید نے مضبوط لہجے میں یوں کہا جیسے اُسے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ راحیلہ اس پر چند لمحے خاموش رہی اور پھر وہ بھی اِسی

مضبوط لہجے میں بولی۔

"میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔۔۔۔ ظاہر ہے' ملنا اور پھر ملتے رہنا' اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ تو سامنے آئے گا۔ شاید آپ ڈرتے ہیں کہ یہ ملاقاتیں کہیں محبت کا رنگ نہ لے آئیں۔۔۔۔ یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ میں ڈرتا ہوں۔ یہ جذبہ ہم جیسے لوگوں کو راس نہیں آئے گا۔ شاید یہ ہمارے مقدر میں نہیں ہے یا پھر ہم ہی اس کے لیے نہیں بنے۔۔۔" جنید نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کہتے ہیں تو آج کے بعد میں آپ سے ملنا تو کیا' آپ کو فون کال بھی نہیں کروں گی البتہ آپ نے جو احسان مجھ پر کیا ہے' اسے میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔۔۔ میں چند ماہ تک اِدھر ہوں' پھر پلٹ کر گاؤں چلی جاؤں گی۔ اس کے بعد کہیں بھی' جہاں سے مجھے نوکری مل گئی۔" اس نے بھیگے ہوئے لہجے میں دھیرے سے کہا۔

"مطلب' تم۔۔۔ نوکری کرو گی۔ جہاں بھی جانا پڑے۔۔۔؟" جنید نے یوں بے ترتیب سی بات کہی جیسے کہنے کو اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

"نوکری ہی کے لیے تو یہ سارا جھنجھٹ پال رہی ہوں۔۔۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم یہ دن کس طرح گزار رہے ہیں۔ ورنہ میری طرح کی لڑکیاں ان دنوں میں کیا کیا خواب نہیں رکھتیں اور کیا میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایسے خبیث بندے کی باتیں سنوں؟۔۔۔ یہاں بہت سارے اچھے لوگ بھی ہیں۔ دردمند دل ہیں' ہمدردی کرتے ہیں تو وقت اچھا گزر رہا ہے ورنہ عذاب ہے یہ سب۔۔۔"

"گھر میں اور کون کون ہے۔۔۔؟" جنید نے پہلی بار پوچھا۔

"یہاں میں اور گاؤں میں میری ماں جو اپنا وقت نجانے کیسے گزار رہی ہے۔۔۔ جنید صاحب! جس طرح آپ یہ محبت وغیرہ کے چونچلے افورڈ نہیں کر سکتے اسی طرح میں بھی نہیں کر سکتی۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ماں نے مجھے کس طرح پالا ہے' میٹرک تک تعلیم کس طرح دلوائی ہے۔ یہ تو بھلا ہو میری اُستانی جی کا' جس نے میری مدد کی پھر سکول بھی تو قریب ہی کے گاؤں میں تھا۔۔۔ کیسی قسمت ہے جنید صاحب' ہماری اُدھر گاؤں میں میری ماں لوگوں کی باتیں سنتی ہے کہ بیٹی نرس بن رہی ہے یا کیا کر رہی ہے اور اِدھر میں۔۔۔" راحیلہ کہتے ہوئے اچانک رو دی۔ آنسوؤں کو اس نے پلکوں پر ہی روک لیا تھا۔

"اس دنیا میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو نجانے اپنی زندگی کس قدر مشکلات میں گزارتے چلے جا رہے ہیں' ان میں سے ایک تم بھی ہو۔ میں نے تو آج تک یہی سیکھا ہے کہ اگر سیدھے سبھاؤ نہیں ملتا ہو تو چھین لو' بس بندے میں حوصلہ ہونا چاہیے۔" جنید نجانے کیوں اُسے آزمانے پر تلا ہوا تھا' اس لیے ایک نئی بات کہہ دی۔

"حوصلہ تو مجھ میں بھی بہت ہے' جنید صاحب! لیکن وہ طاقت نہیں ہے۔ میں تو اپنا حوصلہ اپنی جان پر ہی آزماتی چلی آئی ہوں' برداشت کی آخری حدوں کو چھوا ہے میں نے لیکن میرے پاس طاقت نہیں ہے۔ وہ وسائل نہیں ہیں ورنہ میں بھی ڈاکٹر بن سکتی ہوں یا کچھ بھی اور۔۔۔ سب سے

بڑی بات یہ ہے جنید صاحب! میں لڑکی ہوں۔ اس معاشرے میں اکیلی اور تنہا لڑکی کو کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آپ بھی سمجھتے ہیں۔"

لفظ ابھی اُس کے منہ ہی میں تھے کہ ویٹر کھانا لے کر آ گیا۔ دو تین چکروں میں اس نے سامنے پڑی میز بھر دی' تب جنید نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"سب کچھ بھول کر اس وقت صرف کھانے پر دھیان دو' باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

کھانے سے فراغت کے بعد جنید نے بل دیا اور پھر اپنا پرس واپس جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔

"بتاؤ' تمہارا گاؤں کتنی دور ہے؟"

"گاؤں ---- مطلب' کیا آپ وہاں جائیں گے؟" راحیلہ ایک دم سے گھبرا گئی۔

"ہاں تو' کیا حرج ہے۔ میں تمہارا گاؤں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اُس نے راحیلہ کے چہرے پر غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جنید صاحب! لے جانے کو میں ابھی آپ کو لے جاؤں لیکن جب ہم وہاں سے واپس آ جائیں گے نا' تو میری ماں کو ان بہت سارے سوالوں کا جواب دینا پڑے گا جن کے بارے میں اُسے پتہ بھی نہیں ہوگا۔ مجھے اپنی ماں کے اس دُکھ کا احساس ہے' اس کے علاوہ مجھے آپ کو وہاں لے جانے میں کوئی ڈر نہیں ہے۔"

"وہ تمہاری روم میٹ ہے نا' اُسے بھی ساتھ لے لو۔" جنید نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں' شاید اس طرح بات بن جائے۔"

راحیلہ نے کہا اور پھر اپنے فون سے ہاسٹل کا نمبر ملانے لگی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد نمبر مل گیا۔

"خیر تو ہے' راحیلہ ----؟" نسرین نے پریشان لہجے میں کہا۔

"خیر ہی ہے' بس تم جلدی سے چند منٹ کے اندر اندر تیار ہو کر گیٹ پر آ ؤ' کہیں جانا ہے۔" راحیلہ نے تیزی سے کہا۔

"کہاں جانا ہے' بتاؤ تو ----؟" وہ پوچھنے لگی۔

"کہہ دیا نا' جلدی کرو ----"

راحیلہ نے کہا اور فون بند کر دیا پھر فون ہٹاتے ہوئے بولی۔

"وہ آئے گی' ہمیں گیٹ پر مل جائے گی۔"

"چلو پھر' چلیں ----"

جنید نے کہا اور دونوں اُٹھ کر گاڑی تک چلے گئے۔ جس وقت گاڑی مین روڈ پر تیز رفتاری سے دوڑنے لگی تو راحیلہ نے اپنے گاؤں کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا۔

☆☆

ہمایوں آف ڈے ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی تھا۔ ناشتہ اُس نے گھر والوں کے ساتھ کیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔ جب سے جنید نے اُسے ایک راستہ دکھایا تھا' اس لمحے ہی سے وہ پوری توجہ اور یکسوئی سے اِسی سے متعلق سوچتا چلا گیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ نجانے رات کا کون سا پہر تھا جب اُسے نیند آئی تھی اور صبح کے بعد اُس نے باقاعدہ کاغذ قلم لے کر اس پلان کو لفظوں کی صورت بھی دے دی تھی تاکہ اُس کے ذہن میں پوری طرح نقش ہو جائے' بس اَب ان میں حالات پرونے تھے جو آنے والے وقت میں اِن کے سامنے آنے والے تھے---

انسانی کیفیات بھی کیا عجیب رنگ رکھتی ہیں۔ قنوطیت طاری ہو جائے تو پھر اتنی تیزی سے اس راہ پر بھاگتا ہے کہ پھر سوائے موت کے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا لیکن جونہی اپنی اُمیدیں' خواہشیں اور خواب پورے ہو جانے کا احساس ہوتا ہے تو پھر تیزی سے زندگی کی جانب لپکتا ہے۔ سوچ کی راہ پر وہ کامیابیوں کے نئے نئے نشان ڈھونڈنے کے لیے سرگرداں ہو جاتا ہے۔ اتنی دور تک کہ منصوبے بنا لیتا ہے کہ جہاں تک اُسے پہنچ جانے کی اُمید بھی نہیں ہوتی۔ اس وقت ہمایوں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اُمید کی ہلکی سی کرن نے اس کی زندگی میں اُجالا بھر دیا تھا۔ اُسے یہ احساس اچھی طرح تھا کہ جنید نے یونہی اس پر دولت خرچ کرنے کا نہیں سوچا' بلاشبہ اس کے مقاصد ہوں گے۔ اگر وہ ان مقاصد کو پورا کرتا ہے تو ہی اس کے خواب اپنی تعبیر پا سکیں گے۔ ورنہ وہ یونہی کڑھتا' جلتا اور بے بس سے زندگی گزارتا رہے گا۔ اس سے اچھا ہے کہ وہ کسی کے مقاصد میں استعمال ہو جائے' اس طرح کم از کم وہ اپنے مقاصد کے لیے تو جدوجہد کر پائے گا۔ اس راہ میں زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا' وہ قانون کی گرفت میں آ جائے گا یا کسی گولی کی نذر ہو جائے گا۔ اس زندگی سے تو اچھا ہے کہ وہ یوں ایک بار ہی شعلے کی مانند جل کر بجھ جائے' کم از کم ذہنی اذیت تو نہیں ہو گی۔

''ہمایوں پتر! تم ٹھیک تو ہو' صبح سے کمرے میں بند ہو---''

اُس کی ماں نے کمرے میں آ کر کہا تو وہ اپنے خیالات سے چونکا۔ چند لمحے اُسے سمجھ ہی نہ آ سکی کہ اُس کی ماں نے کہا کیا ہے' اِسی لیے بولا۔

''آئیں امی! بیٹھیں---''

اس نے کہا تو ماں اُس کے پاس کرسی پر بیٹھتی ہوئے بولی۔

''آج کل تم اِتنے مصروف کیوں ہو؟''

''امی! مَیں محنت نہیں کروں گا تو پھر زیادہ سے زیادہ کیسے کما پاؤں گا۔'' اُس نے اپنی ماں کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اِس قدر محنت کہ دن رات کا فرق مٹ جائے--- مَیں نے رات بھی دیکھا تھا' تمہارے کمرے کی بتی جل رہی تھی۔'' اُس کی ماں نے پریشانی سے کہا۔

''محنت تو ایسے ہی ہوتی ہے نا امی! اور پھر وکالت کا پیشہ تو ایسا ہی ہے کہ اس میں ساری عمر پڑھنا پڑتا ہے۔ کیس تیار کرنے پڑتے ہیں' اور پھر بہت کچھ---'' اُس نے مسکراتے ہوئے اپنی ماں کو مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

''ٹھیک ہے' لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اپنی صحت کا بھی خیال نہیں کرو۔ صحت ہو گی تو کام ہو گا نا---!''

ممتا بھرے لہجے میں اُس کی ماں نے کہا تو ایک لمحے کے لیے اُسے اپنے جھوٹ پر شرمندگی محسوس ہونے لگی لیکن اگلے ہی لمحے اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''میں اپنی صحت کا خیال رکھوں گا۔ اَب خوش---؟''

''تمہارا بھائی اَب نوکری لگ جائے گا۔ تم بھی کمانے لگے ہو۔ اَب ہمارے سارے دلدر دُور ہو جائیں گے۔ میں بھی اپنے فرائض سے سرخرو ہو جاؤں گی۔'' اُس کی ماں نے مستقبل میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''امی! کم از کم آپ کو میرے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نہ صرف اپنا بوجھ خود اُٹھاؤں گا بلکہ آپ لوگوں کے لیے بھی بہت کچھ کرنے کی خواہش ہے میرے دل میں--- میں ابھی بہت محنت کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی تو مجھے عدالت جاتے ہوئے تھوڑا سا عرصہ ہوا ہے۔'' ہمایوں نے اپنی ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا' وہ سمجھ گیا تھا کہ اُس کی ماں کیا کہنا چاہتی ہے۔

''بیٹا! تیرے باپ نے بہت محنت کی ہے۔ اُس نے اپنا کم اور دوسروں کا زیادہ سوچا ہے۔ تیرے چاچا اگر ساتھ---''

''اُن کے بارے میں اَب بھی نہیں سوچنا آپ نے--- میں نے اُنہیں اپنے دل و دماغ سے نکال باہر کیا ہے۔ ہم اُن کے سہارے کے بغیر اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے ہیں اور وہ دن دور نہیں' امی! جب آپ کی ساری خواہشیں پوری ہو جائیں گی--- آپ نے کسی سے بھی کوئی اُمید نہیں رکھنی' میں اور بھائی ہیں نا---!''

ہمایوں نے حوصلہ بھرے لہجے میں کہا تو اُن کے درمیان خاموشی چھا گئی' دونوں ہی مستقبل میں اپنی اُمیدوں کو پورا ہو جانے کو دیکھ رہے تھے۔ تبھی ماں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''چل اَب اُٹھ جا' تھوڑی دیر اپنے باپ کے پاس بھی بیٹھ جایا کر---''

''جی اچھا' میں ابھی آتا ہوں۔ بس یہ ذرا کاغذات سمیٹ لوں۔''

اُس نے سعادت مندی سے کہا تو اُس کی ماں باہر نکل گئی۔ اُس نے اپنے کاغذات پر ایک نگاہ ڈالی' پورے منصوبے کو ایک نگاہ سے دیکھا اور فون نکال کر اُس نے جنید کے نمبر پش کر دیئے۔ تھوڑی دیر بیل جاتی رہی پھر اُس نے فون ریسیو کر لیا۔

''ہاں' بولو---؟''

''کیا آج ملاقات ہو سکتی ہے؟''

''لگتا ہے تم نے کچھ کام کر لیا ہے---''

''ہاں' میں نے بہت سوچ لیا ہے۔ کس طرح کیا کرنا ہے' یہ بھی میں نے طے کر لیا ہے۔''

''تو پھر اِس میں ملاقات کی کیا ضرورت ہے' بس اپنا کام شروع کرو۔''

"نہیں ـــــ اس میں بہت ساری باتیں شیئر کرنی ہیں۔ آپ کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میرا ٹریک کیا ہوگا۔"

"چلو ٹھیک ہے ـــ اس وقت تو میں شہر سے باہر ہوں' کسی کام جا رہا ہوں۔ واپس آتے ہی تمہیں کال کروں گا اگر زیادہ دیر نہ ہوگئی تو' ویسے اِمکان ہے کہ میں مغرب تک واپس آجاؤں گا۔"

"میں اِنتظار کروں گا ـــــ"

یہ کہہ کر الوداعی باتوں کے بعد اُس نے فون بند کر دیا' پھر اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر اپنے باپ کے ساتھ گزار کر باہر نکل جائے گا تا کہ عابد الہی سے گپ شپ کر سکے۔ اس نے اپنے منصوبے میں اُسے بہت زیادہ اہمیت دی تھی' وہ اس کے بہت نزدیک آچکا تھا۔

☆☆

راحیلہ کے گاؤں پہنچ جانے تک ان میں تقریباً خاموشی ہی رہی تھی۔ نسرین نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس سے کسی بحث کو بنیاد مل سکتی' راحیلہ ہی جنید کو راستہ بتاتی رہی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہی تھیں کہ گاؤں پہنچنے کے بعد حالات کیا رُخ اختیار کریں گے؟ نسرین کو اتنا احساس نہیں تھا لیکن راحیلہ کو نجانے کیوں خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس دن جنید کا انداز ہی مختلف تھا۔ راحیلہ کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اسے جانچنے کی یا آزمانے کی کوشش میں ہو یا پھر یہ سب اس کا وہم ہو۔ وہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر پائی تھی' اسی کشمکش میں وہ لوگ گاؤں جا پہنچے تھے۔

وہ عام گاؤں کی طرح ہی ایک گاؤں تھا۔ کچے پکے گھر' اسی طرح کچی پکی گلیاں جن میں کھیلتے ہوئے بچے جو کار کی آمد پر چونک گئے تھے اور اپنا کھیل چھوڑ کر اس جانب متوجہ ہو گئے کہ کون آیا ہے۔ شہر سے نکلتے وقت راحیلہ کو احساس نہیں تھا کہ کس قدر گھبراہٹ ہوگی۔ وہ شرمندہ سی' گھبرائی ہوئی سی تھی۔ جنید اس کی پل پل بدلتی کیفیت کو دیکھ رہا تھا' یہاں تک کہ ایک خستہ حال سے دروازے کے باہر راحیلہ کے کہنے پر جنید نے گاڑی روک دی۔

"یہ میرا گھر ہے۔" راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"تو پھر چلو اندر' تمہارا اپنا گھر ہے۔" جنید نے کہا۔

"میں اپنی امی کو کیا بتاؤں گی' کیا کہہ کر تعارف کراؤں گی؟" راحیلہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کہہ دینا کہ نسرین کا بھائی ہے اور یہ آگے کہیں شہر میں گئے تھے تو میں بھی ساتھ آگئی۔"

جنید نے اُس کی مشکل حل کر دی۔ اس کے یوں کہنے پر نسرین نے جنید کی طرف یوں دیکھا جیسے اس نے بہت بڑا احسان کر دیا ہو ـــــ وہ تینوں گاڑی سے نکل کر گھر کے اندر چلے گئے۔ سامنے ہی ایک جھلنگا سی چارپائی پر ایک بوڑھی سی عورت خستہ حال کپڑوں میں ملبوس سبزی بنا رہی تھی۔ اُس نے یوں تینوں کو آتے دیکھا تو وہ گھبرائی ہوئی سی کھڑی ہوگئی۔ راحیلہ جاتے ہی اُس کے گلے لگ گئی۔ بوڑھی عورت نے ان تینوں کو پیار دیا۔ اِتنے میں راحیلہ اندر سے ایک چارپائی نکال کر لے آئی جس پر جنید اور نسرین بیٹھ گئے۔

"دھیئے! تم اس طرح اچانک آئی ہو خیر تو ہے نا؟" ماں نے تشویش سے پوچھا۔

"اماں! خیریت ہی ہے۔ یہ دونوں اگلے شہر گئے تھے میں بھی تم سے ملنے کے لیے ان کے ساتھ آ گئی ہوں اور ابھی میں نے چلے جانا ہے۔" راحیلہ نے بمشکل جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"ہائیں! اتنی جلدی--- یہ بھلا کیا بات ہوئی؟" ماں نے حیرت سے کہا۔

"بس امی! چھٹی کہاں ملتی ہے اور اب دن بھی کتنے رہ گئے ہیں۔ میرا کورس مکمل ہو جائے گا تو میں آ جاؤں گی۔"

راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔ جنید بہت غور سے اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ اس دوران ماں نے اُٹھ کر چائے بنانے کی کوشش کی تو جنید نے ہی روک دیا پھر تھوڑی دیر تک یونہی باتیں کرتے رہنے کے بعد راحیلہ ہی نے اپنی ماں سے کہا۔

"اچھا امی! اب میں چلتی ہوں' مغرب سے پہلے مجھے ہاسٹل واپس بھی پہنچنا ہے۔"

"اچھا' دھیئے! میں تو تیری راہ دیکھ رہی ہوں' کب تیرا کورس ختم ہو اور میری بوڑھی جان کو سکون مل جائے--- اب تم نے آنا کب ہے؟" اُس کی ماں نے پوچھا۔

"جلدی آؤں گی' بلکہ کوشش کروں گی کہ اگلے ایک دو ہفتوں میں آ جاؤں۔"

راحیلہ نے کہا اور باہر کی طرف جانے لگی--- جنید بہت غور سے ان کے گھر کی خستہ حالی دیکھ چکا تھا--- واپس جاتے ہوئے جب وہ گاؤں سے نکل کر بڑی سڑک کو ملانے والی چھوٹی سڑک پر آئے تو راحیلہ نے بہت ہی عجیب سے لہجے میں جنید سے کہا۔

"پتہ نہیں' جنید! آپ کیا چاہتے ہو لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ میری حقیقت جان کر آپ کو کیسا لگا؟"

"میں جانتا تھا کہ تم مجھ سے یہ سوال ضرور کرو گی لیکن میں تمہیں اس کا جواب ابھی نہیں دوں گا' چند دن بعد تمہیں اس کا جواب مل جائے گا۔" جنید نے اطمینان سے سڑک پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہو؟" راحیلہ جواب چاہنے پر مصر رہی تو وہ بولا۔

"تمہیں ابھی سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے' دھیرے دھیرے سب سمجھ آ جائے گا۔ بس تم میرے لیے دُعا کرنا کہ اللہ مجھے اتنی عمر دے کہ کم از کم تمہارے کسی کام آ جاؤں۔"

"جنید! مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ---"

راحیلہ نے کچھ کہنا چاہا جس پر جنید نے ٹوک دیا۔ "میں نے کہا نا! اسے چھوڑو۔ کوئی اور بات کرو۔"

"چلیں میں بات کرتی ہوں۔"

نسرین نے کہا تو جنید نے اُس کی طرف بیک مرر میں دیکھا اور کہا۔

"ہاں' بولو--- کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں جو پوچھوں گی میری بات کو نہیں ٹالنا۔۔۔۔" نسرین نے ایک مان سے کہا۔

"چلو نہیں ٹالوں گا۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ آپ کو اتنی عمر مل جائے کہ آپ راحیلہ کے کام آ جائیں۔ پوچھنا میں یہ چاہتی ہوں کہ آخر کیوں۔۔۔ آپ کیوں ایسا چاہتے ہیں؟" نسرین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کہنے کو تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس نے مجھ سے مدد مانگی تھی اور میں اس کی مدد کر رہا ہوں لیکن نہیں، یہ بات نہیں ہے۔۔۔ نسرین! تمہیں نہیں معلوم کہ اس کا ایک فقرہ مجھے کس قدر حوصلہ دے گیا تھا، پہلی بار کسی نے مجھے انسان سمجھا تھا۔ میں کئی دنوں سے وحشیانہ تارچر کا شکار تھا، میری کوئی حالت نہیں تھی۔ اس وقت میں کمزور پڑنے کی حالت میں تھا جب اس کے ایک فقرے نے مجھ میں نئی جان بھر دی۔ اگر اس وقت تشدد مجھ پر مزید بھی کر لیا جاتا تو بلاشبہ میں سہہ جاتا لیکن قسمت اچھی تھی کہ دوبارہ اُن کے ہاتھ نہیں آیا۔۔۔ نسرین! نہ جانے کیوں، یہ جب بھی میرے سامنے آئی ہے، میرے حوصلے بڑھ جانے کا باعث بنی ہے۔ میں اس کی صرف اس لیے عزت اور احترام کرتا ہوں۔" جنید نے دھیرے دھیرے تفصیل سے بتا دیا۔

"۔۔۔ اور اعتماد نہیں کرتے مجھ پر۔۔۔" راحیلہ نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

"اعتماد تو میں اپنے سائے پر بھی نہیں کرتا۔" جنید نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تو کر چکی ہوں، شاید میں نہ جان سکوں کہ آپ کس راہ کے مسافر ہیں۔۔۔ کیا اس راہ کے راہیوں کو محبت سے آشنائی نہیں ہوتی؟" نسرین نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ محبت ہی تو ہے نسرین! جس کے باعث ہم اُن راہوں کے راہی ہیں جس پر چلنا بہت ہی مشکل ہے۔ ہماری محبت اللہ کے لیے ہے اور نفرت بھی اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم اگر اسلامی تعلیمات سے واقف ہوتیں تو شاید تمہیں یہ سوال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی اور جس محبت کی بات تم کرنا چاہتی ہو تو وہ بھی ممکن ہے۔ ہم انسان ہیں۔ ہمارے سینے میں بھی دل ہے لیکن تمہیں اس میں سفلہ پن کہیں دکھائی نہیں دے گا۔" جنید نے اُسے سمجھایا۔

"آپ عورت کی محبت کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟" نسرین نے انتہائی تجسس سے پوچھا۔

"عورت کی پاکیزہ محبت کسی بھی مرد کے لیے حوصلے کا باعث ہوتی ہے۔ ماں، بہن، بیوی یا بیٹی جب کسی مرد کے لیے دُعا کرتی ہے نا تو اس میں خلوص نیت کی شدت ہوتی ہے اور اللہ پاک دُعا کو واپس نہیں لوٹاتا۔ یہ میرا ایمان ہے۔۔۔ اب تم جاننا چاہو گی کہ میں راحیلہ کی مدد کیوں کرنا چاہتا ہوں؟"

"یہی تو میں پوچھنا چاہ رہی ہوں۔" نسرین نے جلدی سے کہا۔

"تمہارے ہسپتال میں کتنی لڑکیاں ہیں جو کام کر رہی ہیں۔ یہی میرے حوصلے کا باعث کیوں بنی ہے؟۔۔۔ یہ قدرت کا ایک اشارہ ہے، اس کے ذریعے ایک ظالم شخص کو ضمیر کی عدالت میں ننگا کر دیا اور ایسے ہی بے غیرت لوگوں نے ہمارے معاشرے کو عذاب بنا کر رکھ دیا ہوا ہے جو

بظاہر تو بڑے معزز ہوتے ہیں مگر حقیقت میں انتہائی کریہہ اور مکروہ ہوتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ نہ کوئی قانون ان کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ ہی یہ کسی گرفت میں آتے ہیں ——" جنید بات کرتے ہوئے پٹڑی سے اُتر گیا' پھر خود ہی احساس کرتے ہوئے بولا۔ "مَیں کسی اور جانب چلا گیا' راحیلہ تو میرے لیے قدرت کا ایک اشارہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے ہم جیسے لوگوں کو فقط دُعائیں چاہیے ہوتی ہیں۔ دولت کے ڈھیر ہمارے قدموں میں پڑے رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو مستحق لوگوں سے بھی چھین لیتے ہیں' وہ لوگ ہمیں دولت پیش کرنے کے لیے بڑی خواہش رکھتے ہیں۔ اگر یہی دولت کسی کے کام آ جائے تو میرا کیا جاتا ہے۔"

"جنید! کیا یہ آپ کی تربیت کا اثر ہے؟" نسرین نے دھیرے سے پوچھا۔

"موت کو کئی بار سامنے دیکھ چکا ہوں اس لیے زندگی کو مَیں جس نگاہ سے دیکھتا ہوں' اس کا شاید تم احساس بھی نہیں کر سکتیں —— شاید تم لوگوں کو میری باتیں کوئی فلم یا ڈرامہ لگیں یا پھر جھوٹ کا پلندہ۔ تم جو بھی سوچو' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں لیکن وہ حقیقت جو مَیں دیکھ چکا ہوں' اس کا تم احساس کر بھی نہیں سکتی ہو —— کیا تم نے کسی سنسناتی ہوئی گولی کو اپنے قریب سے گزرتے ہوئے محسوس کیا ہے جو ایک اِنچ اِدھر اُدھر ہو تو موت دے دے؟" جنید نے پوچھا۔

"نہیں' ایسا تو تجربہ نہیں ہے۔" نسرین نے کہا۔

"تو پھر بہت ساری باتیں زمانہ سکھا دیتا ہے۔ حالات اور تجربات سوچنے کا اپنا ڈھنگ دے دیتے ہیں۔"

جنید نے کہا تو نسرین خاموش ہو گئی۔ وہ بہت کچھ سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہیں سمجھی تھی اور ایسا ہی حال راحیلہ کا تھا' اسے اپنے وہ سوال فضول معلوم ہوئے جو وہ اَب تک اُس سے کرنے کی کوشش میں تھی۔ پھر اُن کے درمیان خاموشی چھا گئی' سفر کٹتا چلا گیا' مغرب سے ذرا پہلے وہ اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے شہر پہنچ گئے۔ پھر ہسپتال سے قدرے فاصلے پر جنید نے گاڑی روک دی۔ تب گاڑی سے اُترتے ہوئے راحیلہ نے جنید کی طرف دیکھا اور بولی۔

"جنید! ضروری نہیں ہے کہ محبت میں اِنسان کی منزل مادی جسم ہی ہو' شاید آپ نے بھی میری محبت کو اسی رنگ میں دیکھا ہے مَیں اقرار کرتی ہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے' مَیں آپ سے محبت کرتی رہوں گی' چاہے آپ اس لمحے کے بعد مجھے ملیں یا نہ ملیں اور مجھ پر اعتماد کریں یا نہ کریں۔"

جنید اس کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ اُس کی نگاہیں راحیلہ کے چہرے پر تھیں۔ وہ اُتر گئی تو نسرین اس سے پہلے سڑک پر تھی۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور جنید نے گاڑی آگے بڑھا دی اور وہ دونوں ہاسٹل کی جانب پیدل ہی چل دیں۔

☆☆

مغرب کے بعد اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا' صفیہ اِس وقت شہر سے دور تیمور کے ساتھ فارم ہاؤس پر تھی۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور اِن کے درمیان خاموشی حائل تھی۔ صفیہ کے چہرے پر مایوسی کے سائے پڑے ہوئے تھے' اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ تیمور سے

کیا کہے۔ تبھی تیمور نے خاموشی توڑی۔

"اس قدر مایوس کیوں ہو گئی ہو؟"

"وہی ہوا نا' جس کا ڈر تھا۔ یہی بات آپ مجھے فون پر بھی بتا سکتے تھے۔ یہاں لانے کی اور پھر اتنی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟" صفیہ نے برف جیسے سرد لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں ایک دم یہ بتا کر شاک نہیں دینا چاہتا تھا لیکن تم پریشان نہ ہو۔ آج اگر میرے والدین نہیں مان رہے ہیں تو میں بھی اپنی ضد کا پکا ہوں' انہیں منالوں گا۔" تیمور نے دھیرے سے کہا۔

"آپ اپنی غلطی کو مانیں کہ آپ نے انہیں ذہنی طور پر تیار کیے بغیر یہ بات کہہ دی حالانکہ آپ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ چاہے مہینہ' دو مہینے لگ جائیں مگر آپ۔۔۔"

صفیہ نے مزید کچھ کہنا چاہا تو تیمور نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "نہیں' صفو! مجھے ان سے یہ بات کرنا پڑی تھی۔ میں شاید ابھی بات نہ کرتا لیکن انہوں نے خود بات کی۔ وہ میری منگنی کرنا چاہتے ہیں۔ شاہ ایسوسی ایٹ کے ڈائریکٹر کی بیٹی ثناء سے میں اُسے پسند نہیں کرتا۔" اس نے وضاحت کی۔

"ظاہر ہے' اس کے لیے بات تو پہلے ہی سے چل رہی ہو گی۔" صفیہ نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں کب سے چل رہی ہے یا ابھی دنوں میں کوئی بات ہوئی ہے میں اس کے متعلق بالکل نہیں جانتا البتہ اس سارے معاملے میں دو باتیں ایسی ہیں' جن سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ میں اپنی بات منوالوں گا۔" تیمور نے حوصلہ بھرے انداز میں کہا۔

"کون سی باتیں۔۔۔؟" اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ابھی فقط میری ماما نے مجھ سے بات کی ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میری رائے کیا ہے' یہ پوچھنے کے لیے پاپا ہی نے انہیں کہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھ سے پوچھا گیا' اپنی رائے مسلط نہیں کی۔ میں نے انکار کر دیا ہے اور مجھے پوری اُمید ہے کہ ایسا نہیں ہو گا کہ میری منگنی وغیرہ کے لیے دباؤ ڈالا جائے۔ یوں معاملہ چند مہینوں کے لیے ٹل گیا ہے۔"

"یہ نہ ہو کہ آپ اپنی خوش گمانیوں میں رہیں اور معاملہ ہاتھ ہی سے نکل جائے؟" صفیہ نے دھیرے سے کہا۔

"نہیں' صفو! ایسا نہیں ہو سکتا۔ مجھے بس تمہارے ساتھ کا یقین ہونا چاہئے کیونکہ یہی میرا حوصلہ ہے۔" یہ کہہ کر اس نے چند لمحے سوچا' پھر کہا۔ "تم بھی مجھ سے یہی سوال کرنے کا پورا پورا حق رکھتی ہو کہ کیا میں ساتھ نبھاؤں گا؟ میں نے بہت سوچا' تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مر جاؤں گا میں' صفو۔۔۔!" تیمور نے آخری لفظ کہتے ہوئے شدت جذبات سے کہا۔

"مجھے آپ پر بھروسہ ہے' تیمور!" صفیہ نے اندر سے پگھلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں نے سوچا ہے کہ تمہیں یہ احساس ضرور دوں کہ میں نے تمہیں ہی اپنا شریک زندگی بنانا ہے۔۔۔ ابھی تم نے پوچھا تھا نا کہ میں آخر

تمہیں یہاں کیوں لے کر آیا ہوں تو اسی لیے صفو---!" یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور قریب کی دیوار میں بنی الماری کو کھولنے لگا' اس میں سے ایک بڑا سا سفید لفافہ نکالا اور اسے میز پر لا رکھا' پھر اس میں سے کاغذ نکال کر صفیہ کے سامنے رکھ دیئے اور کہا۔ "اسے پڑھو---"

"یہ کیا ہے---؟" صفیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ دو طرح کے کاغذات ہیں۔ ان میں جو فوٹو کاپی والے کاغذات ہیں' وہ میری دولت اور میرے کاروبار کی پوری اسٹیٹمنٹ ہے۔ انہیں دیکھ لو اور یہ جو دوسرے اصل کاغذات ہیں' ان کے مطابق تم میرے کاروبار میں آدھے کی شراکت دار ہو۔ میں نے اپنے آدھے کاروباری اثاثے تمہیں بیچ دیئے ہیں۔ یہ ساری تفصیل ہے' اسے پڑھ لو اور جہاں پر نشان لگے ہوئے ہیں کچی پنسل سے' وہاں دستخط کر دو تا کہ کاغذات مکمل ہو جائیں---"

تیمور نے اس طرح جذباتی لہجے میں کہا جیسے وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا ہو۔ صفیہ اس پر پھٹی پھٹی نگاہوں سے کبھی کاغذات کو اور کبھی تیمور کو دیکھ رہی تھی۔ پھر جیسے اسے ہوش آ گیا' وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"یہ--- یہ سب آپ نے--- میرے لیے کیا؟"

"ہاں' صفو! میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے تم سے صرف وعدے نہیں کیے۔ تم میرے کاروبار میں آدھے کی شراکت دار ہو' میرے والدین نے تمہیں اپنی بہو مان لیا تو ٹھیک ہے' ورنہ ہم اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے--- تم دستخط کر دو۔" تیمور نے اپنی جیب سے ایک قیمتی قلم نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تیمور! مجھے یقین آ گیا ہے کہ میں آپ کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہوں۔ اب ان کاغذات کو درمیان میں مت لاؤ۔" صفیہ جذباتی ہو گئی تھی۔

"نہیں' ایسا نہیں ہوگا' تم ان پر دستخط کرو اور قانونی طور پر میرے کاروبار کی شراکت دار بن جاؤ۔ مجھے بھی اطمینان ہوگا۔ میں اسے اپنے والدین کو بھرپور دلیل کے طور پر دکھاؤں گا اور اگر خدانخواستہ مجھے کچھ ہو گیا یا مجھے کچھ عرصہ کے لیے واپس رچل بھی جانا پڑا تو کم از کم تم کاروبار کی دیکھ بھال کر سکو--- تم مت سوچو کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں' بس دستخط کر دو۔"

"تیمور! میں---"

صفیہ نے ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تو تیمور نے قلم اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر صفیہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے چند کاغذات پر دستخط کر دیئے۔

"اب تم قانونی طور پر میری پارٹنر ہو--- آج تم کاروباری پارٹنر ہو' کل میری زندگی میں لائف پارٹنر ہو گی۔" تیمور نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"تیمور! مجھے یہ سب عجیب سا لگ رہا ہے۔" صفیہ نے دھیرے سے لیکن دبے دبے جوش سے کہا۔

"لیکن چند دن بعد تمہیں یہ عجیب نہیں لگے گا اور ہاں' یہ ابھی میرے والدین کے علم میں نہیں ہے۔ اسے میں خود ہی اُن کے سامنے لاؤں گا' تم بھی ابھی ذکر مت کرنا اپنے والدین سے ——— بس جلدی سے اپنے فائنل امتحان دے لو' پھر تم باقاعدہ آفس آیا کرنا۔" اُس نے یوں کہا جیسے آنے والے دِنوں کا خیال کر کے ہی فرحت محسوس کر رہا ہو۔

"تیمور! آپ کتنے اچھے ہیں ———"

صفیہ نے اپنی نگاہوں میں دُنیا بھر کی محبت سمیٹ کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ مسکرا دیا' پھر کھڑکی سے باہر دیکھ کر بولا۔

"باہر اندھیرا خاصا پھیل گیا ہے۔ اَب ہمیں چلنا چاہیے۔ ابھی شہر تک جاتے ہوئے بھی وقت لگے گا' تمہارے گھر والے پریشان ہوں گے۔"

دیر ہو جانے کے احساس ہی سے صفیہ کے دماغ سے خمار اُترنے لگا' وہ ایک دَم سے چونک گئی۔ پھر گھر جانے کے لیے بے چین ہو گئی ———

شہر کی جانب پلٹتے ہوئے تیمور نے گاڑی کی رفتار تیز کی ہوئی تھی مگر صفیہ کو اِس کا احساس نہیں تھا۔ اُس کی نگاہ میں تو وہ کاغذات پھڑ پھڑا رہے تھے جنہیں وہ ابھی دیکھ چکی تھی اور پھر اُن پر دستخط کیے تھے۔ اسٹینٹ کی آخری رقم کے ہندسے اُس کے دماغ میں ناچ رہے تھے۔ وہ کبھی بڑے ہو جاتے اور کبھی بہت باریک۔ وہ کئی بار انہیں آدھا کر چکی تھی ——— دولت کا خمار بھی بہت عجیب ہوتا ہے اور پھر بیٹھے بٹھائے مفت میں ہاتھ آنے والی دولت میں جو خوشگوار حیرت ہوتی ہے' وہ سوچوں کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ اچانک دولت مند ہو جانے کے احساس نے اس میں توانائی بھر دی تھی۔ وہ جو کچھ دیر سے اس پر مایوسی چھا ہوئی تھی' نجانے کہاں تحلیل ہو کر رہ گئی تھی۔ اُسے اَب تیمور بہت اچھا لگ رہا تھا۔ جس نے اُس کی محبت میں اپنا آدھا کاروباری اثاثہ اُس کے نام کر دیا تھا۔ یہی سوچتے سوچتے اُسے یہ خیال آنے لگا کہ تیمور اس سے کتنی اور کس قدر محبت کرتا ہے' اِن لمحات سے پہلے اُسے گماں بھی نہیں تھا۔ اُسے بھرپور یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس کے لیے اپنے والدین سے اپنی بات منوا کر ہی رہے گا۔

"صفو! کہاں کھو گئی ہو ———؟"

تیمور نے پوچھا تو وہ اپنے خیالات سے چونک گئی' پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"یہی سوچ رہی تھی کہ آپ مجھ سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔" اُس کے لہجے میں یقین جھلک رہا تھا۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہے' میرا دل چاہتا ہے کہ اپنا سب کچھ تم پر وار دوں ——— بس تم دیکھتی جاؤ' وقت اپنے اندر کیسے کیسے حالات رکھتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر مضبوط لہجے میں بولا۔ "حالات جیسے بھی ہوں' تمہارا ساتھ میرا حوصلہ ہے' صفو! میں اِن سارے حالات سے خود نپٹ لوں گا۔"

"میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ رہوں گی' تیمور!"

صفیہ خمار آلود لہجے میں بولی۔ تیمور نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔

''کاش! تمہارے پاس وقت ہوتا تو ہم ان لمحات کو سیلی بریٹ کرتے۔ کسی اچھے سے ریستوران میں بیٹھ کر کھانا کھاتے' کچھ دیر مزید ہمارا ساتھ رہتا۔''

''تو اس میں اتنی حسرت کی بات کیا ہے---دیر تو ہو چکی ہے۔ میں فون کر دیتی ہوں' کچھ دیر اور سہی۔'' صفیہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''دیکھ لو اگر کوئی پرابلم نہ ہو تو---'' تیمور بولا۔

''پرابلم ماما ہیں' وہ تو اب بھی جاؤں گی تو بہت ساری باتیں سنائیں گی---خیر آپ اپنی پسند کے کسی بھی ریستوران میں چلیں۔''

صفیہ نے اپنا عندیہ دے دیا تو تیمور نے اپنی گاڑی کی رفتار مزید تیز کر دی۔ اس کی ساری توجہ جلد از جلد شہر پہنچ جانے پر تھی۔

جس وقت وہ شہر کے معروف ریستوران کے سامنے پہنچے تو وہاں رنگوں بھری روشنیوں کا عجیب منظر دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں کے چہرے پر تمازت بھر دینے والی خوش دمک رہی تھی' صفیہ کے تو ویسے ہی قدم زمین پر نہیں لگ رہے تھے۔ تیمور گاڑی لاک کر رہا تھا کہ صفیہ کی نگاہ ریستوران کے مین دروازے پر پڑی جہاں سے ہمایوں ایک اجنبی شخص سے باتیں کرتا ہوا باہر نکلا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی صفیہ کے من میں آگ سی بھر گئی۔ اس نے نفرت سے اپنا منہ پھیر لینا چاہا لیکن اس وقت تک ہمایوں کی نگاہ اس پر پڑ چکی تھی۔ صفیہ نے واضح طور پر دیکھا' وہ ایک دم سے گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔ اس کی یہ کیفیت بس دو چار لمحے ہی رہی' پھر اُس نے خود پر قابو پا لیا۔ صفیہ نے شعلہ بار نگاہوں سے اُس کی جانب دیکھا تاکہ تھوڑی بہت ہی سہی اُس کی نفرت کا اندازہ ہمایوں کو ہو جائے۔ شاید ان نگاہوں میں دولت کا خمار بھی تھا۔ یوں جیسے نگاہوں سے چلائے جانے والے نفرت کے تیر دولت کے خمار بھرے زہر میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ جب اُن کی نگاہیں مل ہی گئی تھیں' ایک دوسرے کو دیکھ ہی لیا تھا تو صفیہ نے اپنا چہرہ پلٹ لینا مناسب نہیں سمجھا بلکہ نفرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی' یہاں تک کہ وہ قریب سے گزر گیا۔

''آؤ صفو---!''

تیمور نے کہا تو وہ چونکتے ہوئے ریستوران میں داخل ہو گئی۔ اس کے دماغ پر ہمایوں کی آنکھیں گڑ گئیں تھیں۔ اس کے من میں دھیرے دھیرے غصہ اُبلتا چلا جا رہا تھا کہ خوشی کے اس موقعے پر اس منحوس کی صورت دیکھنا پڑی جس سے وہ شدید نفرت کرتی ہے پھر اُس نے سب کچھ بھلانے کی کوشش کرتے ہوئے تیمور کا بازو تھام لیا۔

☆☆

''یہ تم اچانک اتنے ڈسٹرب کیوں ہو گئے ہو---؟'' جنید نے ہمایوں سے اس وقت پوچھا جب وہ گاڑی نکال کر ریستوران سے بڑی سڑک پر آ نکلے تھے۔

''ڈسٹرب؟---نہیں تو---!'' ہمایوں ایک دم جھوٹ بول گیا۔

"یار! تمہارا رنگ چہرے پر اڑی ہوئی ہوائیاں اور یکدم مرجھا جانے کی کوئی نہ کوئی تو وجہ رہی ہوگی ورنہ تھوڑی دیر پہلے تک تو تم چہک رہے تھے۔ تم اپنا پلان بتانے کے لیے پُرجوش تھے' یہ اچانک تمہیں چپ کیوں لگ گئی ہے۔ کوئی جن بھوت دیکھ لیا ہے تم نے---؟" جنید نے یونہی خواہ مخواہ بات بڑھاتے ہوئے کہا تاکہ ہمایوں بھی کچھ بول سکے۔

"کچھ نہیں' بس یونہی--- بندے کو اتنا بولنا بھی تو نہیں چاہیے۔" ہمایوں نے واقعتاً مرجھائے انداز میں کہا۔

"تم اگر نہ بتانا چاہو تو یہ الگ بات ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تم اس لڑکی کو دیکھ کر خاموش ہو گئے ہو جو ہمیں ریستوران کے گیٹ پر ملی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کا جس نے سوٹ پہن رکھا تھا' میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھی نے اس کا نام بھی پکارا تھا' غالباً صفو---"

جنید نے ایک نگاہ ہمایوں کے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا تو اس نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

"آپ کا اندازہ ٹھیک ہے' جنید! وہی میری منزل ہے اور وہی میرا مقصد---"

"تو اس کے ساتھ وہ تیمور تھا؟" جنید نے تیزی سے کہا۔

"ممکن ہے وہی ہو کیونکہ میں نے اسے پہلی بار دیکھا ہے اور وہ بھی اس صورت حال میں---" ہمایوں کے لہجے سے جیسے دھواں نکل رہا ہو۔

"ٹھہرو! ایک منٹ' باقی بات پھر کرتے ہیں۔" جنید نے ڈیش بورڈ پر پڑے ہوئے موبائل فون کو اٹھایا۔ پھر اس میں سے نمبر دیکھ کر پش کر دیئے۔ اس دوران وہ ڈرائیونگ بھی کرتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کال مل گئی تو وہ کار کا نمبر بتاتے ہوئے پھر ریستوران کا نام بتا کر بولا۔ "وہ اس کے سامنے کھڑی ہے۔ ممکن ہے اس کا مالک جلدی نکل جائے یا دیر سے بہرحال تم وہاں پہنچو اور اس بندے کو نگاہ میں رکھو۔ اس سے بہت ضروری کام ہے۔" یہ کہہ کر اس نے چند لمحے دوسری طرف سے سنا اور پھر فون بند کر دیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ---؟" ہمایوں نے کہا۔

"یہ میرا کام ہے' اسے مجھے دیکھنے دو۔"

جنید نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔ ان دونوں کے درمیان اس وقت تک خاموشی رہی جب تک وہ پارک نہیں آ گیا جہاں سے وہ ریستوران جانے کے لیے نکلے تھے۔ گاڑی پارکنگ میں لگانے کے بعد وہ دونوں اندر چلے گئے۔ پارک میں اتنا رش نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ ایک تنہا سے پُرسکون گوشے میں جا بیٹھے۔

"تو میں کہہ رہا تھا کہ---"

ہمایوں نے بات کرنا چاہی تو جنید اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "ہمایوں! تمہارے کسی بھی پلان کی اس وقت تک کوئی اہمیت یا وقعت نہیں ہے۔ جب تک تم اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں پا لیتے۔ اچانک اس کی سامنے آ جانے پر تمہارا رنگ کیا' تمہارے تو اطوار ہی بدل گئے ہیں۔ اب اگر کبھی تمہیں اس سے بات کرنا پڑ جائے تو تم کیا کرو گے' تھر تھر کانپو گے اس کے سامنے---؟" جنید کے لہجے میں غصہ تھا۔

''آپ نہیں سمجھتے' اسے دیکھ کر میری حالت کیا ہو گئی ہے۔ مان لیا جائے کہ میرے اور اس کے درمیان کوئی جذباتی تعلق نہیں ہے لیکن رشتہ داری تو ہے۔ میں کس طرح برداشت کر پاؤں کہ وہ کسی غیر کے ساتھ یوں آوارہ گردی کرتی پھرے ---- میرا ضبط دیکھو جنید! کہ میں نے اس شخص کا گریبان نہیں پکڑا اور میری بے بسی کہ میں صفیہ کو کچھ بھی نہیں کہہ سکا بلکہ بے غیرتوں کی طرح اسے غیر مرد کے ساتھ دیکھ کر وہاں سے آ گیا ہوں تو کیا پھر بھی مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو گا؟'' ہمایوں جیسے پھٹ پڑا تھا۔

''اس حالت میں بھی تم خود پر قابو رکھنے کی کوشش کرو' یہاں تک کہ تمہارے ساتھ کھڑا شخص بھی تو کیا' تم خود بھی محسوس نہ کر سکو ---- میں جانتا ہوں کہ انسان بہت حد تک بے بس ہو جاتا ہے' خون بھی جوش مارتا ہے لیکن' ہمایوں! حقیقت کیا ہے؟ یہ نکتہ ہر وقت تمہارے سامنے رہنا چاہیے۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔ ''چلو مجھے ایک بات بتاؤ' تم اس لڑکی کے لیے کس حد تک جذباتی ہو؟''

''عشق کی حد تک ---- اس کا حصول میرے لیے عشق کی حد تک جا پہنچا ہے۔'' ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

''میں سمجھا نہیں' تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' جنید نے وضاحت چاہی۔

''آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟'' ہمایوں نے گویا ہتھیار ڈال دیے۔

''تم اس لڑکی سے عشق کرتے ہو یا اس کے حصول میں اس قدر ڈوب گئے ہو کہ تمہارا مقصد عشق کی حد تک جا پہنچا ہے؟'' جنید نے بات کھولتے ہوئے کہا۔

''وہ لڑکی بذاتِ خود کوئی چیز نہیں ہے' اس سے بھی خوبصورت بہت ساری لڑکیاں ہیں اور ایک حد تک' ایک خاص فاصلے پر رہی ہیں لیکن اس صفیہ کے ساتھ میرے حالات کچھ اس طرح سے بن گئے ہیں کہ اس کا حصول میرے لیے زندگی اور موت جیسی تمنا بن کر رہ گیا ہے۔ میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ورنہ میرا اس دنیا میں ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔'' ہمایوں کا لہجہ سلگ رہا تھا۔

''تو بات صاف ہوئی' تمہیں اپنے مقصد سے لگن ہے۔'' جنید نے یوں کہا جیسے خود کلامی کر رہا ہو پھر دھیرے سے بولا۔ ''دیکھو ہمایوں! میں یہ قطعاً تبلیغ نہیں کروں گا کہ تمہارا مقصد ٹھیک ہے یا نہیں' یہ تم جانو مگر میں بات تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں' اسے بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یکسوئی سب سے اہم چیز ہے۔ تم اگر ذرا ذرا سی بات پر منتشر ہو جاتے رہے تو اپنے اعصاب پر بھی کنٹرول کھو دو گے۔ ابھی تمہاری راہ میں کوئی مشکل یا دشواری نہیں آئی' اس سے بھی بڑی بڑی رکاوٹیں تمہاری منتظر ہیں۔''

''میں کیا کروں' اس کا چہرہ دیکھتا ہوں تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔'' ہمایوں نے پھر بے بسی سے کہا۔

''خود پر قابو رکھنا ہو گا ---- تم نے ایک رات میں پلان تیار کر لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب تم اس میں کامیاب بھی ہو جاؤ گے۔ اس وقت تم اکیلے ہو' میں بھی نہیں ہوں تمہارے ساتھ' تو کیا تم نے ان ساری مشکلات کا تصور کیا ہے جو اس راہ میں آنی والی ہیں۔ میدانِ سیاست میں قدم رکھنے جا رہے ہو تو مقابلہ کن لوگوں سے ہے۔ ان جاگیرداروں سے جن کا کوئی ضمیر نہیں ہے اور وہ لوگ یہیں کے لوگوں کا خون چوس کر انہی پر مسلط ہیں۔ وہ تمہیں اپنی راہ میں کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ منافع خور سرمایہ داروں سے سامنا رہے گا جنہیں فقط اپنے سرمایے سے غرض ہوتی ہے اور وہ

انسانی بدن تک بھٹیوں میں جھونک دیتے ہیں۔ کھانستے ہوئے لوگ مر جاتے ہیں لیکن انہی کی مشینوں کا ایندھن بنے رہنے پر مجبور ہیں۔ تو وہ لٹیرے ہیں جن کی ناجائز کمائی ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی ہے تو ان کا روم روم پکارتا ہے کہ وہ خود بھی ناجائز ہیں۔ ایسے لوگوں کے درمیان بھتہ خور' دلال' ناؤٹ' غنڈے اور بدمعاش بھی ہیں۔ ان سب کا مقابلہ کر سکو گے؟ ----- دولت کا حصول بہت آسان ہے۔ اُٹھو آؤ میرے ساتھ اور ذہن میں طے کر لو کہ اتنی رقم حاصل کرنی ہے' ایک رات میں حاصل کر دیتا ہوں۔ جس وقت تمہارے ہاتھ میں دولت آئے گی' لوگ تمہاری جانب متوجہ ہو جائیں گے لہٰذا خود کو مضبوط بناؤ' اس طاقت کے لیے اپنے آپ کو تیار تو کرو جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

جنید نے طویل بات بڑے ہی جذباتی انداز میں کی تو ہمایوں کی جیسے آنکھیں کھل گئیں۔ اُس نے دھیرے سے کہا۔

"میں جانتا ہوں' جنید بھائی! کہ میرے اردگرد ماحول کیا ہے۔ بس اس کے لیے جذباتی ہو جاتا ہوں لیکن اَب نہیں -----"

"اپنے من میں اِس آگ کو سلگائے رکھو۔ اسے بجھنے مت دینا' بہت کام آئے گی اور سنو -----!" یہ کہہ کر جنید نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا' پھر بولا۔ "عشق کا مطلب ہی اپنے ہدف پر ہر وقت نگاہ رکھنا ہے' خود کو ڈبونا پڑتا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تمہیں عشق کے معنی معلوم ہوں گے۔"

جنید نے کہا تو ہمایوں بے تابی سے بولا۔

"بس جنید بھائی' بس ----- میں سمجھ گیا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"تو بس تم اپنے سارے پلان اپنے پاس رکھو۔ تمہیں کیا کرنا ہے' کیسے کرنا ہے' اس کا فیصلہ تم ہی نے کرنا ہے۔ دولت کی راہیں کس جانب جاتی ہیں' تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا ----- آؤ' اَب چلیں۔"

اُس نے کہا اور اُٹھ گیا۔ دونوں دھیرے دھیرے قدموں سے چلتے ہوئے بیرونی دروازے کی جانب چل پڑے۔

"فاروق چوہدری سے کب ملنے کا ارادہ ہے؟" ہمایوں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"تم نے اس کے بارے میں بنیادی باتیں بتا دی ہیں' تاہم جب میں مطمئن ہو گیا تو ملوں گا' یا ممکن ہے' اس سے ملنے کی نوبت ہی نہ آئے۔" اُس نے عام سے لہجے میں کہا' پھر اپنا فون نکال کر اس کے نمبر پش کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ ہو گیا تو اُس نے پوچھا۔ "ہوں' کیا پتہ چلا۔ وہ دونوں وہیں پر ہیں یا وہاں سے چلے گئے ہیں' تمہیں ملے؟" یہ کہہ کر وہ دوسری طرف سے تفصیلات سنتا رہا' پھر فون بند کر کے بتایا۔ "دونوں ابھی وہیں ہیں ----- خیر اَب اُس کی نگاہ میں رہیں گے اور اس تیمور کے بارے میں پوری تفصیل معلوم کرنا پڑے گی ----- چلو یہ بھی ہو جائے گا۔" اُس نے خود کلامی والے انداز میں کہا اور پھر بیرونی دروازے کی جانب تیز قدموں سے چلنے لگا۔

☆☆

رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔ راحیلہ مدہم سی روشنی میں جائے نماز بچھائے اس پر بیٹھی دُعا مانگ رہی تھی' اُس نے کچھ دیر پہلے ہی نوافل پڑھے تھے اور اس وقت وہ دل ہی دل میں ربّ کے حضور دُعا گو تھی۔ اُس کے لب پر ایک ہی دُعا تھی کہ اے زندگی اور موت دینے والے ربّ العزت! تُو جنید کی زندگی کی حفاظت کرنا' جو بھی کوئی شر اُس کے نزدیک آئے' اُسے دُور کر دینا۔ میں جانتی ہوں کہ موت کا ایک وقت معین ہے مگر اس

کی زندگی کسی غلط راہ پر تمام نہ ہو اُس کے دل میں جو درد مند دل ہے اُس کو مزید نرم بنا دے ----- وہ پورے جذب سے دُعا مانگ رہی تھی۔ ایسے میں نسرین نے اپنے بیڈ پر کروٹ لی تو اُسے ہیولا سا دکھائی دیا۔ اُس نے غور سے دیکھا تو راحیلہ دکھائی دی۔ فوری طور پر اُس کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ وہ کیا کر رہی ہے اس لیے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"اے راحیلہ! کیا کر رہی ہو-----؟"

اس پر جواب نہ ملا تو وہ جلدی سے اُٹھی اور لائٹ آن کر دی جیسے ہی اُس کی نگاہ جائے نماز پر بیٹھی ہوئی راحیلہ پر پڑی تو ساری بات سمجھ گئی تب تک راحیلہ نے بھی منہ پر ہاتھ پھیرے اور اُٹھ گئی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں---؟" راحیلہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"میں ڈر گئی تھی میں نے سمجھا' تمہیں کچھ ہو گیا ہے۔" نسرین نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"مجھے کیا ہونا ہے---- خیر' سو جاؤ اَب---" راحیلہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس وقت تم کون سی خصوصی دُعائیں مانگ رہی ہو؟" نسرین نے بھی اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔

"نسرین! اگر کوئی کسی پر احسان کرے یا اُس کی مدد کرے تو اس کا بدلہ کیسے دیا جائے' تم بتاؤ ذرا----؟" راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"ظاہر ہے' اُس سے بہت اچھا سلوک کر کے---" نسرین نے جواب دیا۔

"تم جانتی ہو کہ میرے پاس نہ دولت ہے اور نہ طاقت میں ایک بے بس لڑکی ہوں۔ میں جنید کے احسان کا بدلہ اس طرح نہیں دے سکتی جس طرح اُس نے میری مدد کی ہے۔ میرے پاس تو اِک دُعا کا وسیلہ ہے جو میں اُس کے لیے کر سکتی ہوں' وہ میں پورے خلوص اور جذبے سے کروں گی۔" راحیلہ نے اُسے سمجھاتے ہوئے دھیرے دھیرے کہا۔

"ہاں' تم ایسا کر سکتی ہو۔" یہ کہہ کر وہ ذرا رُکی' پھر بولی۔" ایک بات سچ سچ بتانا' راحیلہ! کیا تم جنید سے محبت کرنے لگی ہو؟"

"ہاں' اس سے مجھے قطعاً انکار نہیں ہے۔ میں اُس سے محبت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔" اُس نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

"لیکن راحیلہ! مجھے نہیں لگتا کہ وہ تم سے محبت کرے گا' یونہی پتھروں سے سر پھوڑنے والی بات ہے۔" نسرین تشویش سے بولی۔

"یہ تمہاری سوچ ہے اور میں اس پر ایسا کچھ نہیں کہوں گی کہ تم نے ایسے کیوں سوچا مگر یہ ضرور کہوں گی کہ جب وہ مجھے نہیں ملا تھا میں نے اُسے نہیں دیکھا تھا' تب تک میرے من میں ایسا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ کبھی کسی سے کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی۔ وہ جو اندر سے صدا اُٹھتی ہے' وہاں ہر طرح سے سناٹا تھا لیکن جیسے ہی جنید کا چہرہ میرے سامنے آیا تو میں نہیں سمجھتی کہ یہ سب کیسے ہو گیا' بس اَب مجھے وہی ہر طرف دکھائی دیتا ہے۔" راحیلہ نے یوں کہا جیسے وہ نسرین کو نہیں' اپنے آپ کو اپنا احوال سنا رہی ہو۔

"تم ایسی کسی راہ پر کیوں جانا چاہتی ہو' جس کی کوئی منزل ہی نہیں ہے۔ اُس نے خود کہا ہے کہ اُس کی اپنی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں---"

وہ کہہ رہی تھی کہ راحیلہ نے بات کاٹ دی۔ "کیا ہماری زندگیوں کا اعتبار ہے' کیا ہمیں یقین ہے کہ آج صبح کا سورج دیکھ پائیں گی۔نہیں نا۔۔۔۔تو پھر اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟"

"وہ تم پر اعتبار بھی تو نہیں کرتا ہے نا!۔۔۔اگر اُسے تمہاری بات پر اعتبار ہوتا تو وہ کبھی گاؤں جا کر تمہاری سچائی کو جاننے کی کوشش نہ کرتا۔"

"تو پھر کیا ہوا۔۔۔میرے خیال میں اچھا ہوا' اسے میری سچائی کا یقین آ گیا کہ میں نے غلط بیانی کرکے اُس کے احساس کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"مجھے اس بات کی سمجھ۔۔۔"

"تم کوئی بات مت سمجھو نسرین! بس مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

راحیلہ نے واضح طور پر کہا تو نسرین کو اچھا نہیں لگا مگر اس نے اظہار نہیں کیا بلکہ سلجھے ہوئے لفظوں میں بولی۔

"خیر' اس وقت تو تمہیں اُس کی محبت کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ جب اُترے گا تو میں اس وقت پوچھوں گی کہ تم نے کبھی کسی سے محبت کی تھی؟"

"نسرین' میری جان! ہم آئے دن محبت کی کہانیاں سنتی ہیں لیکن کبھی اس پر غور کیا ہے کہ یہ محبت کیا بلا ہے؟ تم نے نہیں سوچا اور نہ اس پر کبھی غور کیا ہے۔ میں جب اس پر غور کرتی تھی نا تو مجھے سوائے اپنی ماں کی محبت کے اور کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا لیکن اب اس پر بہت سوچا ہے میں نے۔۔۔"

"کیا ہے یہ محبت' ذرا مجھے بھی تو پتہ چلے؟" نسرین نے مذاق کے موڈ میں کہا۔

"اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تم عورت بن کر سوچو' فقط عورت! اپنے عورت ہونے کا احساس کرو پھر خود کو بنیاد بنا کر اپنے دین کو سوچو اور دُنیا کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ مادی دُنیا' جسم کی طلب اور ہوس تمہیں بالکل ہیچ دکھائی دیں گے۔ یہ محبت ہے نا' بہت بڑی قوت ہے۔" راحیلہ نے کھو جانے والے انداز میں کہا۔

"تم اُسے یاد کر رہی ہو' اس کے لیے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں مانگ رہی ہو۔ یہ قوت تمہیں ہی بے چین کیئے ہوئے ہے' اس کا اثر جنید پر تو نہیں ہوگا۔ اُسے کیا معلوم کہ تم کیا کر رہی ہو؟" نسرین نے گویا طنز کیا۔

دعائیں اثر رکھتی ہیں اگر اس پر یقین ہو جس سے دعائیں مانگی جا رہی ہوتی ہیں اور

"میں کون سا اُس کے لیے یہ سب کر رہی ہوں میں تو اپنی محبت کے لیے۔۔۔"

یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ اُس کا سیل فون بج اُٹھا۔ وہ دونوں ہی حیرت زدہ رہ گئیں۔ راحیلہ کے فون کی اسکرین پر جو نمبر درج تھا وہ جنید کا تھا۔ اَب تو رات صبح سے گلے ملنے والی ہے' اُس نے فون کیسے کر دیا؟۔۔۔راحیلہ نے ڈرتے ڈرتے فون اُٹھایا اور ریسیو کرتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"ہیلو---"

"ہاں دیکھا ---میں نے آج تمہیں سوتے میں جگا دیا۔" جنید نے تازہ دم لہجے میں کہا۔

"نہیں میں جاگ رہی تھی۔" راحیلہ دھیرے سے بولی۔

"اوہ---لیکن کیوں---؟" اُس نے تیزی سے پوچھا۔

"بس یونہی نسرین سے باتیں کررہی تھی"۔ اس نے اطمینان سے کہا۔

"اچھا خیر---تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج اپنے ہسپتال سے چھٹی کرسکتی ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہونہیں---خیریت تو ہے نا---؟" ایک لمحے کو راحیلہ کی آواز لرز گئی۔

"ہاں خیریت ہے---اگر تم آج چھٹی کرسکو تو ٹھیک ورنہ کل ضرور چھٹی کرلینا لیکن آج شام کے وقت مجھے ملنا ہے۔" جنید نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"اگر میں آج کی چھٹی کرلوں تو---؟"

"تو پھر مجھے فون کرنا---تمہیں عدالت میں آنا ہوگا کچھ دیر کے لیے---" جنید نے تیزی سے کہا۔

"عدالت---مگر کیوں؟" راحیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ تم وہاں آؤ گی تو بتاؤں گا---بہر حال جو بھی صورتِ حال ہوتی تا لیکن سورج نکلنے کے بعد اب کچھ دیر کے لیے میرا فون بند ہوگا---اچھا اللہ حافظ!"

جنید نے کہا اور فون بند کردیا۔ راحیلہ اس فون کال پر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

وہ دونوں ہی جنید کی فون کال پر حیران تو ہوئی تھیں لیکن یوں عدالت میں بلانے پر تھوڑا پریشان بھی ہوگئی تھیں۔ ان کے درمیان خاموشی آن ٹھہری تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہی تھیں کہ جنید نے ایسا کیوں کہا' پھر اس خاموشی کو نسرین ہی نے توڑا۔

"خیر یہ تو بعد میں ہم سمجھنے کی کوشش کریں گی کہ جنید نے یوں اچانک عدالت میں کیوں بلایا ہے لیکن یہ دیکھو کہ عین اس وقت اُس کا فون آیا ہے جب ہم اس کے بارے میں باتیں کررہی تھیں۔"

"یہ کوئی اَنہونی تو نہیں ہوگئی ایسا تو اکثر ہوجاتا ہے۔" راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری مراد ہے کہ تمہاری اور اُس کی محبت کے بارے میں جو ہم باتیں کررہے تھے---" نسرین نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"اُس کی محبت کا مجھے نہیں پتہ میں اپنی محبت کی بات کررہی تھی۔" یہ کہہ کر راحیلہ چند لمحوں کے لیے جیسے کھوسی گئی' پھر بولی۔ "نسرین! ہر نارمل انسان اپنے معاملات کو دو اور دو چار کرکے ہی دیکھتا ہے۔ ایسا کرنا بھی چاہئے کہ یہ عقل کا تقاضا ہے مگر جب معاملات دل کے ہوتے ہیں نا! تو وہاں کوئی کلیہ کام نہیں آتا---" راحیلہ نے اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا کیا مطلب ہے محبت انسان کو نارمل نہیں رہنے دیتی؟" نسرین کے لہجے میں حیرت تھی۔

"انسان نارمل رہے یا نہ رہے لیکن کامل بننے کی راہ پر گامزن ضرور ہو جاتا ہے۔" راحیلہ نے یوں کہا جیسے وہ کہیں اندر ڈوب کر بات کر رہی ہو۔

"خیر چھوڑو یہ سوچو کہ اس نے تمہیں عدالت میں کیوں بلایا ہے---کہیں وہ تم سے کورٹ میرج تو نہیں کرنا چاہتا؟" نسرین ہنستے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا اور اِن حالات میں تو قطعاً نہیں جب میرے امتحان بالکل قریب ہیں اور میری ہاسٹل کی زندگی ختم ہونے والی ہے۔"

"تو پھر کیا ہو سکتا ہے---؟" نسرین کو بے حد تجسس تھا۔

"یہ تو وہیں جا کر معلوم ہو گا---بہر حال میں جاؤں گی۔"

اس نے مضبوط لہجے میں کہا اور تکیے کے ساتھ سر لگا کر سوچوں میں ڈوب گئی۔ نسرین اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ کئی لمحوں تک وہ اسے غور سے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے بولی۔

"راحیلہ! تم کتنی بدل گئی ہو---ہر وقت جلتے کڑھتے رہنے والی اپنے آپ میں ڈوب گئی ہے یوں جیسے پوری دنیا سے واسطہ ہی نہ رہا ہو اور وہ جو تمہاری زندگی کے لیے عذاب جان بنا ہوا تھا ڈاکٹر جمیل' وہ بھی اَب کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ کتنا سکون سا آ گیا ہے تمہاری زندگی میں---"

"یہ محبت کی کرامت ہے پیاری! محبت انسان کو حوصلہ دے دیتی ہے۔ انسان باہر کی دنیا نہیں بلکہ اپنے اندر دیکھتا ہے کیونکہ ایک سمندر رواں ہو جاتا ہے من میں---" یہ کہہ کر اس نے نسرین کی جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "اَب تمہارا وکٹر تمہیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس نے تم سے بے وفائی کی' تم سے کیئے وعدے پورے نہیں کیئے لیکن تم اَب بھی اسے موردِ الزام نہیں ٹھہراتی ہو بلکہ اُس کی مجبوری گردانتی ہو اور اس کے باوجود تم دُکھ محسوس کرتی ہو---آخر کیوں' یہ سوچا کبھی تم نے---؟"

"تم سمجھا دو---" وہ دھیرے سے بولی۔

"اس میں کوئی اتنی اُلجھن نہیں ہے' صرف سوچ کا فرق ہے۔ تم دونوں کے تعلق میں کہیں کوئی غرض تھی۔ جس کے پورا نہ ہونے کا دُکھ تمہیں ہوتا ہے۔ خالص محبت جس میں کوئی غرض نہیں ہوتی' وہاں دُکھ نہیں ہوتے' بس اپنی محبت میں ڈوبتے جانے کی کوشش میں انسان آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔" راحیلہ نے یوں کہا جیسے وہ اپنا حال بتا رہی ہو۔

"میں کچھ نہیں---" نسرین بولی۔

"تمہیں اس وقت سمجھ آئے گی جب کسی غرض کے بغیر تم اس بات کو سوچنے کی کوشش کرو گی---خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ تھوڑی دیر مزید سو لیں پھر آج باہر بھی جانا ہے۔"

"لیکن میڈم سے چھٹی۔۔۔؟" وہ بولی۔

"چھٹی نہیں لیتی اُسے اپنے باہر جانے کا فقط بتاتا ہے بلکہ۔۔۔"

راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو نسرین بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "اب اتنی بھی غنڈہ گردی مت کرو۔"

"چلو تمہاری بات مان لیتے ہیں لیکن فی الحال تو سونے دو۔۔۔"

راحیلہ نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا تو نسرین نے بتی بجھا دی۔

☆☆

اس وقت دن کا پہلا پہر ختم ہو جانے کو تھا جب راحیلہ عدالت کے باہر رکشے میں سے اُتری۔ ٹریفک کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ جنید سے بات کر کے ہی چلی تھی اُس نے ایک نمبر اسے دیا تھا کہ جیسے ہی تم وہاں پہنچو اس نمبر پر کال کر کے وہاں چلی جانا۔ وہ دوسرا نمبر تھا جو اس کے فون میں محفوظ ہوا تھا —— راحیلہ سڑک سے ہٹ کر احاطہ عدالت کی جانب چل دی' پھر ایک جانب جا کر اُس نے وہ نمبر ملا دیئے۔ چند لمحوں بعد ہی فون ریسو کر لیا گیا۔

''میں راحیلہ بات ---'' وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

''آپ کہاں پر ہیں؟ --- میں ہمایوں بات کر رہا ہوں۔''

دوسری طرف سے تیزی کے ساتھ کہا گیا تو راحیلہ نے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کہاں پر ہیں؟''

''میں ادھر ہی ہوں --- آپ وہیں ٹھہریں میں چند منٹ میں آپ تک پہنچ جاتا ہوں۔''

ہمایوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ راحیلہ وہیں کھڑی رہی اور تقریباً دس منٹ بعد اس نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اس کے قریب آ کر سنجیدگی سے بولا۔

''آپ راحیلہ ہیں ---؟''

''جی ---'' اس نے اِنتہائی اختصار سے کہا۔

''میں ہمایوں ہوں --- اگر آپ چاہیں تو جنید سے بات کر لیں تا کہ آپ کو میرے بارے میں پوری تسلی ہو جائے۔''

ہمایوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو راحیلہ نے جنید کے نمبر پش کر دیئے۔ چند لمحوں بعد وہ بولا۔

''ہاں' تم پہنچ گئی ہو ---؟''

''ہاں --- میرے پاس ہمایوں صاحب کھڑے ہیں۔''

''بات کراؤ ---''

راحیلہ نے فون ہمایوں کی جانب بڑھا دیا' یوں دونوں کے درمیان بات ہو جانے کے بعد راحیلہ کو اطمینان ہو گیا۔ اس نے فون واپس لیا اور اُس کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے ایک چیمبر میں جا پہنچے جو خالی تھا۔ ہمایوں نے اُسے وہاں بٹھایا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک فائل دبی ہوئی تھی۔ اُس کے پیچھے ہی ایک ملازم نما شخص چائے کے ساتھ لوازمات لے کر آ گیا' اس نے ٹرے رکھی اور واپس چلا گیا۔ ہمایوں نے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اب مجھے نہیں معلوم کہ جنید نے آپ کو میرے متعلق بتایا ہے کہ نہیں میں اپنا ---''

''صبح جب میری اُن سے فون پر بات ہوئی تھی' تب اُنہوں نے مجھے آپ کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا تھا۔'' راحیلہ نے دھیرے

سے کہا۔

"چلیں میرا کام آسان ہوا۔ اب مجھے لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھنا پڑے گی --- لیجئے یہ چائے پیجئے۔" اُس نے کپ اس کے سامنے رکھا اور دوسرا اُٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا۔

"لیکن ایک بات مجھے اُنہوں نے نہیں بتائی کہ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟" وہ پرتجسس انداز میں بولی۔

"ٹھیک ---!" ہمایوں نے سمجھنے والے انداز میں کہا۔ پھر بولا۔ "وہ میں آپ کو سمجھا دیتا ہوں --- دراصل اُنہوں نے آپ کے لیے ایک گھر پسند کیا ہے۔ اس کی ساری ادائیگی وغیرہ ہو گئی ہے بس قانونی طور پر آپ کے نام کرنے میں چند کاغذات کی تکمیل ہونا باقی ہے اور یہ میری ذمے داری ہے۔ آپ نے چند کاغذات پر دستخط کرنے ہیں اور ---"

"لیکن اُنہوں نے اگر ایسا کیا ہے تو مجھ سے نہیں پوچھا۔ میں نہیں چاہتی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے یوں کہا جیسے یہ سب سن کر اُسے بہت دُکھ ہوا ہو۔ تب ہمایوں نے اس کی جانب حیرت سے دیکھا اور بولا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

راحیلہ نے اُس کی بات نظر انداز کر دی اور فون پر جنید کے نمبر پش کر دیے۔ چند لمحوں بعد اس کا رابطہ ہو گیا۔

"جنید! آپ نے کسی گھر کو میرے نام کرنے کے لیے یہاں مجھے بلوایا ہے؟"

"ہاں --- تمہیں ہمایوں نے تفصیل نہیں بتائی؟"

"مجھے تفصیل جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ میں ایسا نہیں کروں گی۔" راحیلہ نے صاف لفظوں میں کہا۔

"اوہ!" اُس نے چونکتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "جب میں کہہ رہا ہوں کہ ایسا کرو تو پھر کر دو۔"

"کیوں میں ایسا کیوں کروں؟ --- یہ کوئی موبائل فون سیٹ نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے اور میں ---"

"تم ایسا کرو وہیں ٹھہرو۔ میں آرہا ہوں۔" جنید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس لیے نہیں کہ ---"

وہ کہتی گئی تو پھر بات کٹ گئی۔ "--- نہ کرنا --- میں تمہیں وہاں سے پک کروں گا ہم کہیں اور جا کر بات کریں گے۔"

جنید نے کہا اور فون بند کر دیا۔ تب راحیلہ نے ہمایوں کی جانب دیکھا۔ اُس نے کوئی بات نہیں کی محض کاندھے اُچکا کر چائے پیتا رہا ---

تقریباً آدھے گھنٹے بعد راحیلہ احاطہ عدالت سے باہر آ گئی جہاں جنید ایک گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اُس کے ساتھ بیٹھی تو اُس نے گاڑی بڑھا دی۔

"آخر تمہیں کیا اعتراض ہے۔ میں جب تمہارے لیے ایک گھر خرید رہا ہوں تو ---!" اُس نے پوچھا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ آپ میرے محسن ہیں لیکن میں یہ بھی نہیں چاہوں گی کہ آپ میری غربت کا مذاق اُڑائیں --- میں مانتی ہوں کہ میں

ایک گاؤں کی رہنے والی غریب لڑکی ہوں لیکن مجھ میں ابھی غیرت ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک پختہ گھر جو شہر میں ہو اس کے لیے میری زندگی کے نجانے کتنے سال خرچ ہوں گے مگر مجھے خود پر بھروسہ ہے۔" راحیلہ نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

"تقریر کر چکی ہو تم؟" جنید بڑے ہی اطمینان سے بولا۔

"کیا مطلب---؟" راحیلہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"کل تم محبت کے دعوے کرتی رہی ہو اور آج اپنے اس دعوے کے بالکل برعکس بات کر رہی ہو۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ---؟" وہ بالکل نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"یہ گھر میں تمہیں نہیں دے رہا بلکہ میں اپنے لیے خرید رہا ہوں--- تمہیں پتہ ہے میرا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں ہے۔ میں اپنے نام سے کوئی شے خرید نہیں سکتا اور اگر خریدوں گا بھی تو وہ میرے کسی کام نہیں آنے والی بلکہ میرے گلے کا پھندا بھی بن سکتی ہے--- میں نے کل جب تمہاری والدہ کو دیکھا تو مجھے ان پر ترس نہیں آیا اور نہ ہی میں ہمدردی کر رہا ہوں بلکہ میں نے اپنا فائدہ سوچا ہے۔ میں تمہاری مختصری فیملی کے ساتھ بہت اچھا وقت گزار سکتا ہوں--- ہاں اگر تم ڈرتی ہو کہ کل کلاں میری وجہ سے تم پر بھی عتاب نازل ہو جائے گا تو بالکل انکار کر دو۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" راحیلہ نے حیرت سے پوچھا وہ اس تصور سے ہی شاداں و فرحاں ہو گئی تھی۔

"ہاں میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ میں وہاں رہوں چند دن رہوں بہت عرصہ رہوں یا پھر بالکل نہ رہوں لیکن مجھے یہ معلوم ہو گا کہ میرا ایک محفوظ ٹھکانہ ہے اس دنیا میں جہاں میں اطمینان سے رہ سکتا ہوں۔ اگر تم اتنی قربانی دے سکتی ہو تو ٹھیک ورنہ پھر---" یہ کہہ کر اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"نہیں میں ڈرتی نہیں ہوں۔ آپ کے لیے اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔" راحیلہ نے دل سے کہا۔

"مجھے تمہاری جان کی نہیں تمہاری زندگی کی ضرورت ہے۔"

جنید نے کہا تو وہ پوری جان سے مسرت آگیں کیفیت میں کھو گئی چند لمحوں تک وہ اسی میں ڈوبی رہی پھر بولی۔

"جیسا آپ چاہیں---"

"تم ویسے ہی وہیں اپنے ہاسٹل میں رہو گی لیکن تمہاری والدہ یہاں رہیں گی ان کے ساتھ ایک فیملی رہے گی جو ان کی دیکھ بھال کرے گی۔ چاہو تو ان سے ملتی رہنا اور جب تمہارے امتحان ہو جائیں گے تو پھر فیصلہ ہو گا کہ تم نے کیا کرنا ہے۔ اگر منظور ہے تو واپس عدالت کی جانب چلیں ورنہ تمہیں تمہارے ہاسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔" جنید نے حتمی انداز میں کہا۔

"آپ عدالت کی طرف ہی چلیں---"

راحیلہ نے مضبوط لہجے میں کہا تو جنید نے اگلے یوٹرن سے گاڑی موڑ لی۔ پھر فون پر ہمایوں کو بتا دیا کہ راحیلہ واپس آ رہی ہے۔ جس وقت راحیلہ نے عدالت کے باہر اترنا تھا تب جنید نے کہا۔

"جب وہ گھر تمہارے نام ہو جائے گا تو اُسے دیکھنے چلیں گے' اَب جاؤ---"

راحیلہ نے اُس کی طرف بڑی گہری نگاہوں سے دیکھا اور گاڑی سے اُتر گئی۔ اس کا رُخ احاطہ عدالت کی جانب تھا۔

☆☆

صفیہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تیار ہو رہی تھی۔ اُسے اپنی ایک سہیلی کے ساتھ اس کی کلاس فیلو کے ہاں جانا تھا جس نے بڑے اہتمام سے اُنہیں سالگرہ پارٹی کی دعوت دی تھی۔ جب سے تیمور نے اُس سے کاغذات پر دستخط کروائے تھے وہ ہواؤں میں اُڑنے لگی تھی۔ وہ اپنے انداز و اطوار سے ایک کاروباری خاتون ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ اگرچہ ابھی اُس کی عمر نہیں تھی لیکن جیسے کاروباری خواتین جنہیں عرفِ عام میں "بزنس وومن" کہتے ہیں وہ خود کو سنجیدہ بنا کر رکھتی ہیں تاہم اس میں بھی اُنہوں نے فیشن کا پہلو تلاش کر لیا ہوا ہے اور صفیہ بھی اس وقت اپنے آپ کو ایسے ہی لباس اور انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اُٹھنے سے پہلے اس نے خود پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ تبھی اُس کے من میں خواہش اُبھری کہ تھوڑی دیر کے لیے سہی اُسے تیمور سے ملنا چاہیے۔ شاید یہ کسی عورت کی وہ لاشعوری خواہش تھی کہ وہ بن سنور کر کسی کو اپنا سراپا دکھانا چاہتی ہے۔ اُس نے سامنے ٹیبل پر پڑا فون اُٹھایا اور اس کے نمبر پش کر دیئے۔ چند لمحوں بعد دوسری جانب سے فون اُٹھا لیا گیا۔

"ہاں بولو صفو! اس وقت میری کیسے یاد آ گئی؟"

"پرانا ڈائیلاگ ہے' تیمور! لیکن اِس وقت چلے گا اور وہ یہ ہے کہ آپ کو بھولے ہی کب تھے' آپ تو ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چلو مان لیتے ہیں لیکن پھر بھی---؟" تیمور نے جلدی سے کہا۔

"تیمور! نجانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ مَیں آپ سے ملوں حالانکہ مَیں آج اپنی ایک کلاس فیلو کی سالگرہ پارٹی میں جا رہی ہوں۔" اس نے بڑے مان سے کہا جس میں لبھا لینے والا انداز تھا۔

"اوہ---تو ایسی کون سی راہ میں رکاوٹ ہے۔ تم جب وہاں سے نکلنا تو مجھے فون کر دینا پھر ہم کسی بھی جگہ مل لیں گے۔" اُس نے عام سے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن اگر دیر ہو گئی تو پھر نہیں' میری ماما پہلے ہی مجھ پر پابندیاں لگانے کی فکر میں ہے۔" اس نے پھر ایسے ہی لہجے میں کہا جیسے وہ اُسے لبھا رہی ہو۔

"اَب تو مَیں یہی کہہ سکتا ہوں کہ جیسا تم چاہو---" اُس نے دھیرے سے کہا۔

"اوکے مَیں فون کر دوں گی---"

صفیہ نے کہا اور پھر فون بند کر دیا اسی لمحے ہارن کی آواز سنائی دی۔ صفیہ جب ڈرائنگ روم میں آئی تو اُس کی سہیلی زیتون بی بی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ صفیہ ایک دَم سے چوکنا ہو گئی' نجانے اس کی ماما کیا کہہ دے؟ اس نے چور نگاہوں سے اپنی ماں کو دیکھا اور پھر سہیلی کی جانب دیکھ کر بولی۔

''تم بڑے وقت پر آئی ہو میں تو سمجھی تھی کہ دیر لگا دو گی۔''

''وقت پر آنے کا مطلب ہے کہ وقت پر واپس بھی آیا جائے۔'' اس کی سہیلی نے کہا۔

''تو پھر میرا خیال ہے ہمیں جلدی جانا چاہیے۔'' یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم سے نکلتی چلی گئی' زیتون بی بی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی لیکن ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

مغرب سے پہلے پارٹی ختم ہو گئی تو صفیہ نے وہاں سے نکلنا چاہا' اس کی سہیلی کا ابھی واپس آنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا' بہت مشکل سے وہ اُسے لے کر باہر نکلی' پھر جب گاڑی میں بیٹھ چکی تو صفیہ نے دبے دبے غصے میں کہا۔

''وہاں میرے گھر تو بہت کہہ رہی تھیں کہ جلدی واپس آنا ہے اور یہاں سے تمہارا نکلنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔''

''یار! ایسے ہنگامے ہم لڑکیوں کو دیکھنے کے کہاں مواقع ملتے ہیں--- ویسے میں نے عشاء تک واپس جانے کا کہا تھا' لیکن تم نے جلدی کی---''

''خیر میں تمہیں ڈراپ کر کے باہر ہی سے چلی جاؤں گی۔''

صفیہ نے اپنے ذہن میں پلان بنا لیا تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ یونہی عام سی باتوں میں سفر کٹ گیا اور صفیہ نے اپنی سہیلی کو ڈراپ کر دیا۔ پھر تیمور کا نمبر ملایا اور اُس سے جگہ کا تعین کر کے چل دی' اس کی منزل ایک چائنیز ریستوران تھا۔

''آج تم بہت خوب لگ رہی ہو۔ لگتا ہے' کوئی گہری سہیلی تھی۔ جس کے لیے اتنا اہتمام کیا گیا تھا۔''

تیمور نے ریستوران کے ایک گوشے میں بیٹھتے ہی پہلی بات کی تو صفیہ دل ہی دل میں اپنی تعریف پر نہال سی ہو گئی۔

''ایسا تو نہیں--- میں نے دراصل آپ سے ملنے کے لیے اس بہانے کا سہارا لیا تھا۔'' صفیہ نے خمار آلود آواز میں کہا۔

''اوہ' تو ہماری قربت اَب اس قدر اچھی لگتی ہے آپ کو---؟'' تیمور خوش ہوتے ہوئے بولا۔

''ظاہر ہے--- لڑکی اپنی زندگی میں ایک ہی مرد کو چاہتی ہے اور پھر ساری زندگی اُس کے ساتھ گزارنے کی خواہش کرتی ہے---''

صفیہ نے صاف لفظوں میں اپنی بے تابی اُس پر ظاہر کر دی۔ جس پر تیمور نے بڑے محتاط انداز میں کہا۔

''میں نے کچھ اور بھی سوچا ہے' اگر میرے والدین نہ مانے تو میرے پاس برطانوی شہریت ہے' میں اور تم ہمیشہ کے لیے یہ وطن چھوڑ کر چلے جائیں گے' وہاں ہم بہت سکون سے رہیں گے۔''

''کیا آپ اس حد تک سوچ رہے ہو؟'' صفیہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں' تو اور کیا--- اَب تمہارے بغیر زندگی گزارنا بہت مشکل ہو رہا ہے' یہ تو میں ہی جانتا ہوں کہ ایک ایک دن کس طرح گزار رہا ہوں۔''

''ہاں--- یہ میرے فائنل امتحان درمیان میں نہ ہوتے نا تو میں---'' صفیہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"خیر ہم جب اس قدر قریب آ ہی چکے ہیں تو اب ہمیں زیادہ دور نہیں رہنا چاہئے۔ کم از کم ہفتے میں ایک بار تو ہمیں سارا دن ایک ساتھ گزارنا چاہئے۔" تیمور بڑے محتاط انداز میں صفیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"دل تو میرا بھی چاہتا ہے لیکن—— فائنل امتحان تک بہت مشکل ہے۔" صفیہ نے تیمور کی بات میں اس خواہش کو بجھتے ہوئے کہا جو نجانے کتنی بار وہ اس کی آنکھوں میں پڑھ چکی تھی اور اس وقت بھی وہ اُس کا مطلب بہت اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

"جیسے تمہاری مرضی میں کیا کہہ سکتا ہوں---" تیمور نے فوراً ہی اس کی ہاں میں ہاں ملا دی لیکن لہجہ بہت زیادہ مایوسی بھرا تھا۔ اس پر صفیہ نے جب کچھ نہ کہا تو وہ بولا۔ "لیکن ایسا تو ممکن ہے کہ فائنل امتحان سے پہلے ایک بار ہم بھرپور انداز میں انجوائے کریں' سارا دن فارم ہاؤس پر گزاریں۔ تم کوئی سا بھی بہانہ کر سکتی ہو۔"

"ہاں ایسا ہو تو سکتا ہے پر---" صفیہ نے پہلو تہی چاہی۔

"بس فائنل ہو گیا۔ تین دن بعد تمہارے کالج کی چھٹی ہے اور ہم وہ دن فارم ہاؤس پر گزاریں گے۔ خوب باتیں کریں گے' انجوائے کریں گے اور مستقبل کا پلان بنائیں گے۔"

تیمور نے حتمی انداز میں کہا تو صفیہ نے دھیرے سے اپنی گردن ہلا دی---دونوں کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران کھانا بھی آ گیا۔ کھانے کے دوران تیمور نے صفیہ کو فارم ہاؤس پر جانے اور وہاں دن گزارنے کے پلان سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا۔

صفیہ جس وقت گھر واپس آئی تو اس وقت تیمور کی باتوں' کاروبار اور برطانیہ کے شہر ریڈنگ کے بارے میں ہونے والی گفتگو کا خمار اس پر حاوی تھا۔ اس کے ذہن میں فارم ہاؤس پر گزارنے والا وہ دن بھی تھا جس نے دو دن بعد آ جانا تھا۔ اس نے گاڑی کھڑی کی اور ڈرائنگ روم میں چلی گئی جہاں اس کی توقع کے عین مطابق اس کی ماں زیتون بی بی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی وہ سلمیٰ سے بولی۔

"اس سے پوچھو سلمیٰ! یہ اتنی دیر کہاں رہی ہے؟"

"میں کہیں بھی جاؤں' کچھ بھی کروں! اس سے آپ کو ذرا بھی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بات میں آپ لوگوں کو کیسے سمجھاؤں؟" صفیہ نے پرس صوفے پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"بیٹیوں کے یہ لچھن نہیں ہوتے---اتنی بد اخلاق بیٹی' یا اللہ! اسے موت دے دے یا پھر مجھے اُٹھا لے۔" زیتون بی بی نے دُکھے ہوئے دل سے کہا اور اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"تم امی کے ساتھ اس قدر بدتمیزی سے کیوں پیش آتی ہو؟" سلمیٰ نے غصے میں پوچھا۔

"یہ تم ماں بیٹی نے میرے بارے میں ہی تفتیش کا ٹھیکہ کیوں لیا ہوا ہے۔ میں نے کبھی یہ پوچھا ہے کہ تم دونوں کیا کرتی ہو؟---میری اپنی زندگی ہے' خدا کے لیے مجھے گزارنے دو---"

لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ اس کے پاپا ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ اُنھوں نے یہ بات سن لی تھی اس لیے آتے ہی بولے۔

"کیا بات ہو گئی صفیہ' کیوں اس طرح بات کر رہی ہو؟"

"پاپا! میں تنگ آ گئی ہوں اپنے ہی گھر میں ذرا ذرا سی بات پر پابندیوں سے۔ یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ اس وقت اُٹھو وہاں نہ جاؤ ——— میں کیا کروں' پاپا؟" اس نے روہانسو ہوتے ہوئے کہا۔

"ہوا کیا ہے؟" اس کے باپ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میری کلاس فیلو کی سالگرہ پارٹی تھی' وہاں گئی تھی۔ اب انہیں یہ دُکھ ہے کہ میں ذرا دیر سے کیوں آئی ہوں۔ ان سے پوچھیں' کیا رات ختم ہو گئی ہے؟ انہیں کیا پتہ سوشل لائف کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے تو گھر میں بند رہنا ہوتا ہے۔ کسی سے ملنا نہیں' مرضی سے بات کرنی ہے۔"

وہ غصے میں بولتی چلی گئی۔ پاپا نے سلمیٰ کی جانب دیکھا تو وہ ہونقوں کی طرح ان دونوں کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔

"پاپا! یہ میں نے نہیں امی نے اس سے پوچھا تھا لیکن یہ انتہائی بدتمیزی سے پیش آئی ہے' کم از کم اسے یہ تمیز تو ہونی چاہیے کہ ماں سے بات کس طرح کی جاتی ہے۔" سلمیٰ نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں میں تو سراپا بُری ہوں ان کی نگاہوں میں اور جب میری ہر بات میں بُرائی ہے تو پھر کوئی بات کیسے ٹھیک ہوگی۔" صفیہ نے باقاعدہ روتے ہوئے کہا۔

"تم جاؤ' سلمیٰ ——— !" پاپا نے ذرا سختی سے کہا۔ وہ چلی گئی تو پھر صفیہ کی طرف دیکھ کر بولے۔ "اچھا' خاموش ہو جاؤ ——— وہ ایک طرح سے ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں۔ لڑکیاں شادی سے پہلے یوں زیادہ وقت باہر نہیں گزارتیں ——— ہاں' جب تمہاری منگنی وغیرہ ہو جائے تو پھر بات دوسری ہے۔ زندگی پڑی ہے سوشل لائف کے لیے اور پھر جب تم میرے ساتھ بزنس میں آ جاؤ گی تو اپنے شوق پورے کر لینا ———"

اس کے پاپا نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ تب اچانک اس کے ذہن میں یہ بات کہ یہی وہ موقعہ ہے جب وہ اپنی غیر معمولی اہمیت کے بارے میں اپنے پاپا کو آگاہ کرے تاکہ ماما اور سلمیٰ کو معلوم ہو کہ اس نے کتنی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس نے لمحہ بھر میں سوچا پھر دھیرے سے بولی۔

"پاپا! میں آپ سے ایک بات کہوں ———؟"

"ہاں' کہو ———" انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

"میں نے آپ کو تیمور کے بارے میں بتایا تھا' نا ——— !" وہ دھیرے سے بولی۔

"ہاں ——— کیا ہوا اُسے؟" پاپا نے پوچھا۔

"اُس نے اپنے کاروبار میں مجھے شراکت دار بنا دیا ہے۔" وہ دبے دبے جوش اور قدرے خوف سے بولی۔

"کیا ——— یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" وہ حیرت سے بولے۔

"ہاں' پاپا! میرے پاس اُن کاغذات کی نقول پڑی ہوئی ہیں' وہ میں آپ کو دکھا سکتی ہوں۔" صفیہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ کیوں کیا اُس نے ———؟"

''صرف گارنٹی کے طور پر--- اُس نے کہا ہے کہ اگر اُس کے والدین نہ مانے تو مجھ سے شادی کرے گا' اُس کے کاروبار میں شراکت دار تو میں ہوں گی--- اگر ادھر رہے تو وہ ایک گھر میرے نام کرے گا یا پھر ریچڈل چلے جائیں گے۔'' صفیہ نے اطمینان سے کہا۔

''کیا تم مجھے وہ کاغذات دکھا سکتی ہو؟'' پاپا نے پوچھا۔

''کیوں نہیں---'' اِس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں ابھی آپ کو لا دیتی ہوں لیکن--- لیکن جب میں گھر آتی ہوں تو مجھے ذرا بھی سکون نہیں ملتا' میرا یوں کرتا ہے کہ یہ پڑھائی وغیرہ چھوڑ دوں اور آپ کے ساتھ ابھی سے بزنس میں آ جاؤں۔''

''نہیں' تم یہ امتحان دو' وقت ہی کتنا ہے--- میں تمہاری ماں کو سمجھا دوں گا۔'' پاپا نے سوچتے ہوئے کہا۔

''آپ بیٹھیں میں ابھی آپ کو وہ کاغذات لا دیتی ہوں' آپ دیکھیں انہیں---''

صفیہ یہ کہتے ہوئے اُٹھ گئی اور اس کے پاپا گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

☆☆

ہمایوں سڑک کے کنارے کھڑا اس جانب دیکھ رہا تھا جس طرف سے راحیلہ آنے والی تھی۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ ہمایوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ جنید کی راحیلہ کے ساتھ کیا بات ہوئی ہے لیکن وہ وہی کچھ کر رہا تھا جس کے بارے میں جنید نے اُسے بتایا تھا۔ اس کی راحیلہ سے بات ہو چکی تھی جس نے تھوڑی دیر بعد آنے کا کہا تھا۔ اُسے وہاں کھڑے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ اُسے راحیلہ آتی ہوئی دکھائی دی۔ جس نے ایک بڑی ساری چادر اوڑھ رکھی تھی' وہ اِسے دور ہی سے پہچان چکا تھا۔

''آئیے---''

جیسے ہی وہ قریب آئی تو ہمایوں نے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ٹیکسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

راحیلہ اس جانب بڑھ گئی' پھر پچھلا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھی' تب تک ہمایوں بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا اور اُس نے ٹیکسی والے کو چلنے کے لیے کہا جو شاید اسی انتظار میں تھا۔ ٹیکسی تیزی سے اپنا سفر طے کرتی رہی اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش رہے۔ اس علاقے کو نہ تو پوش کہا جا سکتا تھا اور نہ ہی وہ کوئی غریبوں کا علاقہ تھا لیکن متوسط طبقے کے لوگوں کے لیے وہ بہت ہی اچھا ٹاؤن بن چکا تھا جس میں جابجا بہت ساری کوٹھیاں تعمیر ہو رہی تھیں۔ ان لوگوں کو یہ یقین تھا کہ آئندہ آنے والے چند برسوں میں یہ علاقہ معروف ترین ہو جانے والا تھا۔ اِن کی ٹیکسی ایسی ہی ایک نو تعمیر شدہ کوٹھی کے سامنے جا کر رُک گئی۔ ہمایوں نے کرایہ ادا کیا۔ اپنی جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر اس میں سے ایک چابی منتخب کی اور گیٹ کھولنے لگا' تب تک ٹیکسی والا واپس جا چکا تھا۔

''یہ ہے آپ کا گھر---''

ہمایوں نے گیٹ کھولتے ہوئے کہا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ راحیلہ ایک انجانی کیفیت میں گھر گئی تھی۔ اس کے اندر جیسے ہی یہ احساس دَر آیا کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے تو خوشی کی ایک لہر نے اسے ادھ موا سا کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی جب یہ خیال آیا کہ یہ اس کے نام کیوں ہوا ہے تو ساری

خوشی ہوا ہوگئی یہ خیال اس کے لیے بہت ہی تکلیف دہ تھا۔ گھر جو سکون، تحفظ اور خوشی کا مسکن ہوا کرتا ہے، ممکن ہے کہ یہی گھر اس کا مقتل بن جائے۔ اس نے یہ گھر اسی لیے اپنے نام کرایا تھا کہ اس میں جنید کی اپنی غرض تھی اور وہ اس کے لیے اپنی جان بھی دے دینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

"کہاں گم ہیں آپ---؟"

ہمایوں نے پوچھا تو وہ چونکی۔

"کہیں نہیں---!" اس نے اپنے ذہن سے سارے خیالات ہٹاتے ہوئے کہا۔

"راحیلہ! ہوتا ہے ایسا، زندگی میں بہت سارے فیصلے اپنی مرضی سے نہیں کرنے پڑتے اور جو من چاہ رہا ہوتا ہے وہ اپنی دسترس سے بہت دور ہوتا ہے۔ اسی کا نام زندگی ہے--- خیر آؤ۔ دیکھو، میری پسند کیسی ہے؟" ہمایوں نے عجیب سے لہجے میں کہا اور اندر کے دروازے کھولتا چلا گیا۔

"یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے ابھی اس میں رہائش کر لی جائے۔ سارا سامان موجود ہے، سجایا بھی بہت خوب گیا ہے۔" راحیلہ نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، ایسا ہی ہے۔ پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے مجھے خریداری کرتے ہوئے--- اس میں بیشتر چیزیں جنید کی پسند کی ہیں۔ مثلاً یہ سارا فرنیچر۔ وہ کچن کا سارا سامان---"

ہمایوں تفصیل بتاتے ہوئے بولا اور راحیلہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ ایک گھر کا تصور کس قدر خوش کن ہوتا ہے۔

"اچھا ہے، بہت ہی اچھا ہے۔" راحیلہ نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ خالی کیوں چھوڑا ہوا ہے، کوئی بھی---"

"نہیں، یہاں رات کے وقت چوکیدار ہوتا ہے۔ کل سے ایک فیملی یہاں آ جائے گی، وہ دونوں میاں بیوی ہیں اور ایک بچہ ہے اُن کے ساتھ۔ وہ اُوپر والے پورشن میں رہیں گے اور آپ کی امی یہاں نیچے والے پورشن میں---" اس نے تفصیلاً بتایا تو راحیلہ اس کی طرف دیکھتی رہی لیکن جواباً کوئی بات نہیں کی، تب وہی بولا۔ "دیکھو، میں نے فریج بھی سارا بھر دیا ہے۔"

"بہت اچھا کیا---" راحیلہ تب تک اپنے آپ میں آ چکی تھی۔

"تو پھر اس کچن کا آغاز کریں--- کم از کم چائے تو بنانا آتی ہوگی آپ کو، وہی بنا لیں---"

ہمایوں نے خوشگواریت سے کہا تو راحیلہ مسکرا دی اور کچن کی جانب چل پڑی۔ ابھی شاید اس نے چولہا بھی نہیں جلایا ہوگا کہ ہمایوں کے سیل فون پر مس بیل ہوئی اور ساتھ ہی ہارن کی آواز آئی۔ وہ اُٹھ کر باہر چلا گیا اور گیٹ کھول دیا۔ جنید گاڑی سمیت اندر آ گیا، ہمایوں اس سے پہلے ہی ڈرائنگ روم میں آ چکا تھا۔

"راحیلہ! تین پیالی بنانا، جنید آ گیا ہے---" اس نے ہانک لگائی۔

"بڑے بے تکلف ہو رہے ہو راحیلہ سے---؟" جنید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ یہ حسد سے کہہ رہے ہو یا مذاق کا موڈ ہے؟"

ہمایوں نے ہنستے ہوئے کہا تو جنید مسکرا دیا۔ پھر پوچھا۔

"کیا یہ سب پسند آیا اُسے۔۔۔؟"

"خود ہی پوچھ لینا۔۔۔"

ہمایوں نے کہا اور پھر وہ انہی باتوں میں کھو گئے کہ اب کیا چیز ضروری ہے کیا نہیں۔ اتنے میں راحیلہ چائے لے کر آ گئی ساتھ میں کیک بھی تھا جو اُس نے فریج میں سے لیا تھا۔ اُس کے آنے پر بھی وہی باتیں چلتی رہیں' یہاں تک کہ چائے پی لی گئی۔ تب جنید نے راحیلہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"چلیں گاؤں' تمہاری امی کو لے آئیں۔۔۔؟"

یوں پوچھنے پر راحیلہ چند لمحے خاموش رہی اور جنید کے چہرے کی جانب دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"چلیں۔۔۔"

تھوڑی دیر بعد اُنہوں نے گھر کو لاک کیا اور گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑے۔

☆☆

اس وقت رات گہری ہو چکی تھی جب وہ گاؤں پہنچے۔ ہر جانب گہرا سناٹا طاری تھا۔ اتنی رات گئے جب وہ گھر پہنچے تو راحیلہ کی ماں ان دونوں کو یوں سامنے پا کر حیرت اور گھبراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھتی ہی رہ گئی' سلام دُعا سے پہلے اُس نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے نا۔۔۔؟"

"ہاں' امی! خیریت ہے۔۔۔"

یہ کہہ کر راحیلہ اندر چلی گئی۔ اس کے پیچھے جنید بھی اندر چلا گیا۔ دونوں جب سہولت سے بیٹھ گئے تو اس کی ماں نے پھر تشویش زدہ لہجے میں دوبارہ آنے کا سبب پوچھا۔

"امی! مَیں آپ کو لینے کے لیے آئی ہوں۔ اَب ہم شہر میں رہیں گے۔"

راحیلہ نے کہا تو اس کی ماں نے انتہائی حیرت اور پریشانی سے راحیلہ کی جانب دیکھا' پھر جنید کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"مَیں سمجھی نہیں بیٹی! تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" اُس کے لہجے میں حیرت ملی تشویش اَب بھی تھی۔

"مَیں نے کوئی ایسی بات نہیں کی ہے' جو آپ سمجھ نہ سکیں۔ مَیں نے شہر میں گھر لے لیا ہے اور۔۔۔"

راحیلہ نے کہنا چاہا تو اس کی ماں نے ٹوک دیا۔ "یہی بات تو مَیں سمجھنا چاہ رہی ہوں۔۔۔ بیٹی! لوگ ساری زندگی لگا دیتے ہیں' پائی پائی جوڑتے ہیں تو کہیں جا کر چھت نصیب ہوتی ہے۔ تم نے ابھی اپنا کورس بھی مکمل نہیں کیا اور ایک گھر لے لیا ہے۔ اتنی عقل تو ہے' مجھ میں بیٹی! کہ یہ مجھ

سکوں ایسا محنت کی حلال کمائی سے تو نہیں ہو سکتا۔ تم نے کہیں میری۔۔۔؟" ماں نے دبے دبے غصے میں انتہائی مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں ماں! امّیں اپنی جان تو دے سکتی ہوں لیکن اپنی عزت پر حرف نہیں آنے دوں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ میری ماں میری جدائی کا صدمہ برداشت کر لے گی مگر میری عزت چلی جائے یہ اس سے برداشت نہیں ہوگا۔" راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"تو پھر اسے میں کیا سمجھوں۔۔۔؟"

ماں نے پوچھا تو جنید نے دھیرے سے کہا۔

"میں سمجھاتا ہوں آپ کو۔۔۔ میرا اور راحیلہ کا ایک خاموش معاہدہ ہوا ہے۔ یہ میرے کام آ رہی ہے اور میں اس کے۔۔۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ آپ کی بیٹی کی عزت پر حرف آئے۔ یہ گھر میں نے اسے لے کر دیا ہے۔ ایسا میں نے اس لیے کیا ہے کہ اپنی حفاظت کر سکوں۔"

"یہ کیسا معاہدہ ہے" پتر۔۔۔؟" ماں نے پوچھا۔

"آپ یہ ساری باتیں پوری تفصیل سے سمجھ جائیں گی۔ آپ نے اپنی زندگی کے کٹھن اور مشکل دن دیکھ لیے اب اچھے دن بھی دیکھیں۔ آپ یقین کریں مجھ پر۔۔۔" جنید نے کہا۔

"آپ کچھ بھی مت سوچو امی! میں جو آپ کو لینے آئی ہوں۔۔۔"

راحیلہ نے کہا تو ماں نے اپنا سر جھکا لیا' پھر پوچھا۔

"کب جانا ہے۔۔۔؟"

"چاہیں تو آپ ابھی چلیں۔" جنید نے کہا۔

"نہیں میں یوں چوروں کی طرح رات کے اندھیرے میں یہ گاؤں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ دن نکلے گا تو میں یہ گھر کسی کے سپرد کر کے جاؤں گی' باقی اللہ مالک ہے۔" اُس نے یوں کہا جیسے یہ سب کہتے ہوئے اُسے بہت صدمہ ہو رہا ہو۔

"ٹھیک ہے' جیسا آپ چاہیں۔۔۔"

جنید نے حتمی انداز میں کہا اور جس چارپائی پر بیٹھا تھا۔ اسی پر لیٹ گیا' تب راحیلہ اور اس کی ماں دونوں اُٹھ گئیں۔

☆☆

جنید صحن میں کھلے آسمان کے نیچے بچھی ہوئی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی' رات تھی کہ کٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ رات گئے مشرق سے اُبھرنے والا چاند اب سر کے اُوپر آ چکا تھا۔ راحیلہ اور اس کی امی کچے کمرے کے اندر تھیں۔ اُسے پوری اُمید تھی کہ وہ بھی نہیں سوئی ہوں گی۔ لمحہ لمحہ گزرتی رات کے ساتھ جنید کی سوچیں بھی اُسے گھیرے ہوئے تھیں۔ وہاں لیٹے ہوئے ایک ہی سوال اُس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ آیا اُس نے جو کچھ راحیلہ اور اس کی ماں سے کہا ہے' وہی سچ ہے یا پھر وہ جھوٹ بول کر انہیں مطمئن کر رہا ہے اور اگر جھوٹ بول رہا ہے تو

کیوں؟ ــــ اُسے اپنے سوال کا جواب بھی معلوم تھا لیکن وہ خود اس سے بچ کر نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ اس راہ پر جا کر کسی بند گلی میں راستہ نہیں کھونا چاہتا تھا۔ اُس کی ان ساری سرگرمیوں کے پیچھے فقط ایک ہی احساس تھا اور تھی راحیلہ سے محبت! وہ اس اعتراف سے بچ نکلنا چاہتا تھا۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ کبھی نہ کبھی ایسا ہوگا کہ اُسے راحیلہ کے سامنے اپنی محبت کا اقرار کرنے پڑے گا لیکن ایسا کر کے وہ اس بندھن میں نہیں بندھنا چاہتا تھا کہ جس سے پھر وہ فرار نہ لے سکے۔

یہ انسانی شعور اور لاشعور کی کہانی بھی بڑی عجیب ہے۔ قدرت نے انسان کے اندر ایسا خودکار نظام رکھ دیا ہے کہ جس سے اِنسان کی زندگی کے بیشتر مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ وہ شعور کی آنکھ سے جب ہر شے اور معاملے کو دیکھتا ہے تو ان سے انسان کو آگہی مل جاتی ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے لیکن لاشعور کے معاملے ایسے ہیں جن سے اِنسان کو معلوم بھی نہیں ہوتا اور وہ کسی انجانے فیصلے کے تحت بہت کچھ کرتا چلا جاتا ہے۔ سارے اُلجھے ہوئے مسئلے اسی لاشعور میں جا کر سلجھتے ہیں۔ یہ ہمارے خیالات ہی ہیں جن کی بنیاد پر ہمارے اعمال سرزد ہوتے ہیں اور خیال ایک بیج کی مانند ہے۔ یہ لاشعور کی دھرتی میں جب اُگتا ہے پودے سے تناور درخت بنتا ہے تو اعمال کے پھل پھول اس پر ضرور آتے ہیں۔ جنید جس طرح کی بھی زندگی گزار رہا تھا' وہ اپنی جگہ لیکن وہ ایک نوجوان' حقیقت پسند اور دل رکھنے والا اِنسان بھی تھا۔ لاشعور کی گہرائیوں میں کہیں کوئی تصویر پڑی ہوئی تھی جو راحیلہ کی صورت میں اُس کے سامنے آ گئی تھی یا پھر راحیلہ میں اُس نے وہ کچھ دیکھ لیا تھا جس کی خواہش لاشعور میں تھی۔ بہر حال' جو بھی تھا۔ ایک کشش تھی جو اس کی جانب متوجہ کیے ہوئے تھی۔ اس نے پوری زندگی کسی کے لیے کچھ نہیں کیا تھا' بس لفظوں سے بنے ایک نصب العین کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگائے ہوئے تھا۔ اُسے یہ غرض نہیں تھی کہ لوگ کیا کرتے ہیں' اُسے اگر کوئی مطلب تھا تو یہ کہ اُس کے نصب العین کے مطابق کیا ٹھیک ہے۔ زندگی میں پہلی بار اس نے کسی کے لیے دل کے کہنے پر کچھ کرنے کا سوچا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے اُسے اتنا سرور' اطمینان اور خوشی ملی تھی کہ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا ــــ

بعض اوقات اِنسان کسی شے کے حصول کے لیے ساری زندگی تڑپتا رہتا ہے' اس کی خواہش میں تر ستا رہتا ہے لیکن وہ شے اس کی دسترس میں نہیں آتی مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شے نہ صرف وافر مقدار میں مل جاتی ہے بلکہ اس کے مصرف کے بارے میں کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔ جنید کے لیے دولت کا حصول کبھی بھی مشکل نہیں رہا تھا۔ جس قدر خواہش ہوتی' اُسے مل جاتی تھی۔ زیادہ کی خواہش اُسے اس لیے بھی نہیں ہوئی تھی کہ اتنی دولت وہ کہاں رکھے؟ بینک بیلنس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا' وہاں پڑی ہوئی دولت کس کام کی؟ اَب اگر اُسے راحیلہ کی صورت میں دولت کا مصرف ملا تو اُس نے بے دریغ خرچ کرنا شروع کر دیا۔ پھر وہ جو دولت کماتے ہیں' احساس تو تب ہوتا ہے جب وہ اِسے خرچ کرتے ہیں۔ جنید کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اُس کی صرف ایک خواہش تھی جو کبھی کبھی اُسے بھی بہت عجیب لگتی تھی۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ راحیلہ کبھی پورے دل سے اُس کے ساتھ خوشی کے ساتھ قہقہہ لگا دے۔ ایسا قہقہہ جس میں کوئی خوف' پریشانی یا بے یقینی شامل نہ ہو۔ اس میں فقط خوشی ہو' خالص خوشی! اس خواہش کے لیے اُسے جو بھی کرنا پڑے' وہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ وہ حزن جو راحیلہ کے چہرے پر ہمہ وقت رہتا تھا' جنید نے اسے ختم کرنے کا پورا اِرادہ کر لیا تھا۔ اُس نے یہ ذرا سی خواہش کر تو لی تھی مگر اُسے معلوم تھا کہ اِسے پورا کرنے میں کس قدر مشکل ہے لیکن مشکلات سے ڈرنے کے لیے تو وہ

بتائی نہیں تھا۔ راحیلہ اُس کی زندگی میں یوں آ گئی تھی جیسے کوئی دبے پاؤں بنا اجازت کمرے میں آ کر وہاں کی ہر شے پر تسلط جما لیتا ہے۔ اس وقت وہ خوف زدہ ہو گیا تھا جب راحیلہ نے پورے جذبے سے اعترافِ محبت کیا تھا' شاید اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ جو مفتوح ہونے جا رہی ہے وہ تو فاتح ہے۔ شاید محبت میں وہی فاتح قرار پاتا ہے جو اپنا آپ محبت میں دوسرے پر وار دے۔ جنید نے راحیلہ کے سامنے اپنی محبت کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن وہ دبے قدموں وادیٔ عشق میں قدم رکھ چکا تھا۔ شروع شروع میں تو اُسے پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ عشق ہوتا کیا ہے' لیکن دھیرے دھیرے اُسے احساس ہوا کہ وہ عشق کی وادی میں آ چکا ہے تو اس کی سحر انگیزی میں ڈوب کر رہ گیا---

عشق ہے کیا چیز؟ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ جس کسی نے بھی اس کے بارے میں سوچا ہے' اُس نے اپنا ہی مطلب اخذ کیا ہے۔ ہر سوچ و فکر والے بندے نے عشق کو جیسا پایا' اُس نے بیان کر دیا۔ یہاں تک کہ صوفیاء نے کہہ دیا کہ عشق کی سمجھ عشق عطا کرتا ہے--- عشق' وحدت کی علامت ہے۔ اس باطنی کشش کا اثر ہے کہ جس میں نگاہ جمالِ محبوب ہی پر لگی رہتی ہے۔ عاشق کا سارا دھیان' گیان اور وجدان فقط ایک ذات کے لیے مختص ہو کر رہ جاتا ہے' یہاں تک کہ عاشق کی اپنی ذات بھی معشوق کے تابع ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ دل کی زرخیز زمین پر آشنائی کے بیج سے اُنسیت کا روپ لے کر پھوٹتا ہے۔ موافق ماحول میسر آ جانے سے یہ پودا محبت کے تناور درخت کا روپ اختیار کرتا ہے جس کا پھل عشق ہے۔ شدتِ طلب کے باعث اس پھل کو چکھنے والا اس کی لذت کا ہو کر رہ جاتا ہے' پھر کوئی اور ذائقہ اس کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ سارے ہی ذائقے حواس سے محو ہو جاتے ہیں--- لفظ عشق کو اہلِ لغت "عشقہ" سے تعبیر کرتے ہیں جو ایک بیل کا نام ہے اور وہ شاداب درختوں پر بسیرا کر کے دن بدن پھلتی پھولتی اور پرورش پاتی ہے' یہاں تک کہ سرسبز درخت کی ہستی فنا ہو جاتی ہے۔ یہ اہلِ لغت کی شرح ہے جو انہوں نے معنی بتائے۔ یہ ہمیشہ لفظی معنی ہوا کرتے ہیں جو لغت میں بیان کیئے جاتے ہیں۔ اصطلاحی معنی ہی وہ سمجھ بوجھ عطا کرتے ہیں جو کسی شے کے بارے میں جاننے کی ضرورت کے مطابق ہوتے ہیں۔ جس طرح "سعی" کے لفظی معنی تو کوشش کے ہیں لیکن جب ہم دورانِ حج میں سعی کا ذکر کریں گے تو یہ ایک خاص عمل ہو گا۔ ہر مضمون کے حامل فرد نے اپنے نکتہ نگاہ سے عشق کی تشریح کر دی لیکن صوفیاء کا کہنا ہے کہ عشق ربِ کائنات کے رموز میں سے ایک راز ہے جو خاص اور اعلیٰ ہے' جسے وہی جانتا ہے' جس پر عشق کا نزول ہوتا ہے اور عشق اُنہی پر اترتا ہے جو عشق کے اہل ہوتے ہیں۔ تاہم یہ سوال اَب بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ عشق ہے کیا؟

جنید بھی ایسے ہی احساس میں گھرا ہوا تھا' اُسے یہ احساس تو ہو گیا تھا کہ وہ عشق کی وادی میں آ چکا ہے۔ ذرا غور کرنے پر اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اس وادی تک کیسے آن پہنچا لیکن یہ ہے کیا؟ اس بارے میں اک ذرا بھی اسے سمجھ نہیں آئی تھی مگر اس کی سحر انگیزی میں جو خوشی' اطمینان اور سرور تھا' وہ اس میں ڈوب کر رہ گیا تھا۔ اس رات بھی کھلے آسمان تلے' چاندنی میں اُس نے عشق کے بارے میں بہت سوچا تھا لیکن اُس کی سوچیں ایوانِ ذہن سے نامراد لوٹیں تھیں' گوہرِ مقصود ہاتھ نہیں لگا تھا سو اس نے عشق پر نہ سوچنے کا فیصلہ کر لیا' عشق اگر اپنی سمجھ خود عطا کرتا ہے تو پھر یونہی سہی' کبھی نہ کبھی تو یہ راز اس پر کھلے گا' یہ اسی وقت ممکن ہے جب فطرت چاہے گی۔ یہ فیصلہ کرتے وقت وہ پُرسکون ہو گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کیں تو نیند کے ہلکورے اپنی آنکھوں میں محسوس کیئے' دھیرے دھیرے وہ نیند کی بانہوں میں ہلکورے لینے لگا۔

دن اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔ راحیلہ کی ماں نے جو تھوڑا بہت سامان بکھرا ہوا تھا' اندر کمرے میں رکھ کر تالا لگا دیا تھا' صحن میں ہمسایوں کی چند عورتیں موجود تھیں جو حیرت سے اِن دونوں کے ساتھ ساتھ جنید کو بھی دیکھ رہی تھیں۔ راحیلہ اُنہیں بتا چکی تھی کہ اس کی نوکری شہر میں ہو گئی ہے' اس لیے وہ اپنی ماں کو لے کر وہاں جا رہی ہے۔ راحیلہ کی ماں نے تالا لگایا اور اس کی چابی ایک ادھیڑ عمر خاتون کو دیتے ہوئے بولی۔

"لو بہن! اَب یہ گھر تمہارے اور اللہ کے آسرے پر ہے۔ تم ہی اِس کی دیکھ بھال کرنا۔ میں اگر کبھی آ سکی تو آ جاؤں گی ورنہ یہ تم اپنی بیٹی کو دے دینا۔۔۔۔"

یہ کہتے ہوئے اُس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ اِن خواتین سے ملنے لگی تو جنید گاڑی میں جا بیٹھا۔ سامان کے نام پر انہوں نے کچھ بھی نہیں لینے دیا تھا' وہ دونوں ماں بیٹی گاڑی میں آ بیٹھیں تو جنید نے گاڑی بڑھا دی' اُس کے من میں ایک اطمینان سا اُتر گیا تھا۔

☆☆

جتنی رات گہری ہو چکی تھی' ہمایوں بھی اتنی گہرائی میں سوچ رہا تھا۔ اُسے اچانک ایک شارٹ کٹ مل گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُسے اپنی منزل اس قدر آسانی سے مل جائے گی۔ وہ جنید کے کہنے پر شہر کی اس ہستی سے جا کر ملا تھا جسے عام آدمی تو فقط صنعت کاری کی حیثیت سے جانتے تھے تاہم خواص کو یہ معلوم تھا کہ وہ بادشاہ گر ہے۔ میدانِ سیاست میں ضروری نہیں ہوتا کہ کھلاڑی منظرِ عام پر آئیں۔ وہ جو بساطِ سیاست بچھانے والے کھلاڑی ہوتے ہیں' اُنہیں ہمیشہ نئے نئے مہروں کی ضرورت ہوتی۔ پِٹ جانے والے مہرے اُن کے کسی کام کے نہیں ہوتے۔ انہی مہروں کے سہارے وہ نہ صرف ایوانوں پر قابض ہوتے ہیں بلکہ حقیقی معنوں میں حکمرانی بھی انہی کی ہوتی ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ ایک الگ سی حیثیت رکھتی ہے کہ پاکستان میں مجموعی طور پر جاگیرداری کا تسلط ہے۔ وہ نہ صرف سیاست کے میدان میں متحرک رہتے ہیں بلکہ اَب تو وہ بیوروکریسی میں بھی اپنی جڑیں مضبوط کر چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ مکمل اندھیرا ہو جاتا اور جاگیردار طبقہ پورے نظام پر قابض ہو جاتا لیکن اس کا ردِعمل بھی پوری طرح متحرک ہو گیا جس سے اَسّی کے عشرے میں ایک کشمکش نے جنم لیا۔ اس کشمکش میں جہاں جاگیردار طبقے نے خود کو فعال' مضبوط اور متحد کرنے کی کوشش کی' وہاں اِس کے ردِعمل کے طور پر مخالف طبقہ بھی فعال' مضبوط اور متحد ہوتا چلا گیا۔ اِس میں وہ طبقہ جو نو دولتیوں کا ہے' اِس کی اہمیت بڑھ گئی۔ دونوں طرف کے طبقات نے اِسے اپنے قریب کرنا چاہا' اقتدار کے علاوہ حکمرانی میں بھی تھوڑا بہت حصہ دے کر اِسے اپنے ساتھ ملانے کی سرتوڑ کوشش کی جس سے تیسرا ایک نیا طبقہ وجود میں آ کر اہمیت اختیار کر گیا۔ وہ جو اپنی بقا کے لیے جنگ لڑ رہے تھے' اَب شریکِ سیاست ہیں۔ آمریت کے دَور میں تو ان کی اہمیت فزوں تر ہو گئی۔ چونکہ ان تینوں طبقات نے عوام کے پاس جانا ہوتا ہے' اِس لیے بہت ساری جگہیں ایسی ہیں جہاں دِکھاوے کے لیے اس طبقے سے بھی لوگ لینے کا رجحان بن گیا ہے۔ یہ کوئی ماورائی باتیں نہیں بلکہ ہمارے وطن کی تاریخ ہے۔ عوام کے ذریعے' عوام کی حکومت عوام پر والا تصور ابھی واضح بھی نہیں ہو سکا۔ عوام تو ابھی روٹی کے چکر سے نکلے گی تو سوچے گی حالانکہ اِس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ ہے' جس پر سوچنا ہو گا کہ عوام کو کیا کرنا چاہئے۔ جس دن انہیں شعور آ گیا۔ روٹی تو کیا وہ اِس ملک کا اقتدار بھی حاصل کر لیں گے۔ سیٹھ حفیظ دین بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھا جو میدانِ سیاست میں اپنی بساط بچھاتے ہیں۔ کبھی اِس کی نگاہ جنید پر ٹھہری تھی لیکن اس

نے اپنے نظریات کو چھوڑنا قبول نہیں کیا تھا اور یوں وہ مہرہ نہیں بن پایا تھا۔ جنید کو ہمایوں کے بارے میں بھی حل دکھائی دیا کہ وہ اسے سیٹھ حفیظ سے ملوا دے' اس لیے ہمایوں اس شام اُس کے پاس چلا گیا تھا۔ کافی دیر تک اُن کے درمیان گپ شپ چلتی رہی۔ ملکی معاملات سے لے کر مقامی سیاست کی آگہی تک' مختلف لوگوں کے بارے میں تاثرات سے لے کرداروں کی کارکردگی تک۔ دونوں ہی بڑے محتاط انداز میں ایک دوسرے کو جانچ اور پرکھ رہے تھے' یہاں تک کہ سیٹھ حفیظ نے کہا۔

"دیکھو ہمایوں! ہمارے حلقے کی جو صورت حال ہے اس میں اُوپر والی سیٹ پر تو ہمیشہ جاگیرداروں ہی کا قبضہ رہا ہے۔ بہت سارے لوگوں نے یہ قبضہ توڑنے کی کوشش کی۔ اِن میں نظریاتی لوگ بھی تھے اور ذات برادری والے بھی' لیکن سبھی کو مات ہوئی۔ میرے خیال میں ان کا قبضہ اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک سیاسی پارٹیوں میں خود جمہوریت نہیں آجاتی اور سیاسی پارٹیوں پر بھی تو وہی جاگیرداری مسلط ہیں جن کی اپنی ذات' زندگی اور پوزیشن تو بن رہی ہے لیکن عوام اسی طرح بے حال ہیں۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔ "جہاں تک چھوٹی سیٹ کا سوال ہے' وہ ہمیشہ حادثاتی رہی ہے۔ بظاہر وہ حادثاتی ہی دکھائی دیتی ہے لیکن اس کے پیچھے بھی پوری ایک پلاننگ ہوتی ہے کہ وہ بندہ لایا جائے جو اُنہی کے رحم و کرم پر ہو اور متوسط طبقے کی نمائندگی بھی ہو جائے حالانکہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ میری بات کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو چھوٹی سیٹ ہے' اس پر ہی ساری گیم ہوتی ہے۔ جو بھی خود کو اس کا اہل ثابت کرے' اُسے مل جاتی ہے۔"

"مطلب اس میں سرمایہ' صلاحیت یا نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گیم کہیں اور کھیلی جاتی ہے؟" ہمایوں نے اپنی طرف سے تجزیہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں' ایسا ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نے سرمایہ لگانا ہے' اُس نے کسی نہ کسی طرح اِسے پورا تو کرنا ہی ہوتا ہے نا' وہ بہرحال پورا ہو جاتا ہے۔"

"تو اس سارے منظر میں میرا کیا کردار ہو سکتا ہے اگر میں خود کو اس کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کروں تو ——؟" ہمایوں سیدھے اپنے مطلب پر اُتر آیا تھا۔

"—— وہی' کچھ جو کہا جائے گا ——- ایک ٹارگٹ دے دیا جائے گا' اسے پورا کرتے رہنا۔ فی الحال تم ہمارے قانونی مشیر ہو گے۔ ایک بہت اچھا دفتر اور رہائش دے دی جائے گی' وہاں لوگوں سے ملنا' اُن کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرنا۔ جہاں رسائی نہ ہو' وہ ہم دیکھ لیں گے۔ گاڑی بھی مل جائے گی' یوں پورے حلقے میں لوگوں سے ملو' ان سے تعلقات بناؤ۔ یہی کچھ اور کیا ——-" سیٹھ حفیظ نے بڑے آرام سے اس پر واضح کر دیا۔

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں ——" اس نے ایک عزم سے کہا۔

"ہاں' ایک بات اور ——- اگر کسی کو فائدہ دینا ہے یا اس کا نقصان کرنا ہے' اس میں ہمیشہ یہ دیکھنا ہے کہ تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ محض جذباتی انداز میں فیصلے نہیں کرنے —— تم کل آؤ۔ ہمارا جنرل منیجر سارے انتظامات کر دے گا' سمجھا دے گا کہ ڈیرے داری کیسے چلائی جاتی ہے۔

میرے خیال میں تم خود بھی سمجھداری سے کام لو گے۔" اُس نے کہا اور گویا اپنی طرف سے بات ختم کر دی۔

"ٹھیک ہے اَب مجھے اجازت---" اس نے اُٹھتے ہوئے کہا تو دوسری طرف سے ہاتھ ملایا گیا یوں ہمایوں کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو گیا۔

اس وقت وہ بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ اس کا یہ فیصلہ کیسا ہے۔ کہیں اِس نے غلط تو نہیں کیا یا بالکل دُرست کیا ہے؟---وہ اپنے آپ کو دلیلیں دے رہا تھا۔ یہ بہر حال طے تھا کہ اتنی جلدی شارٹ کٹ مل جانا آسان نہیں ہوا کرتا' یہ قسمت والوں ہی کو ملتا ہے۔

"تو پھر کیا طے کیا ہے تم---؟" اس کے اندر سے آواز ابھری

"یہی کہ میں نے وہی کرنا ہے' جو اُن سے ڈن کر آیا ہوں۔"

"دیکھو' تمہاری بنیاد وہ نہیں ہے۔ تم ایک غریب باپ کے بیٹے ہو۔ اَب تمہارا بھائی بھی پڑھ لکھ گیا ہے' اُسے انجینئر کی جاب ملنے والی ہے۔ تم لوگوں کے دن بدل جائیں گے تو پھر اوکھلی میں سر دینے کا فائدہ---ظاہر ہے' وہاں موصلیاں بھی پڑیں گی؟"

"پہلے کون سا میرا شمار زندوں میں ہو رہا ہے' مُردوں جیسی زندگی گزار رہا ہوں۔ ایک کیڑے جیسی اوقات ہے میری' ایک معمولی سے پولیس اہلکار نے میری ذہنائی کر کے رکھ دی تھی میں جو قانون کا طالب علم تھا' یہ عزت ہے قانون دانوں کی اور اس کے علاوہ میرے پاس کیا ہے؟ کل بھائی نوکری لگ جائے گا' کمانے لگے گا تو کب تک مجھے افورڈ کرے گا' وکالت بھی تو تعلقات پر چلتی ہے۔ اِس سے کم از کم یہ فائدہ تو ہو گا کہ ایک حلقے میں میری پہچان تو بنے گی۔ میں سیاست میں کامیاب نہ بھی ہوا تو کیا ہوا' میری وکالت تو چلے گی۔"

"لیکن یہ دُرست راستہ نہیں ہے---؟"

"نہ ہو---میری پہلی ضرورت روٹی نہیں ہے بلکہ میری اَنا ہے جسے قدم قدم پر کچلا گیا ہے۔ محبت کی بات کی تو میری رُوح تک کو سزا دے دی گئی' قانون کی بات کی تو بیچ چوراہے پر ننگا کر دیا گیا۔ کیا میں نے دُرست راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ کیا دُرست راستہ یہی ہے کہ خاموش رہو اور ظلم سہتے چلے جاؤ؟---میری ضد ہے کہ میں نے اُسے حاصل کرنا ہے' جس نے میری زندگی برباد کر دی ہے۔"

"اس پر الزام مت دھرو' تم خود ذلیل ہو رہے ہو۔ کیوں خواہش کرتے ہو اس کی' دل سے اُتار کر پھینک دو۔ اِس کے لیے فقط ایک لمحہ درکار ہے۔"

"غلط کہتے ہو۔ ایک لمحہ نہیں---اِن لمحات کا حساب کون دے گا جن میں میری رُوح تک سلگ اُٹھی تھی' اِس تھپڑ کی صدا میں کیسے بھلا پاؤں گا جو بیچ بازار میرے منہ پر پڑا تھا۔ میں تو محبت کے پھول لے کر گیا تھا' میری سوچوں میں انگارے کیوں بھر دیئے گئے؟"

"پھر بھی یہ غلط راستہ ہے' جس پر تم جانا چاہتے ہو۔ اس میں ایسے مقام بھی ہیں کہ بندہ ساری زندگی اپنے زخم سہلاتا ہوا مرنے کی دُعائیں کرتا ہے لیکن موت نہیں آتی۔"

"مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے---میں مانتا ہوں کہ یہ غلط راستہ ہے لیکن تم مجھے یہ بتاؤ' میرے سامنے دُرست راستے کا بھی تو کوئی آپشن نہیں

ہے۔ بتاؤ مجھے درست راستہ کون سا ہے۔ جس پر چلتے ہوئے میں اپنے آپ کو مطمئن کرلوں۔ اپنا وہ مقصد پالوں جس سے میں عشق کی حد تک لگاؤ رکھتا ہوں۔ اگر ایسا ہے تو میں وہی کروں گا جو تم چاہو گے ورنہ خاموش ہو جاؤ' سو جاؤ۔ اس طرح سو جاؤ کہ میری ذلیل سے ذلیل حرکت پر بھی تم نہ جاگ سکو۔"

"نہیں میں اپنا فرض نبھاتا رہوں گا۔"

"تم اگر اپنے مقصد سے باز نہیں رہ سکتے تو میں کیوں رہوں۔ تم اپنا کام کرتے رہو میں اپنا--- آج کے بعد تمہاری کسی آواز پر کان نہیں دھروں گا۔"

"میں پھر---"

"خاموش---"

اس لفظ کی دیر تک اس کے ذہن میں بازگشت رہی۔ پھر اس نے سر جھٹکا تو رات کے دوسرے پہر کا احساس ہوا۔ اس نے سو جانا ہی مناسب سمجھا' انہی لمحات میں اس کا سیل فون بج اٹھا۔

"جی' جنید---!" اس کا لہجہ بجھا بجھا ہوا سا تھا۔

"جاگ رہے ہو تم؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں---" وہ دھیرے سے بولا۔

"کیا رہا پھر---؟" اس نے پوچھا۔

"ڈن کر آیا ہوں--- صبح اُن کے جنرل منیجر سے ملنا ہے۔" اس نے اپنے لہجے میں خوشی کا تاثر بھرتے ہوئے بتایا۔

"ٹھیک--- اس سے مل کر آؤ تو پھر مجھے ملنا۔"

جنید نے خوشگوار انداز میں کہا' پھر فون بند کر دیا۔ ہمایوں نے فون سرہانے رکھا اور پھر سونے کے لیے آنکھیں موند لیں۔

☆☆

سورج طلوع ہونے کے بعد چند گھنٹوں کا سفر کر چکا تھا۔ صفیہ تیار ہو چکی تھی' اسے تیمور سے ملنے کے لیے جانا تھا--- رات بہت دیر تک وہ فون پر باتیں کرتے رہے تھے' صبح انہوں نے ملنے کا تعین کیا اور اب وہ جانے کے لیے تیار تھی۔ اس کے لیے مشکل ترین مرحلہ یہی تھا کہ جب وہ گھر سے نکلے تب اس کا ماں سے سامنا نہ ہو جائے۔ اگر اس کے سامنے گھر سے نکلتی ہے تو پھر جب تک وہ واپس نہیں آ جاتی' تب تک نہ صرف اس کی ماں پریشان رہتی بلکہ وہ بھی ڈسٹرب ہی رہتی۔ اسی لیے اس نے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا۔ وہی عام سا لباس' بغیر میک اپ اور کسی جیولری وغیرہ کے بناوہ ڈرائنگ روم میں آئی جہاں کوئی نہیں تھا' اس نے سکون کا سانس لیا اور کچن کی جانب بڑھ گئی جہاں ملازمہ صفائی وغیرہ کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ ملازمہ بولی۔

"آیئے چھوٹی بی بی! بس آپ ہی نے ناشتہ نہیں کیا' باقی سب کر چکے ہیں۔"

"اچھا چلو بناؤ——"

اس نے لاپرواہی سے کہا اور ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ وہاں صوفے پر بیٹھ کر اس نے ٹی وی آن کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد ملازمہ اس کے لیے ناشتہ لے آئی۔ ابھی وہ ناشتہ کر رہی تھی کہ اس کے پاپا وہیں آ گئے۔

"لگتا ہے آج تم کالج نہیں جا رہی ہو——؟" اس کے پاپا نے قریب ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی—— پڑھائی تو ہوتی نہیں' کلاسز بھی تقریباً فری ہیں امتحانوں کی وجہ سے۔ بس مجھیں' آنا جانا ہی ہے' کوئی ضروری کلاس تو ہوتی نہیں——" اس نے دھیرے سے کہا۔

"امتحانوں کی تیاری کیسی ہے؟" اس کے پاپا نے تحمل سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے' پاس تو ہو جاؤں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا' پھر برتن ایک طرف رکھتے ہوئے چائے کا مگ اٹھا لیا۔

"بس صرف پاس ہی کرو گی؟——تم اگر چاہو تو بہت بہترین مارکس لے کر کوئی پوزیشن بھی لے سکتی ہو۔" پاپا نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تب ہوتا نا' کہ میں کتابی کیڑے کی مانند ہر وقت کتابوں میں سر دیئے رکھتی۔ مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب کچھ۔ بس پاس ہو جاؤں تو ہی بڑی بات ہے۔" یہ کہہ کر اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔ "ویسے آج آپ کو آفس جانے میں اتنی دیر کیوں ہو گئی ہے؟"

"وہ اس لیے کہ میں نے تم سے انتہائی ضروری بات کرنی تھی۔" پاپا نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

"مجھ سے انتہائی ضروری بات——؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں——میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم ایک بہت بڑے فراڈ سے دوچار ہونے والی ہو۔" انہوں نے یوں کہا جیسے وہ بڑے تحمل سے بات کرنے میں مشکل محسوس کر رہے ہوں۔

"بہت بڑا فراڈ——میں سمجھی نہیں' پاپا؟" وہ تیزی سے بولی۔

"تیمور کے بارے میں کہہ رہا ہوں——یہ ٹھیک ہے کہ وہ ایک صنعت کار کا بیٹا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ بہت دولت مند لوگ ہیں' اُس کا اپنا بھی کاروبار ہے اس شہر میں لیکن اُس نے جو تمہیں کاغذات دیئے ہیں اُن کی کوئی قانونی یا کسی بھی قسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ کاغذ جھوٹ کا پلندہ ہیں۔" پاپا نے یوں کہا جیسے اُن کا بس نہ چل رہا ہو کہ پھٹ پڑیں۔

"یہ——یہ کیسے ممکن ہے——ایسا نہیں ہو سکتا۔" صفیہ نے ہذیانی انداز میں کہا۔ اس کے اندر خواب ٹوٹنے کا چھناکا اس قدر زیادہ ہوا تھا کہ چند لمحوں تک اسے اپنی سدھ بدھ ہی نہیں رہی تھی۔

"ایسا ہی ہے——میں نے اِن کاغذات کے بارے میں پوری چھان بین کی ہے۔ اس میں سوائے دھوکہ دینے کے اور کچھ بھی نہیں

ہے۔" پاپا نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ ایسا کیوں کرے گا۔۔۔ اُس نے کیوں کیا ایسا۔۔۔؟" وہ اب بھی صدمے سے دوچار تھی' اس لیے بھیگے ہوئے لہجے سے بولی۔

"دیکھو بیٹی! میں نے تمہیں ہر طرح کی آزادی دی۔ تم نے جو چاہا میں نے اسے مانا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تمہارے معاملات سے غافل رہا ہوں۔ بنا کسی ٹھوس ثبوت کے اگر میں تم پر روک ٹوک لگاتا تو تم میرے ساتھ بھی ویسا ہی رویہ رکھتیں جیسا کہ تم نے اپنی ماں کے ساتھ کیا۔ میں نے تم سے یہ بھی نہیں کہا کہ تم نے غلط کیا ہے یا تمہیں ہمیشہ تمہاری بات کو اہمیت دی ہے لیکن اگر اب میں تمہیں تمہارے ہی فائدے کے لیے اس دھوکہ دہی کے بارے میں بتا رہا ہوں تو یہ بھی غلط نہیں ہے۔۔۔"

پاپا نے بہت مشکل سے دھیرے دھیرے کہا۔ اس نے ایک ایک لفظ سنا اور اس پر غور کرتی رہی۔ اچانک ہی اسے تیمور کا وجود اکھڑنے لگا۔ چند لمحے وہ اسی شاک میں رہی' پھر دھیرے سے بولی۔

"اس سے یہ توقع نہیں تھی۔" اس کے لہجے میں غصہ شامل تھا۔

"کیوں نہیں توقع کی جا سکتی۔۔۔ اس دنیا میں جہاں بہت سارے اچھے ہمدرد اور پرخلوص لوگ ہیں وہیں اسی قدر برے منافق اور دھوکے باز بھی ہیں۔ میں ان غنڈے بدمعاشوں کو بہر حال ان لوگوں سے اچھا خیال کرتا ہوں جو چہرے پر شرافت کا نقاب اوڑھے دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ غنڈے بدمعاش اس لیے بھی اچھے ہیں کہ وہ کھل کر سامنے تو آ جاتے ہیں۔۔۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ آج کے بعد تم تیمور کو بھول جاؤ' یہی تمہارے حق میں اچھا ہے ورنہ تم بہت بڑے دھوکے کا شکار ہو سکتی ہو۔" پاپا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"پاپا! آپ نے جو کچھ کہا' میں اسے مانتی ہوں لیکن مجھے تیمور پر غصہ آ رہا ہے۔ اُس نے۔۔۔ اُس نے میرے ساتھ فراڈ کرنے کی جرأت کیسے کی؟" صفیہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اس لیے میری بیٹی! کہ تم نے خود کو شکار ہونے کے لیے اُسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ تم نے مجھ پر اعتماد کیا ورنہ۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اُن کا اپنا لہجہ بھرا آ گیا تھا۔

"پاپا! میں آج کے بعد اُس کا نام بھی نہیں لوں گی لیکن میرے دل میں اُس سے انتقام کا جذبہ ضرور رہے گا' میں اُسے یونہی معاف نہیں کر سکتی۔" اس نے اندر ہی اندر کھولتے ہوئے کہا۔

"ہر کام وقت پر اچھا لگتا ہے۔ اس وقت تم ایسی پوزیشن میں نہیں ہو لہٰذا خاموشی سے اپنا امتحان دو بعد میں دیکھا جائے گا کہ اُس کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے؟" پاپا نے اسے پھر سے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے پاپا! جیسا آپ چاہیں۔ میں اب اس کا نام بھی نہیں لوں گی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"مجھے تم سے یہی اُمید تھی بیٹا! اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

پاپا نے کہا اور پھر اُٹھ گئے وہ یونہی بیٹھی رہی۔ اسے زبردست شاک لگا تھا۔ کہاں وہ اپنے ہی خوابوں کے سہارے ہواؤں میں اُڑ رہی تھی اور کہاں اچانک وہ زمین پر منہ کے بل آ گری تھی۔ چوٹ لگنے سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔ اس کے اندر غصہ اُبلنے لگا اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی اُٹھے اور جا کر اُس کا منہ نوچ لے لیکن ایسا کرنے سے بھی کیا ہوگا؟ وہ مرد ذات ہے نقصان اگر ہوگا بھی تو اسی کا اس کی تشہیر ہو جائے گی---سوچوں کا ایک سلسلہ تھا جو اسے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔ ملازمہ کب سے آ کر برتن لے جا چکی تھی تبھی اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی تو وہ چونک گئی۔ سکرین پر تیمور کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس نے ایک گہری اور طویل سانس لی پھر فون اُٹھا لیا اور خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

''ہیلو---!''

''بھئی کہاں ہو تم میں تمہارے فون کا انتظار کر رہا ہوں---؟'' تیمور نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''تیمور! ایک گڑبڑ ہو گئی ہے شاید میں آپ سے آج نہ مل سکوں۔'' اس نے اپنا آپ سنبھالتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''کیا ہوا امی نے کوئی بات کہہ دی---؟'' اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں---بس ایسا پرابلم آن پڑا ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔'' اس نے ویسے ہی دھیمے سے لہجے میں خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی کیا ہوا۔ کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے؟'' وہ اپنی ہی دُھن میں کہے جا رہا تھا۔

''اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے تمہیں بتانے کا فائدہ---؟'' اس نے اپنی ہی جھونک میں یوں کہا جیسے خود پر قابو بہت مشکل ہو رہا ہو۔

''صفو! کیا ہو گیا ہے تمہیں، یہ کیا کہہ رہی ہو تم نے غور کیا ہے اپنے لفظوں پر---ہمیشہ آپ کہنے والی اَب تم کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔'' وہ گڑبڑاتے ہوئے حیرت سے بولا۔

''سوری تیمور! پریشانی ہی اس قدر ہے کہ میں اپنے آپ ہی میں نہیں رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''اچھا تم آؤ نا پھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ میں اگر تمہارے کسی کام آ سکا تو---'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''میں فارم ہاؤس تک نہیں آ پاؤں گی آج---'' اس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''کیا واقعی بہت سیریس معاملہ ہے؟'' پہلی بار اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں اسی لیے کہہ رہی ہوں---سمجھیں ایک طوفان آ گیا ہے۔'' اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے، مگر معاملہ ہے کیا---؟'' اس نے پھر اصرار کیا۔

''آپ ایسا کریں اپنے آفس آئیں۔ میں بھی وہیں آ رہی ہوں وہیں آپ کو بتاتی ہوں۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''ٹھیک ہے میں وہیں جا رہا ہوں۔ تم آ جاؤ---''

اُس نے کہا، پھر فون بند کر دیا۔ صفیہ نے بھی اپنا فون بند کرتے ہوئے زہریلی مسکراہٹ سے فون کی طرف دیکھا۔

دوپہر ہونے کو تھی جب صفیہ اپنی گاڑی میں تیمور کے آفس پہنچ گئی۔ اس وقت بھی وہ عام سے لباس بغیر میک اَپ اور کسی جیولری وغیرہ کے بغیر تھی۔ وہ سیدھی اُس کے کمرے کی جانب بڑھ گئی اور بنا دستک دیئے اُس کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ تنہا تھا۔

"اوہ آؤ صفو! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

"سوری تیمور! میں آج فارم ہاؤس تک نہیں جا پائی۔" اس نے بیٹھتے ہی بڑی ندامت بھرے انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں ---- تم سہولت سے بیٹھو اور بتاؤ بات کیا ہے۔ فارم ہاؤس تو کبھی بھی جایا جاسکتا ہے۔" تیمور نے ہمدردی سے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ پاپا کو اچانک دس لاکھ کی ضرورت آن پڑی ہے۔ اُنہوں نے ---" صفیہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اتنی تھوڑی سی رقم کے لیے تم پریشان ہو رہی ہو ---- وہ اتنے بڑے آفیسر ہیں' تمہارا بھائی کاروبار کر رہا ہے۔ اتنی رقم تو ویسے ہی پڑی ہوتی ہے۔"

"اصل میں اُنہیں کہیں ادائیگی کرنی ہے۔ رقم تو بہت زیادہ چاہیے' دس لاکھ کم پڑ رہے ہیں۔ اُنہوں نے مجھ سے میرے زیور وغیرہ مانگے ہیں تاکہ میں اُنہیں دوں تو وہ بیچ کر رقم پوری کریں۔ فوری طور پر یہی ممکن ہے ورنہ پرابلم بھی ہے۔ میں اپنا زیور نہیں دینا چاہتی ---" اس نے یوں کہا جیسے کسی بچے سے اُس کا کھلونا مانگا جا رہا ہو اور وہ دینے سے انکار کر رہا ہو۔

"بس اتنی سی بات پر پریشان ہو گئی ہو؟" تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ پریشانی والی بات نہیں ہے؟" وہ حیرت سے بولی۔

"نہیں ---- حقیقت یہ ہے' صفو! تمہاری یہ پریشانی ہے ہی نہیں' تمہیں جھوٹ بولنا آیا ہی نہیں ہے۔ تم وہ بات کرو جو اصل میں ہے۔" تیمور نے اچانک بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم ----؟" صفیہ جو پہلے ہی غصے میں تھی اچانک جھٹے سے اُکھڑ گئی۔

"صفو میری جان! تم کیا سمجھتی ہو کہ میں کوئی بہت بڑا احمق ہوں جو تمہارے ذرا سے جھوٹ پر فوراً چیک بک نکالوں گا' اس میں رقم بھر دوں گا اور دستخط کر کے تمہارے حضور پیش کر دوں گا؟" وہ مسکراتے ہوئے لفظ چبا کر بولا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ تم مجھے رقم دو ---؟" وہ بولی تو اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"ہاں' ایسا ہی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم یوں کیسے کہہ سکتے ہو ----؟" اس نے غصے میں کہا۔

"اس لیے میری جان! کہ ایسا کچھ نہیں ہے' تمہارے گھر میں بالکل سکون ہے۔ نہ تمہارے باپ نے رقم مانگی ہے اور نہ ہی اُنہیں کسی ادائیگی کے لیے ضرورت ہے۔ اصل میں تمہارے باپ نے میرے دیئے ہوئے کاغذات کے بارے میں تمہیں بتا دیا ہے کہ وہ فراڈ تھے۔"

یہ کہہ کر تیمور نے گہری نگاہوں سے صفیہ کی جانب دیکھا جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا لیکن ساتھ میں حیرت بھی پھیل گئی تھی۔

"یہ ــــ تم ــــ"

صفیہ نے کہنا چاہا لیکن تیمور نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ اگر دولت سے کھیلتے ہیں یا دولت ہمارے گھر کی باندی ہے تو یہ یونہی نہیں ہو جاتا' بہت مشکل کام ہے یہ۔ دس روپے کا نوٹ اگر سڑک پر پھینک دو تو چند لمحوں میں غائب ہو جاتا ہے۔ اتنی بڑی دولت پر تو ہر کسی کی نگاہ ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی دولت کی حفاظت نہ کریں تو چند دن میں کنگال ہو جائیں اور تمہارے جیسی کئی جو ہمارے آگے پیچھے پھرتی ہیں' ہماری طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کریں۔"

"یہ تم کیا بک رہے ہو ---؟" اس نے غصے میں کہا۔

"میں بک نہیں رہا' تمہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔ ہماری جڑیں بہت گہری ہیں۔ تمہارے باپ نے جب میرے بارے میں تحقیق کرنا شروع کی تھی نا تو پہلے ہی دن مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ ایک فون کال نے مجھ پر ساری حقیقت کھول دی۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہارا باپ بہت عقلمند آدمی ہے ورنہ وہ بھی تمہاری طرح لالچ میں بہہ جاتا۔ میں نے فون کال کے فوراً بعد اندازہ لگا لیا تھا کہ یا تو تم وہی کچھ کرو گی جو میں چاہوں گا یا پھر تمہارا میرا ساتھ نہیں رہے گا --- بولو کیا کہتی ہو؟"

"تمہارے جیسے فراڈ کے ساتھ میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔" اس نے تیز غصے میں سلگتے ہوئے کہا۔

"تو بس جاؤ۔ یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ --- دس لاکھ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ میں تمہیں دے سکتا ہوں' ابھی اور اسی وقت کیش کی صورت میں لیکن ---" یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر توقف کیا' پھر بولا۔ "تم مجھے کیا دو گی؟"

اس نے ایسے انداز میں کہا کہ صفیہ سے برداشت نہ ہو سکا' اس نے بڑھ کر تھپڑ اس کے منہ پر مارنا چاہا لیکن وہ شاطر تھا' اس نے صفیہ کا بازو پکڑ لیا۔

"نہیں' میری جان! نہیں۔ ایسا نہیں کرتے۔ میں تم سے سودا طے کر رہا ہوں ورنہ مارکیٹ میں اس دس لاکھ کے عوض پتہ نہیں کتنا کچھ مل جائے۔"

"تم بہت گھٹیا انسان ہو ---" صفیہ نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" تیمور نے انتہائی طنز سے کہا تو صفیہ جیسے زمین میں گڑ گئی۔ اس سے ایک لفظ بھی نہ کہا گیا۔ "تمہارا باپ اس لیے بھی عقلمند ہے کہ اس نے تمہارے ساتھ بہت اچھے انداز میں برتاؤ کیا اور دوسری طرف میرے پیچھے بندے لگا دیئے جو میرے بارے میں رپورٹ ضرور دیتے ہوں گے --- خیر میں تم سے شادی تو نہیں کر سکتا البتہ اگر ---" اس نے آخری لفظ حقارت سے کہا۔

"اپنا منہ بند کر لو تیمور ورنہ میں تو اپنی نگاہوں میں گر کر مر ہی گئی ہوں' کہیں تمہیں بھی یہیں قتل نہ کر دوں۔" صفیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اُسے یہیں ختم کر دے۔

"میرے پاس سیکورٹی گارڈز ہیں جو اس کمرے کے باہر کھڑے ہیں۔ وہ یہاں کیمرے میں سب دیکھ رہے ہیں اور یہ ریکارڈ بھی ہو گیا

ہے۔ فارم ہاؤس پر بھی کیمرے ہیں وہاں تمہاری اور میری تنہائی کی ملاقاتیں ریکارڈ ہو چکی ہیں۔ تم کہیں بھی بھاگ کر نہیں جا سکتی ہو جب تک میں نہ چاہوں---- جاؤ اور بہت غور کرو۔ میرا ساتھ قبول ہے تو نہال کر دوں گا اور اگر نہیں تو سوچنا میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔ اب دفع ہو جاؤ میرے آفس سے---- میں جب چاہوں گا تم سے بات کروں گا مگر خود فون کرنے کی کوشش نہ کرنا---- جاؤ۔"

اُس نے انتہائی حقارت سے کہا تو صفیہ ہونقوں کی طرح وہاں سے اُٹھ گئی۔ پھر اسے ہوش ہی نہیں رہا کہ وہ وہاں سے کب نکلی کب اپنی گاڑی تک پہنچی۔ وہ پوری جان سے سلگ رہی تھی پوری دُنیا میں آگ لگا دینا چاہتی تھی۔ اتنی حقارت اتنی بے عزتی اور اس قدر بُرا سلوک---- وہ بہت مشکل سے اپنے گھر تک پہنچی۔ اس نے گاڑی کھڑی کی اور گرتی پڑتی اپنے کمرے تک آ کر اپنے بستر پر گر گئی۔ وہ رونا چاہتی تھی لیکن اس کی آنکھ سے ایک بھی آنسو نہیں ٹپکا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ یہ دُنیا ہی چھوڑ دے۔ وہ اپنے آپ کو ختم کرنے کا سوچ رہی تھی مگر پھر اسے ہوش نہیں رہا وہ اُٹھ ہی نہ سکی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا۔

☆☆

راحیلہ اس وقت ایمرجنسی میں ڈیوٹی کر رہی تھی۔ وہ دیگر سٹاف کے ساتھ مصروف تھی۔ ان کی ڈیوٹی ختم ہونے میں ابھی کچھ وقت پڑا تھا۔ ایک خاتون ڈاکٹر اپنے کمرے میں موجود تھی باقی سب چلے گئے تھے۔ جب سے میڈم کو یہ معلوم ہوا تھا کہ راحیلہ ایک خاموش گائے کی مانند نہیں شیر کے جیسا حوصلہ بھی رکھتی ہے اس کے بعد سے وہ اپنی مرضی سے ڈیوٹی لگواتی اور زیادہ تر اس کے ساتھ نسرین ہوتی تھی جس کے ساتھ اس کا وقت بہت اچھا کٹ جاتا تھا۔ اب اکثر وہ دن کی ڈیوٹی کے بعد رات اپنی ماں کے ساتھ گزارتی تھی۔ اس کی ماں جب سے شہر میں آ گئی تھی اک خاموشی سی اُسے لگ گئی تھی۔ اس نے کبھی کوئی سوال راحیلہ سے نہیں کیا تھا بس چپ چاپ سارا دن گزار دیتی۔ اب اُسے کھانا بھی نہیں بنانا پڑتا تھا اور نہ ہی کوئی گھر کا کام کرنا پڑتا سارے کام وہی نوجوان لڑکی رضیہ کر دیتی جو ان کے ساتھ رہ رہی تھی اور اس کا خاوند شام ڈھلے گھر آتا تھا۔ راحیلہ کی ماں سارا دن یا تو ان کے بچوں میں مصروف رہتی جو اس سے خاصے مانوس ہو گئے تھے یا پھر نماز تسبیح میں دن گزارتی۔ دوسرے تیسرے دن جب وہ تھکی ماندی گھر جاتی تو اس کے باوجود کہ وہ بہت تھکان محسوس کرتی اپنی ماں سے باتیں کرنے کو اس کا دل بہت چاہتا لیکن وہ ہوں ہاں کر کے ہی رہ جاتی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہ ماحول کی تبدیلی کا اثر ہے۔ کچھ عرصہ ایسے ہی رہے گا پھر ٹھیک ہو جائے گا۔ ظاہر ہے یہاں اس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا جبکہ گاؤں میں اُس نے اتنی زندگی گزاری تھی فرق تو پڑنا ہی تھا۔ وہ خود بھی اتنا وقت کہاں دے پاتی تھی۔ بس یہی سوچ کر اپنے آپ کو ڈھارس دے لیتی کہ یہ امتحان ختم ہو جائیں گے تو پھر وہ سارا دن اپنی ماں کے پاس رہا کرے گی اور خوب جی بھر کے اُن کی خدمت کرے گی---- انہی سوچوں کے دوران وہ تیزی سے کاغذوں میں اُلجھی ہوئی اپنا کام بھی ختم کر رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ ڈیوٹی آف کرنے کے بعد وہ آج اپنی ماں کی طرف جائے گی۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھی کہ کاریڈور میں ہلچل ہوئی۔ ان کے لیے یہ معمول کی بات تھی مریض آتے ہی رہتے تھے۔ ایمرجنسی میں تو لوگ بہت تیزی سے آتے ہیں۔ پھر چند لمحوں بعد مریض کو اندر لایا گیا تو وہ کاغذات چھوڑ کر اس کی طرف لپکی اتنے میں ڈاکٹر بھی آ گئی۔ اس نے سامنے پڑی صفیہ کو غور سے دیکھتے ہوئے اسٹیتھوسکوپ سیدھا کیا۔

"کیا ہوا اسے۔۔۔؟"

ڈاکٹر نے سرسری سے انداز میں پوچھا اور اسے دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ سلمیٰ اور زیتون بی بی تھی۔ راحیلہ پہچان چکی تھی کہ وہ زیتون بی بی ہے جو کچھ عرصہ پہلے یہاں پر ایڈمٹ تھی اور اس نے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا تھا جبکہ زیتون بی بی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

"پتہ نہیں جی یہ اپنے کمرے میں بے ہوش پڑی تھی۔" سلمیٰ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"درمیان میں کہیں ہوش آیا تھا یا یہ مسلسل یونہی بے ہوش ہے؟" ڈاکٹر نے اس کے دل کی دھڑکن دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں لاتے لاتے تھوڑا ہوش کیا تھا پھر یونہی۔۔۔" سلمیٰ سے کہا نہ گیا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ آپ باہر بیٹھیں ہم دیکھتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے اطمینان سے کہا اور اسے ہوش میں لانے کے لیے کوشش کرنے لگی۔ اس کے ساتھ راحیلہ اور دوسری دو نرسیں بھی شامل ہو گئیں۔ اتنے میں دو ڈاکٹر مزید آ گئے جن کی یہاں ڈیوٹی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ صفیہ کا رنگ پیلا زرد ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر اس سے مختلف سوالات پوچھتے رہے ساتھ میں انجکشن وغیرہ بھی لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ان سب کی رائے تھی کہ مریض کو سخت ذہنی جھٹکا لگا ہے جس سے نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے۔ اسے ایمرجنسی وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا جہاں سلمیٰ اور زیتون بی بی اس کے پاس تھیں۔ راحیلہ انجکشن دینے گئی تو زیتون بی بی نے اسے پہچان لیا۔ یونہی چند باتوں کے بعد اس نے پوچھا۔

"کیا ہوا ہے صفیہ کو۔۔۔؟"

"پتہ نہیں بیٹی! بس اتنی سمجھ آتی ہے کہ جس طرح میں اس کی وجہ سے یہاں پر آئی تھی، اسی طرح یہ اپنی وجہ سے یہاں پر آ گئی ہے۔ کوئی بہت گہرا صدمہ پہنچا ہے اسے۔۔۔" زیتون بی بی نے کہا۔

"خیر اللہ کرم کرے گا۔ آپ حوصلہ رکھیں ٹھیک ہو جائے گی یہ۔۔۔"

راحیلہ نے سکون سے کہا اور پلٹ گئی۔ اس کیلئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی لوگ جب اپنی ہی سوچوں سے بے بس ہو جاتے ہیں تو اسی طرح خود سے بیگانے بھی ہو جاتے ہیں ایسا فقط انہی کے ساتھ ہوتا ہے جو حوصلہ نہیں رکھتے بلکہ مایوسیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ قدرت نے انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں رکھی ہیں کہ وہ چاہے تو اپنے آپ کو بہت مضبوط بنا لے یا پھر خود کو ایسا بنا لے کہ ذرا سی ہوا اسے اڑا کر رکھ دے۔ چونکہ انسان اپنے ہی خیالات کا عکس ہے۔ وہ جو سوچتا ہے اس کا اظہار اس کے اعمال سے ہو جاتا ہے۔ سوچ سے عمل تک کے دورانیے میں فقط ایک شے ہے جو بنیاد ہے اور وہ ہے یقین۔ اگر انسان کو اپنے آپ پر یقین ہے تو پہاڑ بھی اس کے سامنے رائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں۔ تاریخ شاید ہے کہ انسان نے ایسا کر کے دکھایا ہے۔ لیکن اگر اسے خود پر یقین نہیں ہے تو اس پر تنکا اٹھانا بھی بھاری ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یقین کس طرح پیدا ہو؟ یہی وہ راز ہے۔ جس سے انسان غافل رہتا ہے حالانکہ یہ راز اس کے اندر ہی پڑا ہوا ہے جو اس وقت ہی کھلتا ہے جب انسان اپنے آپ پر نگاہ ڈالتا ہے۔ کیا کبھی ہم نے یہ سوچا کہ انسان کا ارادہ کیا شے ہے؟۔۔۔ جو لوگ اس پر سوچتے ہیں وہ یقین کی منزل تک ضرور پہنچتے ہیں۔

راحیلہ کی اپنی زندگی اس قدر کٹھن دور سے گزری تھی کہ اگر وہ لوگوں کی باتوں میں چھپے ہوئے زہر کو محسوس کرتی' وہ اپنے حالات کی مشکلوں کو خود پر حاوی کر لیتی اور زندگی کی مسدود راہوں میں حوصلہ ہار کر بیٹھ جاتی تو اب تک وہ مرگئی ہوتی۔ اسے اگر زندہ رکھا تھا تو اس کے یقین نے۔ اسے اپنی ذات پر اعتماد تھا کہ وہ ان سب سے نبرد آزما ہو سکتی ہے۔ دھیرے دھیرے لوگ باتیں کرنا بند کر گئے' حالات کی مشکلات ختم ہونا شروع ہو گئیں اور زندگی کی راہیں کھل گئیں۔ راحیلہ لاشعوری طور پر اس سے اپنا مقابلہ کیئے جا رہی تھی۔ اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ جن کی زندگی اتنی سہل ہوتی ہے' وہ حوصلہ کیوں ہار بیٹھتے ہیں؟ اگرچہ یہ سوال اپنی جگہ اہمیت رکھتا تھا لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ ان کے اپنے الگ طرز کے مسائل و معاملات ہوتے ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ حقیقی ہوتے ہیں یا مثبت' ان کی بنیاد میں لالچ و ہوس پائی جاتی ہے یا خلوص؟ یہی سوچتے ہوئے وہ اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ اس کی ڈیوٹی کا وقت بھی ختم ہو گیا۔ ساتھی نرسز ہاسٹل کی جانب جانے کو تیار تھیں۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ایک بار زیتون بی بی کے پاس ضرور جائے چاہے چند لمحوں کے لیے ہی سہی ---- وہ اٹھی اور ان کے پاس چلی گئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے ---؟"

اس نے پوچھا تو صفیہ نے خمار آلود نگاہیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا' پھر نگاہیں ہٹاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

"پوری طرح ہوش میں نہیں آ رہی ہے' ایسے ہی ہونقوں کی طرح دیکھے چلے جا رہی ہے۔" زیتون بی بی نے بتایا۔

"آپ اسے آرام کرنے دیں' اس سے باتیں مت کریں۔" راحیلہ نے دھیرے سے تاکید کی۔

"تمہاری ہمدردی کا بہت شکریہ بیٹی!" زیتون بی بی نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میرا فرض ہے ---- اس وقت تو میں جا رہی ہوں۔" اس نے کہا اور واپس مڑ گئی' اسے اپنے گھر جانے کی جلدی تھی۔

☆☆

جس وقت راحیلہ نے رکشے سے اُتر کر اپنے گھر کی بیل دی اُس وقت اسے خیال آیا کہ جنید نے تو یہ کہا تھا کہ وہ یہ گھر اپنے ٹھکانے کے طور پر نے کر دے رہا ہے مگر اتنے دن ہو گئے اُس نے ایک بار بھی یہاں آنے کے لیے نہیں کہا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ اُس نے کئی دن ہوئے فون بھی نہیں کیا ——— اللہ خیر کرے اسکے دل سے یہ دُعا نکلی۔ تبھی گیٹ کھل گیا اور وہ اندر چلی گئی۔ اس کی ماں مغرب کی نماز پڑھ چکی تھی لیکن ابھی تک جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر ملنے ملانے، کھانا کھانے اور تھوڑی دیر باتوں کے بعد جب وہ اپنے بستر پر لیٹی تو اسے پھر سے جنید کا خیال آیا۔ چند لمحوں تک وہ اُسے فون کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں سوچتی رہی، پھر بے تاب سی ہو کر نمبر ملانے لگی۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو گیا۔

"ہیلو ---" وہ دھیرے سے بولی۔

"ہاں، راحیلہ! کیسی ہو تم ---؟" اُس نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں مگر لگتا نہیں ہے کہ آپ ٹھیک ہوں گے۔ اتنے دن ہو گئے، فون ہی نہیں کیا؟" اس نے ایک ہی سانس میں سب کہہ دیا جس میں شکوہ بھی تھا اور شکایت بھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں ان دنوں کچھ مصروف ہوں، اس لیے کوئی رابطہ نہیں کر سکا۔" اُس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ایسی بھی کیا مصروفیت، حال احوال پوچھنے میں کون سا وقت لگتا ہے؟" راحیلہ کا لہجہ شکوے بھرا تھا۔

"تمہیں یاد ہے راحیلہ! میں جس مریض کو لے کر ہسپتال آیا تھا اور ایک بار تم نے اُس کے بارے میں سوال بھی کیا تھا کہ میں اُسے کیوں ---"

راحیلہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے کیسے بھول سکتی ہوں آپ ہی کی گولی سے وہ زخمی ہوا تھا۔"

"وہ گولی میں نے اپنی مدافعت میں ماری تھی، وہ ٹھیک بھی ہو رہا تھا لیکن مر گیا۔ اَب اُس کے قتل کا الزام مجھ پر ہے، بس اسی کے چکر میں ہوں ---" وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"کیا پولیس ---؟" وہ تشویش سے بولی۔

"نہیں، میرے ہی لوگ ہیں۔ انہیں بس اتنا یقین چاہیے کہ ہسپتال میں اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔ میرے ساتھ ایک اور بھی لڑکا تھا، اسی نے کچھ کیا ہے۔ اَب وہ ملک سے فرار ہو چکا ہے اور ---"

"میں اس بارے میں تصدیق کر لوں گی کہ اُس کی موت کس وجہ سے ہوئی تھی۔ ریکارڈ میں تو موجود ہو گا نا؟" راحیلہ نے تیزی سے کہا۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟" وہ تیزی سے بولا۔

"ہاں --- اس سے کچھ نہ کچھ تو اندازہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے میں کل پھر فون کروں گا۔"

اُس نے کہا اور پھر یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ پھر رات گئے ان کی باتیں ختم ہوئیں اور وہ سو گئی۔

اگلے دن جب وہ ڈیوٹی پر گئی تو سب سے پہلے اس کلرک کے پاس گئی جو اسے ریکارڈ دے سکتا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر تک حیل وحجت کی لیکن جب ایک بڑا نوٹ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے راحیلہ نے کہا۔

"ایسا ہی مزید آپ کو ملے گا اگر آج ہی وہ مطلوبہ فائل کی فوٹو کاپی مجھے مل جائے۔"

"سٹاف! دیکھو یہ معاملات اسی وقت سامنے آتے ہیں جب پولیس یا عدالت کو مطلوب ہوں۔ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کو اس کی ضرورت کہاں آن پڑی ہے؟" کلرک نے اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

"میں آپ کو پوری تفصیل بتا دوں گی اگر آپ اس فائل کی فوٹو کاپی مجھے دے دیں۔" اس نے صاف لفظوں میں کہا۔

"ٹھیک ہے میں دے دوں گا۔" اس نے حتمی انداز میں جواب دیا۔

"میں دوپہر کے وقت آؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھ گئی اور سیدھی ایمرجنسی وارڈ میں چلی گئی جہاں اس کی ڈیوٹی تھی۔ وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ زیتون بی بی کی مریضہ اب وہاں نہیں ہے۔ انہیں پرائیویٹ وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ وہاں جائے۔ اُن کا حال احوال پوچھے لیکن پھر وہیں مصروفیت میں کھو گئی۔ یہاں تک کہ دوپہر کے وقت اسے خیال آیا تو وہ سیدھی کلرک کے پاس چلی گئی جس نے ایک بند لفافے میں اس فائل کی فوٹو کاپی کر کے اسے دے دی۔ راحیلہ نے کلرک کے کمرے سے نکلتے ہی جنید کو فون کر دیا کہ فائل مل گئی ہے۔ اب وہ پوری تفصیلات سے آگاہ ہو کر ہی فون کرے گی۔

راحیلہ وہ فائل لے کر اسی ڈاکٹر کے پاس چلی گئی جس نے اُس کا پوسٹ مارٹم کیا تھا۔ اُس نے فائل دیکھی اور پھر پوچھا۔

"سٹاف! میں آپ کو اس کی تفصیل تو بتا دیتا ہوں لیکن پہلے مجھے مطمئن کرو کہ یہ ملی کہاں سے اور آپ کی اس میں کیا دلچسپی ہے؟"

"میرے ایک محسن وکیل ہیں انہوں نے دی ہے تاکہ میں آپ سے معلومات لے سکوں۔ اُن کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔" راحیلہ نے فوراً ہی جھوٹ گھڑ لیا۔

"کیا آپ اس وکیل سے مجھے ملا سکتی ہیں؟" اس نے راحیلہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔۔۔" وہ تیزی سے بولی۔

"میں دو گھنٹے تک اِدھر ہوں۔ آپ انہیں بلوا لیں میں پوری تفصیل اُن کے ساتھ شیئر کر لوں گا۔" اُس نے وہ فائل راحیلہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں اُن سے بات کرتی ہوں اگر وہ آ گئے تو۔۔۔" راحیلہ نے بات نہ بنتے دیکھ کر بجھے دل سے کہا۔

"اگر انہیں دلچسپی ہوئی تو ضرور آئیں گے۔ آج اگر مصروفیت ہوئی تو کل آ جائیں۔" ڈاکٹر شاید مطمئن نہیں ہو پا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر! آپ کی بہت مہربانی۔۔۔"

اس نے کہا اور اُٹھ گئی۔ پھر کاریڈور میں آ کر اس نے جنید کو فون کیا۔ اُس نے تمام بات سنتے ہی کہا۔

"یہ کون سی بڑی بات ہے میں ابھی ہمایوں کو بھیجتا ہوں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔" راحیلہ کی جیسے جان میں جان آ گئی اس کا جھوٹ سچ میں تبدیل ہو جانے والا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ہمایوں نے راحیلہ کو فون کر دیا۔ وہ ہسپتال پہنچ چکا تھا اور اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ دونوں نے ایک جگہ ملے کی پھر تھوڑے سے وقت کے بعد وہ ڈاکٹر کے پاس تھے۔ تھوڑی دیر تعارف وغیرہ میں گزر گئی پھر ڈاکٹر نے کہا۔

"مجھے خود حیرت تھی کہ اس مریض کی موت کیسے واقع ہو گئی ہے۔ اس کا زخم ٹھیک ہونے کی طرف جا رہا تھا اور پوری اُمید تھی کہ چند دن تک وہ بالکل ٹھیک ہو جاتا۔ کوئی زہر نہیں پھیلا تھا ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا یہ میں نے رپورٹ میں بھی لکھا ہے۔ بہت مشکل سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کی موت حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ بلاشہ اس کا سانس رُکا تھا اور اُلجھن یہیں پر ہے کیونکہ اس سے اڑتالیس گھنٹے قبل آکسیجن اُتار دی گئی تھی اس وقت مریض کو ضرورت نہیں تھی۔ اب سانس کس طرح رُکا ہے۔ یہی اُلجھن ہے اور یہ بات رپورٹ میں درج ہے۔" ڈاکٹر نے تفصیل سے بتایا۔

"مطلب مریض روبہ صحت تھا لیکن اس کی سانس رُک جانے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی؟" ہمایوں نے پوری بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"جی۔۔۔ اس وقت کسی طرف سے یا اس مریض کے لواحقین نے توجہ نہیں دی تھی ورنہ یہ بات اسی وقت کھل جاتی تھی مگر یہ بات فائلوں میں دفن ہو گئی۔ اب آپ اس کا کیس لڑنا چاہتے ہیں تو مجھے نہیں یقین کہ آپ اس وجہ تک پہنچ پائیں گے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟" ہمایوں نے کریدا۔

"اس لیے کہ میں ایک پروفیشنل بندہ ہوں۔ مجھے بھی اُلجھن ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر اس وقت کرید ہوتی تو بات سامنے آ سکتی تھی لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"میرے پاس اگر ٹھوس دلائل ہوئے تو میں ضرور آپ کو مطمئن کروں گا یہ میرا وعدہ رہا اور نہ ہوئے تو میں خاموش ہو جاؤں گا۔" ہمایوں نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر باتوں کے بعد وہ اُٹھ گئے۔ دونوں کاریڈور میں چلتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے درمیان یہی موضوع چل رہا تھا۔ ہمایوں کا خیال تھا کہ بات صاف ہو گئی ہے ذیشان ہی دراصل عالمگیر کا قاتل تھا۔ اب جنید اپنی قیادت کو مطمئن کر سکتا ہے۔۔۔ پارکنگ کی جانب بڑھتے ہوئے ہمایوں نے کہا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔ میں پوری تفصیل خود ہی اُسے بتا دوں گا۔"

"کم از کم چائے یا ٹھنڈا؟۔۔۔ آپ یونہی جا رہے ہیں اس طرح اچھا نہیں لگتا۔" راحیلہ نے کہا۔

"چلو تم پر اُدھار رہا اس کے عوض کسی دن کھانا کھائیں گے وہ بھی تمہارے گھر۔۔۔ اس وقت جانا ضروری ہے پھر کسی وقت سہی۔" ہمایوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی---"

راحیلہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ ٹھیک اُنہی لمحات میں پارکنگ میں ایک گاڑی آ کر رُکی، اس میں سے زیتون بی بی اور سلمیٰ باہر آ گئیں۔ اُن کی نگاہ دونوں پر پڑی تو اُن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اُن دونوں کی نگاہوں کا مرکز اَب ہمایوں تھا۔

"ہمایوں! یہ آپ کو ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" راحیلہ نے فوراً ہی بھانپتے ہوئے پوچھا۔

"یہ جو ادھیڑ عمر خاتون ہے نا، یہ میری چاچی ہیں اور اُس کے ساتھ میری کزن---" یہ کہتے ہوئے اُس نے تشویش سے پوچھا۔ "مگر یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"اِن کی بیٹی کو نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے، کل سے وہ یہاں ایڈمٹ ہے۔" راحیلہ نے دھیرے سے جواب دیا۔

"صفیہ!---اُسے---" ہمایوں اتنا ہی کہہ سکا۔

"ہاں، کوئی صدمہ پہنچا ہے اُسے۔"

وہ بولی تو ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

"اچھا---انہیں معلوم نہ ہو کہ ہمارے درمیان کوئی تعلق یا شناسائی ہے۔ اس کی تفصیل میں بعد میں بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے---"

راحیلہ نے کہا تو ہمایوں آگے بڑھ گیا۔ زیتون بی بی نے اُسے دیکھ کر رُکنا چاہا مگر وہ نہیں رُکا، اپنی گاڑی تک گیا اور تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔ وہ دونوں کھڑی اُسے دیکھتی رہیں۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو زیتون بی بی تھکے قدموں سے راحیلہ کی جانب آ گئی۔ راحیلہ نے اُسے سلام کیا جس کا جواب دیتے ہوئے اُس نے پوچھا۔

"بیٹی! یہ لڑکا ہمایوں ہی تھا نا---؟"

"جی---یہی نام بتایا تھا اُنہوں نے---" راحیلہ نے کہا۔

"یہاں کیا کرنے آیا تھا؟" وہ تشویش سے بولی۔

"کسی کیس کے سلسلے میں یہاں ایک ڈاکٹر سے ملے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے بھی بلوایا تھا کوئی بات پوچھنے کے لیے اَب میں انہیں یہاں تک چھوڑنے آئی تھی---کیا آپ جانتی ہیں انہیں؟"

"جانتی ہی نہیں، پہچانتی بھی ہوں لیکن---خیر!"

یہ کہتے ہوئے زیتون بی بی ایک دم سے اَپ سیٹ ہو گئی پھر کوئی بات کہے بنا آگے بڑھ گئی۔ اُس کے پیچھے سلمیٰ تھی۔ تب راحیلہ بھی اپنے وارڈ کی جانب چلی گئی۔ راحیلہ کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ اِن کے درمیان کوئی بات ضرور ہے---کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں تھا۔

☆☆

جنید اپنی قیادت کے تین اہم لوگوں کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اُن کے سامنے اپنی طرف سے بھرپور دلائل دینے کے بعد لمبی گفتگو کر چکا تھا اور اب اُن کی طرف سے کسی جواب کا منتظر تھا۔ تھوڑی دیر یونہی گزر گئی تو اُن میں سے بولا۔

"جنید! ہمیں اُس دن ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ تم بے گناہ ہو جس دن ذیشان یہ ملک چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ اگرچہ ہم نے تمہیں فقط تین دن دیئے تھے لیکن یہ تین دن' تین ماہ پر محیط ہو گئے ہیں۔ ہم اصل کہانی تک پہنچنا چاہتے تھے اور وہ اصل کہانی یہ ہے کہ ذیشان ہی نے عالمگیر کو قتل کیا اور بھاگ گیا۔"

"لیکن اُس نے ایسا کیوں کیا؟" جنید نے پوچھا۔

"اُن دونوں کے درمیان تنازعہ چل رہا تھا۔ دونوں ہی تنظیم چھوڑ دینا چاہتے تھے اور تنازعہ یہ تھا کہ اُن کی رقم جو دونوں ہی اپنے ذرائع سے حاصل کرتے رہے تھے' وہ کوئی تیسرا اُن کے درمیان سے لے اُڑا تھا۔ اس میں قصور عالمگیر کا تھا کہ اُس نے اسلحہ خریدنے کے لیے یہ رقم درمیان کے ایک بندے کو دی تھی۔ اب ذیشان اُس تک پہنچ گیا ہے اور بڑے آرام سے زندگی گزار رہا ہے۔ وہ اب ان ہاتھوں میں ہے جو بین الاقوامی طور پر کام کر رہے ہیں۔" دوسرے شخص نے تفصیل سے بتایا۔

"میں نے اپنا دامن صاف کرنا تھا' وہ کر دیا ہے۔ آپ کو اصل بات معلوم ہو گئی' میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" جنید نے فوراً ہی اپنی صفائی میں کہہ دیا۔

"لیکن ہم چاہتے ہیں کہ یہ ذمہ داری تم قبول کرو۔ ذیشان نے جس طرح غداری کی ہے' اُسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اُس نے یہاں بھی اپنا نیٹ ورک بنا رکھا ہے' اُسے توڑنا ہے ورنہ ہماری تنظیم کمزور ہی نہیں' ختم ہو کر رہ جائے گی۔" تیسرے نے دھیرے سے تشویش کے ساتھ کہا۔

"میں اکیلا نہیں کر سکتا کیونکہ میری معلومات کے مطابق ہم میں سے ہی وہ لوگ ہیں جو اُس کے نیٹ ورک کا حصہ بنتے چلے جا رہے ہیں۔ میں اعتماد کس پر کروں؟—— یا پھر مجھے وقت دیا جائے کہ میں اپنے حساب سے بندے جمع کروں اور پھر کوئی معاملہ دیکھوں۔" جنید نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"بدقسمتی سے ایسا ہو رہا ہے' حکومت کی جانب سے بھی کوئی اچھے اشارے نہیں مل رہے ہیں۔ تم جو چاہو' کرو لیکن ذیشان کا نیٹ ورک ختم کرو۔ اس کے لیے تم جو چاہو گے' تمہیں ملے گا۔" پہلے نے دبے ہوئے غصے میں کہا جیسے اُس کے نزدیک یہی سب سے اہم بات ہے۔

"اگر یہ ذمے داری مجھے دی جا رہی ہے تو میں قبول کرتا ہوں۔" جنید نے پوری سنجیدگی سے اس ٹارگٹ کو اپنے ذمے لے لیا۔

"جو ضروری معلومات ہوں گی' وہ تمہیں دے دی جائیں گی اور بہت ساری باتوں کا تمہیں خود بھی علم ہو گا۔ اس بابت اگر تم کوئی بات کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔" تیسرے نے سرد سے لہجے میں کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں لیکن جس طرح آپ نے کہا ہے کہ حکومت کی طرف سے کوئی اچھے اشارے نہیں مل رہے ہیں۔ اگر اپنے لوگوں کے تحفظ کے لیے میں کچھ کروں تو تنظیم کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ میں ایسا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" جنید نے اُن پر واضح کر دیا۔

"تم جو چاہو کرو۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں' ہمیں بس نتیجہ چاہئے۔" تیسرے نے ہی کہا۔

"تو پھر طے ہو گیا۔" جنید نے آخری بات کہہ دی اور اُٹھ گیا۔

اُس کی یہ خفیہ ملاقات جہاں ہو رہی تھی' جب وہ وہاں سے نکلا تو ذہن پر سے بوجھ اُتار چکا تھا۔ اُسے جو نیا مشن دیا گیا تھا' اس سے نہ صرف تنظیم میں اُس کی اہمیت واضح ہو رہی تھی بلکہ اُس کی اپنی خواہش بھی اِس میں شامل تھی۔ ایک طرح سے وہ آزاد ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنے طور پر کام کرتے ہوئے اپنے فیصلے کرنے تھے۔ اس میں جس قدر کامیابی کے اِمکانات تھے' اِس سے دو سو فیصد ناکامی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی زندگی کو تو پہلے ہی ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھا' اِس لیے کوئی پروا نہیں تھی۔ اُسے راحیلہ پر بہت پیار آ رہا تھا' ایک معمولی سی بات جو اُس کی نگاہوں سے اوجھل تھی' اُس کے اشارہ کرنے پر اور پھر اس کو واضح کر دینے کے بعد وہ کس قدر پُرسکون ہو گیا تھا' اب اُسے اپنی تنظیم کی جانب سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا' پہلے وہ خود کو چکی کے دو پاٹوں میں محسوس کر رہا تھا۔ راحیلہ نے اُسے یہ سکون دیا تھا' وہ جس قدر خطرے' تشویش اور بے سکونی میں مبتلا تھا' اِس کے ختم ہوتے ہی وہ سب کچھ اِسے غیر اہم سا لگا جو وہ راحیلہ کے لیے کر چکا تھا۔ اگر اِسی بے یقینی کی فضا میں اُسے کوئی سنسناتی ہوئی گولی لگ جاتی' اُسے موت آ بھی جاتی تو اُسے یقین تھا کہ اِسے جاننے والے لوگ اُسے غدار نہیں کہہ سکیں گے---- اِنہی خیالات میں گھرا وہ گاڑی دوڑائے شہر کی جانب آ رہا تھا۔ وہ آج ہر حالت میں راحیلہ سے ملنا چاہتا تھا' چاہے چند گھڑی ہی سہی یا پھر کسی ریستوران میں کھانا---- وہ اِس کے گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ اِس کی ماں کے سامنے جانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا' وہ اِس قدر حسرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھتی تھی جیسے کوئی قیدی اپنے صیاد کی طرف دیکھتا ہے۔ بلاشبہ اُس کے ذہن میں یہی تھا کہ اِس کی ساری نوازشیں' ہمدردی اور خلوص صرف اور فقط راحیلہ کی وجہ سے ہیں اور حقیقت میں ایسا تھا بھی لیکن وہ شک جو اُس کی نگاہوں سے عیاں تھا' زبان پر نہیں آتا تھا' وہ جنید کو مارے ڈال رہا تھا---- اُس نے اپنا سیل فون نکالا اور راحیلہ کے نمبر پُش کر دیئے۔ چند لمحوں بعد اِن کا رابطہ ہو گیا۔

"آج کہیں کھانا کھانے کا خیال ہے۔" اُس نے کہا۔

"جیسا آپ کہیں---- بتایئے؟" راحیلہ نے فوراً کہا۔

"تم بتاؤ' کہاں کھائیں؟" جنید نے ترنگ میں پوچھا۔

"اِدھر گھر ہی آ جائیں' میں خود بنا لیتی ہوں۔" اُس نے بڑے مان سے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں آ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر تک پہنچ جاؤں گا۔" اُس نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ شہر کی جانب گاڑی دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ ایک موڑ کے بعد آگے نہر کا پُل تھا جہاں اُسے گاڑی آہستہ کرنا پڑی' اُس کے ساتھ ہی کچے میں سڑک اُترتی تھی۔ تبھی اُس کی نگاہ تیمور کی گاڑی پر پڑی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر تیمور ہی تھا جو گاڑی موڑ لینے کے لیے اِنتظار میں تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں جنید نے ایک فیصلہ کر لیا۔ اُس نے گاڑی تیمور کی گاڑی کے سامنے روک دی' پھر پسنجر سیٹ پر کپڑے کے نیچے پڑا ریوالور اُٹھایا اور اُس کے چہرے پر نگاہیں جمائے تیزی سے باہر نکلا۔ تیمور کے چہرے پر شدید قسم کی حیرت جم کر رہ گئی تھی۔

تیمور اُس کی جانب دیکھ رہا تھا جبکہ جنید بلاخوف اس کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا' یہاں تک کہ وہ اس کے قریب

پہنچ گیا۔ تیمور اُس کی جانب یوں دیکھ رہا تھا جیسے تیز روشنی میں خرگوش ساکت ہو جاتا ہے جنید نے اُس کی طرف کا دروازہ کھولا اور سرد سے لہجے میں کہا۔

"باہر آؤ---"

"کک کیا بات ہے---کون ہو تم؟" تیمور نے لرزتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ اس نے ریوالور دیکھ لیا تھا۔

"میں اپنی بات دُہرانے کا عادی نہیں ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے تیمور کو کالر سے پکڑ لیا۔

"دیکھو تم ایسا---نہیں کر سکتے' تم جانتے نہیں ہو کہ میں---"

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ جنید نے اسے باہر گھسیٹ لیا۔ پیر کی ٹھوکر سے دروازہ بند کیا اور پھر اسے لیتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف آیا۔ ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھولا اور پھر اسے اندر دھکیل دیا' خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی چلا دی۔ وہ ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ تیمور نے پوچھا۔

"کون ہو تم اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"سنا ہے تیرے باپ کے پاس بہت دولت ہے۔ اس میں سے تھوڑا سا حصہ ہمیں بھی چاہیے' بس اتنی سی بات ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے ریوالور اپنی گود میں رکھا اور اپنا فون سیدھا کر کے نمبر ملائے۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو جانے پر اس نے کہا۔

"ایک نیا پرندہ ہے' تھوڑا نازک مزاج بھی ہے۔ ممکن ہے' اسے سدھارنے میں دو چار دن لگیں۔ اس لیے فوراً پنجرے کا بندوبست کرو۔ پانچ منٹ بعد مجھے بتاؤ کہ اسے کس پنجرے میں بند کرنا ہے۔ میں اس وقت شہر سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ہوں۔"

پھر دوسری طرف سے سن کر اس نے فون بند کر دیا۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ---؟" تیمور اس وقت تک تھوڑا حوصلہ پکڑ چکا تھا۔

"اغواء برائے تاوان کا نام یا ذکر تو کبھی سنا ہوگا یا پھر اخبار میں کبھی پڑھا ہوگا' بس یہی کچھ ہونا ہے تمہارے ساتھ---تعاون کرو گے تو زندہ اپنے والدین کے پاس پہنچ جاؤ گے ورنہ اتنے تو عقلمند ہو کہ جان سکو' تمہارے ساتھ کیا کیا جا سکتا ہے۔" اُس نے سرد سے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"کیا چاہتے ہو تم---؟" تیمور نے دھیرے سے پوچھا۔

"بکواس بند کرو اور چپ کر کے بیٹھ جاؤ' بعد میں بات کرتے ہیں۔"

جنید نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا اور پوری توجہ ڈرائیونگ پر لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا سیل فون بج اُٹھا۔ اُس نے نمبر دیکھ کر فون سنا' پھر چند لمحے سنتے رہنے کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے---شہر اَب دو یا تین کلو میٹر پر ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا اور پھر گاڑی کی رفتار مزید تیز کر دی۔ تقریباً دو کلو میٹر فاصلہ طے کرنے کے بعد اُسے ایک ویگن دکھائی دی جو سڑک کے کنارے کھڑی تھی اور دو بندے اس کے قریب کھڑے تھے۔ جنید نے اپنی گاڑی اِن کے قریب روک دی۔ وہ لوگ تیزی سے اُس کی

جانب آئے اور پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا پھر کوئی بات کیئے بغیر ایک واپس پلٹ گیا۔ اس نے وین کا دروازہ کھولا۔ دوسرے نے ریوالور نکال کر تیمور کے ساتھ لگا دیا۔ تب جنید نے کہا۔

"جاؤ' ان کے ساتھ جاؤ۔ تھوڑی دیر بعد ملاقات ہوتی ہے۔"

تیمور کا رنگ زرد پڑ چکا تھا' یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ ابھی بے ہوش ہو جائے گا۔ باہر والے بندے نے اسے کھینچا تو وہ بے جان سا اس کے ساتھ چل دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ وین میں تھا۔ گاڑی کا دروازہ بند ہوا تو وہ وین کے پیچھے چلنے لگا۔ اُسے بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جائیں گے؟ پورا شہر گزر گیا۔ وہ باہر والی بائی پاس سڑک پر تھے۔ پھر اچانک وہ ایک سائیڈ میں جانے والی چھوٹی سڑک پر اتر گئے۔ مکانات گزرے' کھیت آئے اور پھر انہی کھیتوں کے درمیان بڑی ساری حویلی میں گاڑی سمیت اندر چلے گئے۔ تیمور کو جب وین سے باہر نکالا تو اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی' وہ اسے فوراً ہی اندر لے گئے۔ وہ ایک بڑا سا کمرا تھا جس میں بیڈ لگا ہوا تھا' صاف ستھرے کمرے میں خوشگوار مہک تھی۔ تیمور کو ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا اور اس کی آنکھوں پر سے پٹی اُتار دی گئی۔ چند لمحے اس نے یوں دیکھا جیسے کچھ بھی دکھائی نہ دے رہا ہو' پھر اس کی نگاہیں ان دو لوگوں کے علاوہ جنید پر جم گئیں۔

"ہاں تو' پیارے! ابھی فون کرو گے اپنے باپ کو یا پھر تھوڑی دیر آرام کے بعد---؟" جنید نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"میں اب تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔ جو چاہو' کرو---" تیمور نے قدرے نفرت سے کہا۔ اسے مزاحمت کی کوشش کرنا فضول لگا۔

"ہاں' عقلمند ہو---لگاؤ اپنا فون یا پھر مجھے فون کرنا پڑے گا؟" اس نے سرد لہجے میں کہا تو اس پر تیمور نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اپنا فون نکال کر نمبر پش کر دیئے' تب جنید بولا۔ "سپیکر آن کرو' پیارے! میں بھی تو سنوں تمہارے باپ کو تم سے کتنا پیار ہے؟"

اس پر تیمور نے سپیکر آن کر دیا۔

"ہیلو---" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"پاپا! میں تیمور ہوں' مجھے اغوا کر لیا ہے کچھ لوگوں نے---"

"اغوا---کیسے' کب---؟" دوسری طرف سے چیختے ہوئے پوچھا گیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے فارم ہاؤس کے قریب سے---" اس نے دھیرے سے کہا۔

"اس وقت کہاں ہو---؟"

دوسری طرف سے پوچھا گیا تو جنید نے فون پکڑ لیا اور غراتے ہوئے کہا۔

"تم اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے تمہیں یہاں آنے میں کوئی دُشواری نہ ہو گی۔"

"کون ہو تم---؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"کام کی بات کرو' مجھے نہیں لگتا کہ تم اتنے احمق ہو۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔

"کیا چاہتے ہو---؟"

"صرف دو کروڑ روپیہ اور وہ بھی چوبیس گھنٹوں میں--- اس کال کے بعد کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو جائے گا اور میرا یہ بھی خیال ہے کہ پولیس وغیرہ کو تم زحمت نہیں دو گے ورنہ ہم ناراض ہو کر تمہارے بیٹے کی لاش بھی تمہیں بھجوا سکتے ہیں یا پھر کہیں سڑک پر پھینک دیں گے۔"

"تیمور سے میری بات کراؤ---"

"وہ سن رہا ہے---" جنید نے کہا۔

"تیمور بیٹے! تم گھبرانا نہیں۔ مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے میں فوراً بندوبست کرتا ہوں--- اور تم جو کوئی بھی ہو میرے بیٹے کو کچھ مت کہنا میں رقم دے دوں گا۔" دوسری طرف سے انتہائی گھبراہٹ میں کہا گیا۔

"ٹھیک--- میں رقم کسی طرح لوں گا بعد میں فون کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ چند لمحے وہ تیمور کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"آرام کرو گے---؟"

"میں ایک بات کہوں---؟" تیمور بولا۔

"بولو---" وہ ہنکارا۔

"مجھے چھوڑ دو۔ پاپا کی رسائی بہت زیادہ ہے وہ---"

اس نے کہنا چاہا تو جنید نے آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ اُلٹ کر کرسی سے نیچے گر گیا۔ پھر اسے کالر سے پکڑا اور اُٹھاتے ہوئے بولا۔

"دھمکی دیتا ہے--- جب تک تیرا باپ رسائی کرے گا اس وقت تک میں تجھے اُوپر پہنچا دوں گا--- سمجھا؟"

یہ کہہ کر اس نے تیمور کو بیڈ پر پھینکا اور باہر نکل گیا--- شاید تیمور نے اس کی باتوں کا کوئی غلط تاثر لے لیا تھا اس لیے دھمکی پر اُتر آیا تھا۔ جنید یہی سوچتا ہوا وہاں سے آ گیا۔ تیمور کا فون اس کے پاس ہی تھا جو اس نے بند کر کے ایک طرف رکھ دیا--- اب اُس چوبیس گھنٹے اسی حویلی میں گزارنے تھے۔

☆☆

شام ڈھل چکی تھی۔ شہر میں روشنیاں پھیل چکی تھیں۔ راحیلہ اس وقت بھی کچن میں مصروف تھی۔ اُسے جو تین چار ڈشیں بنانا آتی تھیں وہ بنا چکی تھی۔ اُس کی ماں اپنے کمرے میں تھی اور رضیہ اُس کے ساتھ کام میں مصروف تھی۔ اس کے بچے ڈرائنگ روم میں اپنے باپ کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ وقت دھیرے دھیرے زیادہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ وہ کھانا بنا چکی تھی اس لیے فون کر کے جنید سے اتنی دیر ہو جانے کی بابت پوچھنا چاہا۔ اس نے اپنا فون لیا اور اس کے نمبر پش کر دیئے دوسری طرف سے وہ بولا۔

"سوری، ویری سوری راحیلہ! میں تمہاری طرف آ رہا تھا کہ اچانک کام پڑ گیا اور مجھے اس جانب نکلنا پڑا۔ میں اب نہیں آ سکوں گا۔" اس

کے لہجے میں انتہائی معذرت گھلی ہوئی تھی۔

"---اور یہ جو میں نے اِتنا کھانا بنایا؟" اُس نے دھیرے سے کہا۔

"میں نے کہا نا سوری---کام ہی اتنا ضروری---"

"کوئی بات نہیں' آپ اطمینان سے اپنا کام کر کے آ جائیں میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

"ارے نہیں میں نہیں آ پاؤں گا۔ میں کل کسی وقت آؤں گا۔ تم پریشان نہیں ہونا میں پھر معذرت خواہ ہوں۔" اس نے خمار آلود سے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے---" وہ مایوسی سے بولی۔

"تم ایسا کرو ہمایوں کو بلا لو۔ اُس کے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

"وہ کیوں---؟" وہ حیرت سے بولی۔

"میں نہیں ہوں نا تو وہ تمہاری کیئر کرتا ہے' تمہارا اُس کے ساتھ بہت اچھا تعلق ہونا ضروری ہے۔ میں اُسے کہہ دیتا ہوں---پلیز!" جنید نے تیزی سے کہا۔

"آپ کہتے ہیں تو---" وہ دھیرے سے بولی۔

"میں کہہ دیتا ہوں' وہ کچھ دیر بعد آ جائے گا۔"

جنید نے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ راحیلہ نے چمکتی ہوئی سکرین کو ایک بار دیکھا اور پھر مایوسی کے ساتھ ایک طرف رکھ دیا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اندر ہی اندر کوئی شے ٹوٹ گئی ہو۔ اُس نے قریب کھڑی رضیہ سے کہا۔

"مہمان تو شاید دیر سے آئے' تم لوگ تو کھانا کھاؤ' امی کو بھی دے دو۔"

"ٹھیک ہے---"

اس نے سعادت مندی سے کہا اور پھر کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ راحیلہ وہاں سے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی' اُسے جنید کے نہ آنے کا بہت دُکھ ہو رہا تھا---

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہمایوں آ گیا۔ اس وقت ڈرائنگ روم میں کوئی نہیں تھا۔ رضیہ اسی اِنتظار میں تھی' وہ کھانا لگانے کے لیے بڑھ گئی۔ راحیلہ نے ڈائیننگ ٹیبل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آیئے ہمایوں---!"

"اِسے کہتے ہیں قسمت' کھانا کسی کے لیے بنا اور کھانے میں آ گیا---ویسے کیا بنایا ہے؟" اُس نے خوشگوار انداز میں کہا۔

"جو بھی بنا ہے' اِسے قسمت کا لکھا سمجھ کر ہی کھا لیں۔" راحیلہ نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ویسے راحیلہ! یقین جانو میں خود تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔ جنید کے فون آنے سے پہلے ہی سوچ رہا تھا کہ تمہیں فون کر کے کوئی وقت طے کر لوں۔ یہ تو اللہ نے میری سن لی---" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا کوئی خاص بات تھی---؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"ہاں---وہی میرے رشتے دار ہسپتال میں! اسی بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"ہاں---" اُسے جیسے یاد آیا پھر دلچسپی سے بولی۔ "ویسے بات کیا ہے آپ کے اور اُن کے درمیان کوئی گڑ بڑ ہے؟"

"کوئی تھوڑی بہت---" ہمایوں نے کہا پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "اگرچہ یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن انتہائی اختصار سے تمہیں سنانا پڑے گی۔"

پھر اس نے انتہائی اختصار سے پوری بات بیان کرنا شروع کر دی۔ اس دوران وہ کھانا بھی کھاتے رہے۔ راحیلہ اس کی بات پوری توجہ سے سنتی رہی' یہاں تک کہ کھانے کے ساتھ اس کی بات بھی مکمل ہو گئی تو اس نے نتیجہ نکالتے ہوئے کہا۔

"تو آپ صفیہ سے عشق کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ کو اس لائق ہی نہیں سمجھتی' اس کی وجہ صرف اور صرف آپ کی غربت ہے۔"

"ہاں---" ہمایوں نے اعتراف کیا۔

"چائے پئیں گے آپ---؟" راحیلہ نے اچانک پوچھا۔

"اتنی اچھی بات چل رہی ہے اور تم چائے---؟" ہمایوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اصل میں کام کی بات اب ہو گی نا! میں چاہتی ہوں کہ سکون سے وہ بات سنوں۔ آپ اِدھر صوفے پر آئیں میں چائے کا کہہ کر آتی ہوں۔"

اُس نے کہا اور وہاں سے اُٹھ گئی۔ ہمایوں بھی اُٹھ کر صوفے کی جانب چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد راحیلہ اس کے پاس دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ہوں! تو عشق ہے---"

"نہیں---مجھے اس سے عشق تھا' کشش تھی اُس میں لیکن اب نہیں ہے۔ اب تو میں اُسے حاصل کرنا چاہتا ہوں' جیسے بھی ممکن ہو---" یہ کہہ کر وہ یوں ہو گیا جیسے ماضی کے کسی کرب ناک لمحے میں کھو گیا ہو' پھر اس کیفیت سے چونک کر نکلتے ہوئے بولا۔ "میں پوچھنا یہ چاہ رہا ہوں کہ اُسے کیا ہو گیا ہے جو وہ ہسپتال میں ہے؟"

"اُسے کوئی گہرا صدمہ آیا ہے' جس کی وجہ سے اُس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے لیکن اب اُس کی حالت بہتر ہے۔ اُسے اس وقت شدید جذباتی تعلق کی ضرورت ہے اور مجھے حیرت ہے کہ اُس کی ماں بھی اُسے کوئی حوصلہ نہیں دے پا رہی ہے۔" راحیلہ نے سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں کہا۔

"اصل میں اُس نے اپنی ماں کی بھی تو کبھی نہیں سنی ہے، نا دونوں کے درمیان بہت خلا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ زجون بی بی کچھ پرانے خیال کی ہیں اور وہ بہت ماڈ ہے۔" ہمایوں دھیرے سے بولا۔

"---ویسے اتنی سی عمر میں اُس کا یوں بہت اُونچا سوچنا معنی خیز ہے۔ لگتا ہے بڑی شے ہے۔" راحیلہ نے اپنے انداز میں ہمایوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"شے تو وہ ہے؟" ہمایوں نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ایک بار اُس کی عیادت کر آئیں۔ ممکن ہے---" وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

"نہیں یوں نہیں---" ہمایوں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

"پھر کیسے---؟" راحیلہ نے سوال کیا۔

"اس وقت تک نہیں جب تک وہ خود میری جانب نہ لپکے۔" اُس کے لہجے اور انداز میں مدد کی اپیل ہو" اُس وقت ہی میں اُس کی جانب متوجہ ہوں گا۔" ہمایوں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اوہ---مطلب اُس سے نفرت ہے؟"

"ہاں یہی سمجھ لو---" یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا "میں یہ چاہ رہا تھا کہ کسی طرح تم یہ معلوم کر سکتی کہ اُسے صدمہ کیا ہے؟"

"مشکل تو ہے لیکن ناممکن نہیں۔ میں کوشش کروں گی اور بھرپور کوشش کروں گی کہ ایک دو دن ہی میں معلوم ہو جائے۔"

راحیلہ نے سنجیدگی سے کہا۔ اِتنے میں رضیہ چائے بنا کر لے آئی۔ وہ اپنا کپ بھی ساتھ میں لائی تھی، یوں اِن کے درمیان موضوع ہی بدل گیا۔ کچھ دیر بعد ہمایوں چلا گیا تو وہ بھی سونے کے لیے اپنے کمرے کی جانب چل دی۔ تب اسے احساس ہو رہا تھا کہ جنید نے ہمایوں کو یونہی نہیں بھیجا۔ اس میں بھی کوئی خاص مقصد تھا۔

☆☆

اس وقت سورج طلوع ہونے کو تھا جب جنید نے تیمور کا فون آن کیا' اس کے ساتھ اس میں آنے والے ایس ایم ایس کی بھرمار ہوگئی۔ اُس نے ایک ایک کرکے پڑھے۔ وہ بھی مختلف نمبر سے تھے ایک نمبر زیادہ تھا جو اس کی جانب سے کال کرنے کے لیے تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا' پھر تیمور کی طرف چلا گیا۔ ایک ہی رات میں اس کی حالت خستہ ہوگئی تھی' شاید وہ رویا بھی تھا یا پھر ساری رات اِسے نیند نہیں آئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جنید اس کے قریب جاکر کرسی پر بیٹھ گیا' وہ اتنی دیر میں بیڈ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

''کیوں' جانِ من! رات کیسے گزری---لگتا ہے' آرام نہیں کیا تم نے---؟'' جنید نے مسکراتے ہوئے سرد سے لہجے میں کہا مگر تیمور اُس کی طرف دیکھتا رہ گیا' بولا کچھ بھی نہیں تو جنید نے کہا۔ ''دیکھو! ایک معمولی سے تھپڑ کے علاوہ میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔ وہ بھی تم نے اپنی غلطی کی وجہ سے کھایا۔ تم نے مجھے اوور کیلکولیٹ کر لیا تھا۔ میری تم سے کوئی ذاتی دُشمنی نہیں ہے۔ میرا مطالبہ تمہارا باپ بنا کسی جھک جھک کے پورا کر دیتا ہے تو میں تمہیں زندہ سلامت تمہارے گھر تک پہنچا دوں گا ورنہ پھر ظاہر ہے میں تمہیں اُوپر پہنچانے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں؟''

''دیکھو! مجھے ڈرانا بند کرو اور میری بات پاپا سے کراؤ۔''

تیمور نے اپنے غصے کو دباتے ہوئی کہا تو جنید اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''جب بلی گھیرے میں آتی ہے نا تو وہ نہ صرف غراتی ہے بلکہ پنجہ مارنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔''

اُس نے یوں کہا جیسے اُسے تیمور پر بہت ترس آرہا ہو۔ پھر فون کے نمبر پش کر دیے اور سپیکر آن کر دیا' فوراً ہی فون ریسیو کر لیا گیا۔

''تیمور بیٹے! تم ٹھیک تو ہو؟'' دوسری جانب سے اِنتہائی تشویش کے ساتھ پوچھا گیا۔

''میں ٹھیک ہوں' پاپا---!'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''تم پر کوئی ظلم---''

''نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔''

''میں نے رقم کا بندوبست کر لیا ہے۔ تم میری اُس سے بات کراؤ۔''

''ہاں' بولو---'' جنید نے کہا۔

''میں نے---میں نے رقم پوری کر دی ہے' بتاؤ کہاں پہنچانی ہے؟''

''تم یوں کرو' اکیلے اپنی گاڑی میں شہر کے جنوب کی طرف آؤ۔ میں بتاتا ہوں رقم کہاں لی جائے گی۔''

''ٹھیک ہے---'' دوسری طرف سے کہا گیا تو اُس نے فون بند کر دیا' پھر اپنا فون نکالتے ہوئے بولا۔ ''اَب تمہاری زندگی کا فیصلہ تمہارے باپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اُس کی نیت میں ذرا سا بھی کھوٹ دکھائی دیا تو سمجھو اُس نے تمہیں مارنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔''

''نہیں' تمہیں رقم مل جائے گی لیکن میں یہ بتا دوں' تمہیں یہ رقم ہضم نہیں ہوگی۔'' تیمور نے کہا۔

''تم جو بھی کہو میں سن لوں گا۔ آخر قربانی کے بکرے کو بولنے کا حق تو ہونا چاہیے نا---!'' یہ کہہ کر اُس نے اپنا فون کان سے لگا لیا۔ ذرا

سی دیر میں رابطہ ہو گیا تو وہ بولا۔ "ہاں وہ کہہ رہا ہے کہ تحفہ لے کر گھر سے نکل آنے کو ہے۔ ذرا دھیان دو کہ وہ اکیلا ہے یا کوئی لاؤ لشکر بھی اُس کے ساتھ ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ کسی کے ساتھ جا کر لے فون پر بھی ہمارے لیے مہمان نوازی کا بندوبست ہو سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ دوسری جانب سے سنتا رہا پھر فون بند کر دیا۔ جنید چند لمحے تیمور کو گھورتا رہا اور پھر پوچھا کہ ناشتہ کرو گے؟

"نہیں۔۔۔" تیمور نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کر لو یار! پھر کہو گے ہم نے کوئی مہمانداری ہی نہیں کی اور اگر تمہیں مرنا پڑتا ہے تو کم از کم بھوکے تو نہ مرو۔۔۔"

"تم جو کوئی بھی ہو چاہے مجھے مار دو لیکن تم کیا سمجھتے ہو کہ تم یوں چھپ جاؤ گے؟"

"نہیں میری جان! میں چھپ نہیں جاؤں گا بلکہ تمہاری بہت قریب رہوں گا' اتنا قریب کہ تم سانس بھی لو تو مجھے سنائی دے اور تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نے یونہی راہ چلتے تمہیں پکڑ لیا ہے؟۔۔۔ نہیں میری جان! میں نے تم پر محنت کی ہے۔" جنید نے اس کی جانب دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"مجھ پر محنت۔۔۔؟" تیمور حیرت سے بولا۔

"ہاں' تم پر۔۔۔ تم نے جو یہاں آتے ہی لڑکیوں کو گھیرنے کا مشغلہ اپنا لیا تھا نا' اسی نے مجھے تمہاری جانب متوجہ کیا ہے۔ میرا ملک اور میرا یہ شہر برطانیہ کا رچڈل نہیں ہے۔ ممکن ہے کچھ تمہارے جال میں پھنس چکی ہوں اور بعض کو تم شکار بھی کر چکے ہو لیکن میں تمہیں سبق بھی سکھانا چاہتا ہوں۔ یہاں رہنا ہے تو بندے کے بچے ہو یا پھر واپس رچڈل لوٹ جاؤ ورنہ۔۔۔" جنید کے لہجے میں نفرت عود کر آئی تھی۔

"تم مجھے اس قدر قریب سے جانتے ہو؟" وہ حیرت سے بولا۔

"میں نے کہا نا' میں تمہارے اس قدر قریب ہو چکا ہوں کہ تمہاری سانسیں تک گن لوں۔ اگر تم زندہ بچ کر چلے بھی گئے اور دوبارہ انہی مصروفیات کو اپنانے کی کوشش کی تو میں بلا تامل تمہیں مار دوں گا۔" اس نے غراتے ہوئے کہا۔

"میں واپس چلا جاؤں گا' مجھے یہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"اس کا فیصلہ تو آج تمہارا باپ کرے گا کہ تم کچھ کر بھی سکتے ہو یا نہیں۔۔۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہارے باپ نے یہ تک نہیں پوچھا کہ تمہیں کس نے' کب اور کیسے اغوا کیا ہے؟" جنید نے لاپرواہی کے سے انداز میں کہا۔

"ہمارے سو دشمن ہیں۔ انہوں نے بس اس پر توجہ دی ہو گی کہ مجھے اغوا کر لیا گیا ہے اور۔۔۔" وہ یہ کہتے ہوئے خود بھی ہکلا گیا تھا۔

"یہی بات مجھے سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ تمہارے باپ کے ساتھ لاؤ لشکر ضرور ہو گا' اسی لیے میں پوری تیاری کے ساتھ جاؤں گا۔" جنید نے یوں کہا جیسے وہ اُن کی منافقت پر غصے میں آ گیا ہو۔

"پلیز' مجھے فون دو۔ میں پاپا سے بات کرتا ہوں۔"

"نہیں۔ ابھی نہیں' میری جان! میری ذرائع زیادہ معتبر ہیں' چوہے بلی کا کھیل تو ابھی شروع ہو گا۔"

جنید نے سرد لہجے میں کہا اور پھر کسی بندے کو آواز دی۔ چند لمحوں بعد وہ آ گیا تو اُس نے ناشتہ لانے کو کہا۔ تب ان دونوں میں خاموشی در

آئی۔ ابھی وہ بندہ ناشتہ لے کر نہیں پلٹا تھا کہ جنید کا فون بج اٹھا اُس نے سپیکر آن کر دیا۔

"ہاں بولو---؟" جنید بولا۔

"وہ گھر سے تو اکیلا ہی نکلا ہے لیکن بڑی شاہراہ پر آتے ہی اس کے ساتھ دو کاریں مسلسل سفر کر رہی ہیں' خطرہ ہے۔" دوسری جانب سے انتہائی تشویش کے ساتھ کہا گیا۔

"اس پر نگاہ رکھو۔ ذرا سی بھی کوئی بات محسوس کرو تو مجھے بتانا---"

یہ کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا۔ پھر فون ایک جانب رکھتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھا اور نگاہوں میں ہی اسے کہا کہ اب بتاؤ؟

"فون مجھے دو میں بات کرتا ہوں---"

جنید نے فون اس کی جانب بڑھا دیا۔ تیمور نے جلدی سے نمبر پش کیے فوراً ہی رابطہ ہو گیا۔

"تیمور---تم تیمور ہی بات کر رہے ہو نا؟"

"پاپا! کیا آپ کو میری زندگی نہیں چاہیے؟"

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"وہ لوگ بہت تیز اور چالاک ہیں' وہ آپ کی ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کے ساتھ دو کاریں کیا کر رہی ہیں؟ یہ بات انہیں معلوم ہو گئی ہے۔"

"نن نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے' انہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

تبھی جنید نے فون پکڑ لیا اور غراتے ہوئے بولا۔

"غلط فہمی تمہیں ہوئی ہے بڈھے! تم کیا سمجھتے ہو کہ ہمیں پھانس لو گے؟---اس وقت تم ہمارے جال میں ہو' تمہارا بیٹا تو جائے گا ہی' تم بھی خود کو گئے سمجھو۔"

"نہیں' تم کچھ نہیں کرو گے۔"

"ہاں میں اپنے وعدے کا پاس کروں گا---صرف ایک گھنٹہ ہے تمہارے پاس' اسی میں تم نے اپنے بیٹے کی زندگی کا فیصلہ کرنا ہے۔"

"میں مجبور ہو گیا ہوں---پلیز' تم کچھ مت کرنا' میں کوئی راستہ نکالتا ہوں۔"

"صرف ایک گھنٹہ ہے تمہارے پاس---" جنید نے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔

"میں نے تمہارے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا اور میرے باپ نے بھی---"

تیمور نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے انتہائی حسرت کے ساتھ جنید کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش تھا---جنید اس وقت ناشتہ کر چکا تھا' جب دوبارہ فون آیا۔ تیمور نے ایک لقمہ بھی نہیں لیا تھا' وہ بس اُس کی جانب دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ جنید نے فون کان سے لگایا اور

پوچھا۔

"ہاں بولو۔۔۔؟"

"وہ سب ایک سڑک کنارے بنے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں اُن سے کچھ فاصلے پر ہوں۔ اُن میں تیز تیز باتیں چل رہی ہیں۔ لگتا ہے وہ کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ دوبارہ رابطہ کرنا۔"

یہ کہہ کر جنید نے فون بند کر دیا اور اُٹھ کر باہر چلا گیا' وہ اَب خود میدان میں آ جانا چاہتا تھا۔

☆☆

راحیلہ ایمرجنسی وارڈ سے اُس طرف جا رہی تھی جہاں پرائیویٹ کمرے میں صفیہ تھی۔ اس کے ذہن میں یہ قطعاً نہیں تھا کہ وہ اس سے کس طرح بات کرے گی لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ ہمایوں کا ذکر ضرور چھیڑے گی اور صفیہ کا تاثر لینے کی کوشش کرے گی۔ اسی تاثر سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس قدر ٹوٹ جانے کے باوجود بھی اُس سے نفرت کرتی ہے یا پھر اَب بھی اس کے دماغ میں دولت کا خمار باقی ہے؟۔۔۔

وہ ہر جانب سے بے نیاز یہی سوچتی ہوئی اس طرف چلی جا رہی تھی۔ رات جب ہمایوں نے اُسے صفیہ سے تعلق میں شدت اور خاندانی پس منظر کا احوال سنایا تھا تو اُسے صفیہ کا رویہ عجیب معلوم نہیں ہوا تھا۔ اُس کے خیال میں ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بارے میں خود فیصلہ کرے' اُسے محبت یا کسی بھی جذبے کے تحت مجبور نہ کیا جائے۔ اصل میں جب انسان کسی روایت یا اصول کی خلاف ورزی کرتا ہے' تب یا تو وہ اصول یا روایت اس قدر کمزور ہوتی ہیں کہ ان کی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی یا پھر ان کی ہیئت اس قدر تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ روایت یا اصول جو بھی انسان نے اپنے مفاد میں بنائے ہوتے ہیں' اس کے گلے کا پھندہ بن جاتے ہیں۔ پھر وقت اور ماحول بھی اِن اصولوں اور روایات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جس طرح اِنسان کے بنائے ہوئے قانون ایک خاص وقت کے بعد غیر موثر ہو جاتے ہیں اور ان کی تجدید کی ضرورت محسوس ہوتی ہے' بالکل اسی طرح کا معاملہ سماجی اصولوں اور روایات کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مذہبی معاملات کو بھی وقت کے تقاضوں کے مطابق پرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے البتہ جن کی اپنی مستقل حیثیت ہوتی ہے' وہ تبدیل نہیں ہو سکتے۔ دراصل اِنسانی معاشرہ میں اِنتہا پسندی ضرور آ جاتی ہے' جس میں یا تو وہ ظلم کی جانب چل نکلتے ہیں یا پھر اس روایت' اصول اور قانون کی تجدید ہو جاتی ہے۔ جب بھی معاشرے میں ظلم بڑھتا ہے تو اس کے جواب میں بغاوت ضرور پیدا ہوتی ہے بلکہ یوں کہہ دینا زیادہ مناسب ہے کہ ظلم کا ردِّعمل بغاوت ہے اور جو باغی ہوتا ہے' اس کے نزدیک قانون روایت اور اصول کی کوئی اہمیت اس لیے نہیں ہوتی کہ اِنہی کی بدولت وہ اپنا ردِعمل ظاہر کر رہا ہوتا ہے۔ راحیلہ یہ سمجھتی تھی کہ صفیہ اپنی خواہشات میں ڈوبی ہوئی ہے' وہ اپنی من پسند زندگی چاہتی ہے۔ قصور اس کا نہیں کہ اس نے ایسا کیوں چاہا بلکہ غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو اسے اس طرح کا بنا گئے ہیں۔ کوئی بھی اِنسان اس طرح کی زندگی کی خواہش نہیں کر سکتا جس کے بارے میں اِسے معلوم نہ ہو۔ کسی خیال یا تصور کے بغیر عمل کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ناممکن سی بات ہے اور پھر کسی بھی اِنسان کو کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ فلاں شخص کو چھوڑ کر فلاں شخص سے محبت کرے؟ یہ بھی تو ناممکن باتوں میں سے

ایک بات ہے۔ اُس نے سب سے پہلے اپنی ذات ہی کا تجزیہ کیا تھا۔ وہ جنید کو شدت سے چاہتی تھی اس کے لیے اس نے ایک خطرناک زندگی کا چناؤ بھی کر لیا تھا۔ اُس نے اپنی ذات ہی کو نہیں بلکہ اپنی ماں کو بھی اس میں جھونک دیا تھا' یہاں تک کہ اُسے جنید کے ساتھ مر جانا بھی قبول تھا۔ ایسے میں کوئی اُسے یہ کہے کہ تم جنید کا خیال چھوڑ کر کسی دوسرے سے اتنی ہی شدت سے محبت کرو تو ایسا ممکن نہیں تھا۔ یہ تو ان معاملات میں سے ایک معاملہ ہے جن پر انسان کو اپنا اختیار بھی نہیں ہوتا۔ یہی سوچتی ہوئی وہ اس کمرے کے سامنے جا پہنچی جس میں صفیہ تھی۔ وہ بلا جھجک اندر چلی گئی سامنے بیڈ پر صفیہ لیٹی ہوئی تھی اور اس کے پاس زیتون بی بی تھی۔ سلام ودعا کے بعد وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" راحیلہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں---" اس نے انتہائی اختصار سے جواب دیا۔

"میرے خیال میں اب دوائیاں اتنا اثر نہ دکھا پائیں گی جتنا تم خود اپنے آپ کو تندرست کر سکتی ہو۔"

راحیلہ نے دھیرے سے کہا تو صفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ذرا سی خاموشی کے بعد زیتون بی بی نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو بیٹی اجب بندہ اپنی خواہشوں میں جنون کی حد تک جا پہنچتا ہے نا تو ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ کسی دوسرے کو کیا خبر کہ صدمہ کس قدر ہوتا ہے یہ تو وہی جانتا ہے جس پر گزری ہو ایسے میں دوبارہ سے ہونے میں وقت لگتا ہے اور خود ہی حوصلہ کرنا پڑتا ہے۔"

"---ویسے بے تو یہ آپ کا ذاتی معاملہ لیکن میں ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں؟" راحیلہ نے زیتون بی بی کی طرف دیکھتے ہوئی کہا۔

"کل میرے ساتھ جو ایک وکیل صاحب تھے وہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئے تھے اور میں انہیں پارکنگ تک چھوڑنے گئی تھی' وہ آپ کو دیکھتے ہی اچانک گڑبڑا گئے تھے' پھر تیزی سے چلے گئے---ایسا کیوں ہوا تھا؟" راحیلہ نے بڑی مشکل سے اپنی بات کہی تھی۔

"اس لیے بیٹی' کہ وہ میرا بھتیجا تھا۔ ہمارے خاندان میں کچھ اختلافات ہیں' بس اس وجہ سے---اب میں یہ تو نہیں بتا سکتی ہوں کہ اس کے ذہن میں کیا تھا؟" زیتون بی بی نے دھیرے سے کہا۔

"وہ آیا ہوگا تماشہ دیکھنے---وہ تو خوشیاں منا رہا ہوگا بلکہ اس کے سارے خاندان والے---"

صفیہ نے انتہائی نفرت سے کہا تو راحیلہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ تمہاری بدگمانی ہے صفیہ' وہ کوئی قتل کا معاملہ تھا جس پر اُس نے معلومات لی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی والدہ کو دیکھنے سے پہلے تک اُسے معلوم بھی نہیں ہوگا کہ یہاں کون ہے' جس کے لیے یہ یہاں پر ہیں۔" اُس نے زیتون بی بی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس بیٹی بدگمانی نے ایک خاندان کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔" زیتون بی بی نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"ہماری ان سے کیا بدگمانی ہو سکتی ہے' ہمارا اُن کا مقابلہ ہی کیا؟" صفیہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"وہ ممکن ہے وہ کل امیر ہو جائے تو---؟" زیتون بی بی نے کہا۔

"وہ سات جنم میں بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔" صفیہ نے نفرت سے کہا۔

"صفیہ! انسان کو جنم ایک بار ہی ملتا ہے اور وہ اسی میں بہت کچھ کر سکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اُن کی مالی پوزیشن پہلے کیا ہو گی لیکن اس وقت وہ شہر کی ایک بڑی صنعتی کمپنی میں قانونی مشیر ہیں' شہر کے بہترین علاقے میں بڑے سے گھر میں رہتے ہیں اور وہ اپنی گاڑی میں یہاں تک آئے تھے۔ یہ ساری معلومات مجھے ڈاکٹر صاحب نے دی تھیں۔"

"کیا--- یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" صفیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی جو تم نے سنا ہے--- عام حالات میں شاید ڈاکٹر صاحب انہیں ملنے کی بھی اجازت نہ دیتے لیکن کوئی بات ضرورت ہے جس کے باعث نہ صرف وہ ملے ہیں' بلکہ معلومات بھی دیں۔ یہاں تک کہ پروٹوکول دینے کے لئے مجھے بھی کہا کہ میں اسے دروازے تک چھوڑ آؤں۔ میں نے بھی ڈاکٹر صاحب سے اُن کے اس معمول سے ہٹ کر رویے کے بارے میں پوچھا تھا' تب مجھے اُس وکیل کی اہمیت کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔" راحیلہ نے بات بناتے ہوئے کہہ دیا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ اہم لوگوں میں شمار ہونے کی کوشش کر رہا ہے؟" صفیہ نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میرے خیال میں شمار ہے ورنہ---"

راحیلہ نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تو صفیہ کو چپ لگ گئی۔ وہ کچھ بھی نہ بولی تو زیتون بی بی نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے بیٹی! کہ میرے شوہر نے خوب محنت کی۔ وہ اعلیٰ عہدے پر ہیں' ساتھ میں ایک کاروبار بھی چل رہا ہے جسے میرا بیٹا دیکھتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں وہ دولت کمانے کے معاملے میں بہت پیچھے رہ گئے۔ بس یہی اصل میں دوری کی وجہ ہے۔"

"صفیہ کے بات کرنے سے تو یہی لگتا ہے کہ یہ دوری جیسے نفرت میں تبدیل ہو گئی ہے۔" راحیلہ نے جان بوجھ کر ذرا سی تلخ بات کہی۔

"دو الگ الگ معیار زندگی میں رہنے والے لوگ یکجا کیسے ہو سکتے ہیں؟" صفیہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"--- ہو سکتے ہیں اگر دل میں وسعت ہو۔ اب یہی دیکھو کہ وہ لوگ اگر آپ کے معیار زندگی میں آ جائیں تو پھر تعلق کا سلسلہ تو چل سکتا ہے پھر نفرت کہاں جائے گی؟" اُس نے جواب دیتے ہوئے سوال کر دیا۔ جس پر صفیہ خاموش رہی۔ راحیلہ کا بھی یہی مقصد تھا کہ وہ بھلے جواب نہ دے لیکن اس بات پر سوچے گی ضرور--- ماحول میں تناؤ سا آ گیا تھا اس لیے راحیلہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اب میں چلتی ہوں---"

"ٹھیک ہے بیٹی!"

زیتون بی بی نے کہا تو صفیہ اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ راحیلہ نے اس کی جانب دیکھنا ہی گوارا نہیں کیا اور وہاں سے آ گئی۔ راحیلہ وہ پیغام پہنچا چکی تھی جو ہمایوں کے ذہن میں تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ صفیہ اپنے طور پر ہمایوں کے بارے میں ضرور معلومات لے گی۔

☆☆

جنید اسی کمرے میں موجود تھا جہاں تیمور کو رکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی مزید تھے جو کسی بھی وقت' کسی بھی حکم کے لیے تیار تھے۔ کمرے کے ماحول میں تناؤ تھا' گہری خاموشی میں سب کی نگاہ گھڑی پر تھی۔ جنید کا دیا ہوا وقت ختم ہونے کو تھا۔ تیمور کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی'

اس کا رنگ زرد تھا اور جسم یوں ڈھیلا تھا کہ جیسے ابھی بے جان ہو جائے گا۔

"پلیز' مجھے ایک بار فون کر لینے دو۔ میں ساری بات سنبھال لیتا ہوں۔" تیمور نے مری سی آواز میں گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"اتنا وقت گزر جانے کے باوجود بھی تمہارے باپ نے پولیس والوں سے اپنی جان نہیں چھڑائی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ انہیں تمہاری زندگی سے کوئی غرض نہیں' وہ صرف اپنا پیسہ بچانا چاہتے ہیں ---- جب انہیں روکا گیا تھا کہ پولیس والوں کو نہ بتائیں تو اب اس کی سزا تو ملنی چاہئے نا ----؟" جنید نے یوں کہا جیسے وہ بمشکل اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مجھے فقط آخری بار بات کر لینے دو' پھر چاہے مجھے گولی مار دینا۔"

تیمور نے انتہائی مایوسی سے کہا جس پر جنید اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر بولا۔

"چلو ٹھیک ہے' کرو بات ----"

یہ کہہ کر اس نے فون سے نمبر پش کیے اور دوسری طرف رابطہ ہو جانے کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"پاپا! آپ نے ابھی تک رقم کا بندوبست نہیں کیا؟"

"میں کر کے بیٹھا ہوں لیکن ----" وہ روہانسو انداز میں بولا۔

"اب شاید آپ کی یہ رقم بھی کام نہ آئے۔ یہ لوگ کسی طرح بھی پولیس کی نگاہوں میں آنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے میری زندگی خود داؤ پر لگائی ہے۔ اب ان کے پاس سوائے میرے قتل کے اور کوئی آپشن ہی نہیں ہے۔ میرے قاتل آپ ہیں۔" تیمور نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

"بیٹا! وہ اس بات کی کیسے گارنٹی دیتے ہیں؟"

"تمہیں گارنٹی چاہئے ----" جنید نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ "تو سنو کوئی گارنٹی نہیں ہے لیکن اب تمہارا بیٹا تو قتل ہو گا ہی' تم بھی نہیں بچ پاؤ گے یہ میرا وعدہ ہے تم سے ---- اب جاؤ آرام سے گھر چلے جاؤ اور اس وقت کا انتظار کرو جب تمہارے بیٹے کی لاش تمہارے سامنے آئے گی۔"

"سوری پاپا! میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ آپ ہی میرے قاتل ہیں۔"

تیمور نے مری ہوئی آواز میں کہا تو جنید نے فون بند کر دیا اور تیمور کی جانب دیکھا جو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

"دولت بھی کیا چیز ہے یار! اپنی نسل کو بھی قربان کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے ---- خیر تم حوصلہ کرو۔"

"مجھے چھوڑ دو میں تمہارے ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں۔"

تیمور نے کہا تو جنید ہنس دیا اور کوئی بات کیے بغیر باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی اس نے فون پر نمبر ملائے اور دوسری طرف رابطہ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

"ہاں اب کہاں ہیں وہ ----؟"

وہ اسی شاہراہ پر ہیں ---- سادہ کپڑوں میں بہت ساری پولیس ہے۔ وہ مسند کار گاڑی میں ہے اور اکیلا ہے۔"

"تم لوگ اُسے نظر انداز کر کے واپس چلے جاؤ۔۔۔۔میں دوبارہ رابطہ کرتا ہوں۔"

جنید نے کہا اور فون بند کر دیا پھر اندر تیمور کے پاس چلا گیا جو اُس کی طرف دیکھتے ہی زرد ہو گیا تھا۔تب جنید نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو نکلو۔۔۔۔اِسے بھی لے لو وقت ختم ہو گیا ہے۔"

"خدا کے لیے۔۔۔۔خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

تیمور اُونچی آواز میں گڑگڑانے لگا۔جنید نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں اور باہر آ گیا۔۔۔۔

اس وقت شام کے سائے پھیل چکے تھے جب وہ اس حویلی سے نکلے' تیمور ایک وین میں تھا جبکہ جنید ایک گاڑی میں۔اُن کے پیچھے ایک اور گاڑی میں چند لوگ تھے۔یوں یہ قافلہ بڑی سڑک کی جانب چل پڑا۔وہ اس شہر ہی سے نکل جانا چاہتا تھا۔۔۔۔رات گئے وہ دوسرے شہر میں پہنچ چکے تھے جہاں اُنہیں محفوظ ٹھکانہ مل گیا تھا۔ابھی اُنہیں سکون سے بیٹھے ہوئے تھوڑا وقت گزرا تھا کہ جنید کا فون بج اُٹھا' یہ کال وہیں سے تھی جہاں سے وہ آئے تھے۔

"اس پورے علاقے میں پولیس پھیلی ہوئی ہے۔اچھا ہوا آپ یہاں سے چلے گئے ہیں۔"

"مجھے یقین تھا کہ وہ تیمور کے فون سے مدد لے کر یہاں پہنچیں گے۔۔۔۔خیر' کوئی بات نہیں۔تم لوگوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں مگر وہاں کوئی بھی نشان باقی نہ رہے۔اگر پولیس وہاں آ بھی گئی تو ذرا سا بھی شک نہ ہو۔"

جنید نے کہا اور دھیرے سے مسکرا دیا' اُس کا شک یقین میں تبدیل ہو گیا تھا۔اُس نے تیمور کے فون کی طرف دیکھا' اِسے کھول کر سم نکالی اور دوبارہ بند کر دیا۔پھر ذرا سی دیر بعد وہ اس شہر سے نکل کر واپس لوٹ آیا۔صبح ہو رہی تھی جب وہ واپس اپنے اس ٹھکانے پر پہنچا' جہاں وہ اِن دنوں مستقل رہ رہا تھا۔تیمور کا فون اُس نے راستے میں آنے والی نہر میں پھینک دیا تھا۔۔۔۔بھرپور نیند کے بعد وہ اُٹھا' اُس نے سلطان سے ناشتہ بنانے کو کہا اور پھر تیار ہو کر ناشتہ کیا۔جب وہ اپنی گاڑی میں باہر نکلا تو دن کا پہلا پہر ختم ہو جانے کو تھا۔وہ اسی شاہراہ پر چلا گیا' جہاں پر گزشتہ دن تیمور کا باپ پھر تا رہا تھا۔اُس نے وہاں جا کر اپنے فون میں تیمور کی سم ڈالی اور اس کے باپ کو فون کیا۔

"کیا تمہیں اپنے بیٹے کی لاش مل گئی ہے؟"

"کیا۔۔۔۔کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔۔؟" دوسری طرف سے ہذیانی انداز میں کہا گیا۔

"وہی جو تم نے سنا ہے۔۔۔۔بہت افسوس ہے مجھے بیچارہ آخری وقت میں اپنے باپ ہی کو قاتل ٹھہراتا رہا۔"

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم۔۔۔۔؟"

"بکواس۔۔۔۔اب ہمیں تلاش کرنے کی بجائے' اپنے بیٹے کی تلاش کرو۔کل شام تمہاری پھیلائی ہوئی پولیس کے درمیان سے تمہارے بیٹے کو لے جا کر قتل کر دیا ہے۔"

"بہت ــــ بُرا ہوا ــــ"

یہ کہتے ہوئے وہ رونے لگا۔ جنید چند لمحے سنتا رہا اور پھر فون بند کر کے سم نکال کر اپنا فون آن کر لیا۔ وہاں سے وہ سیدھا ہمایوں کے پاس چلا گیا جو ابھی تک اپنے دفتر میں موجود تھا۔

"بہت مصروف ہو گئے ہو آپ؟" ہمایوں نے مسکراتے ہوتے پوچھا۔

"ہاں سائیں کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر تھا۔ رات ہی آیا ہوں ـ ـ ـ سناؤ کیسا چل رہا ہے؟"

جنید نے پوچھا۔ پھر ان کے درمیان گپ شپ چل پڑی۔ دوپہر کے بعد تک وہ وہیں رہا۔ سیٹھی پر اُسے فون کال کے ذریعے حالات سے آگاہ کیا جاتا رہا تھا' یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ جنید بہت بے چین دکھائی دے رہا تھا' اُسے جس فون کال کا انتظار تھا' وہ ابھی تک موصول نہیں ہوئی تھی ـــ پھر وہ اسی بے چینی میں ہمایوں کو لے کر باہر نکلا اور ایک پارک کی کھلی فضا میں چلا گیا۔ اس وقت وہ دونوں پارک میں چہل قدمی کرتے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ ہمایوں کو فون ملا۔ وہ اس کے بڑے بھائی کا تھا' فون سن کر اس نے جنید سے کہا۔

"چاچا اصغر علی کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔"

"کیوں ـ ـ ـ؟" اُس نے دھیرے سے پوچھا۔

"ٹھیک طرح سے معلوم نہیں ہو سکا۔" وہ تشویش سے بولا۔

"اُنہیں کیسے پتہ چلا؟" جنید نے پوچھا۔

"زیتون بی بی جو میری چاچی ہیں' اُنہوں نے گھر فون کر کے مجھ سے بات کرنا چاہی تھی۔" وہ بولا۔

"تو ـــ؟" اُس نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"موقعہ تو بہت اچھا ہے لیکن میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ مجھے صفیہ خود نہیں کہتی۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"جاؤ' معلوم تو کرو ـ ـ ـ احسان بعد میں کر لینا۔"

جنید نے کہا تو وہ چونک گیا' پھر تیزی سے بولا۔

"ہاں' یہ ٹھیک رہے گا ـــ"

"تو جاؤ ـــ مجھے فون پر ہی تفصیل سے بتا دینا' وقت ضائع مت کرو ـ ـ ـ"

جنید نے کہا اور پھر دونوں ہی تیزی کے ساتھ پارک سے نکلتے چلے گئے۔ جنید نے وہ کام کر دیا تھا جس کے لیے ہمایوں نے ایک لمبے عرصے کی پلاننگ کی ہوئی تھی۔ تنہا ہوتے ہی اُس نے تیمور کے باپ کو دوبارہ فون کیا۔

"ابھی تک تمہیں اپنے بیٹے کی لاش نہیں ملی ـ ـ ـ؟"

"خدا کے لیے بتا دو۔ کہاں ہے وہ ـ ـ ـ؟"

"پتہ نہیں ---- مَیں نے تو سڑک کنارے پھنکوا دیا تھا۔ ممکن ہے جانور کھا گئے ہوں ---- ویسے افسوس ہے تم اِتنے بڑے صنعتکار اِتنے نامور کہ تمہاری پہنچ ایوانوں تک ہے اور اپنے بیٹے کی لاش تک نہیں تلاش کر پائے ہو؟"

"خدا کے لیے میری غلطی کی اِتنی بڑی سزا مت دو ----" اُس نے روتے ہوئے کہا۔

"اَب بھگتو ---- مَیں دیکھتا ہوں' تمہارے دو کروڑ کس حد تک کام آتے ہیں؟"

"مجھ سے لے لو پلیز میرا بیٹا مجھے واپس کر دو ----" وہ ہذیانی انداز میں چیخ اُٹھا۔

"جو مر جاتے ہیں' وہ دوبارہ زندہ نہیں ہوتے ----"

یہ کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا پھر وہی عمل دہرا کر سم جیب میں ڈال لی ----

جنید اپنے کمرے میں پڑا ہوا میگزین دیکھ رہا تھا لیکن اُس کا سارا دھیان باہر کی سمت تھا' تھوڑی دیر پہلے اُس نے تیمور کا حال پوچھا تھا۔ اُسے اَب فقط ہمایوں کے فون کا اِنتظار تھا جسے ضرورت سے زیادہ وقت ہو گیا تھا۔

☆☆

ہمایوں متعلقہ تھانے میں پہنچا تو سامنے ہی اُس کا چچا اصغر علی بیٹھا ہوا تھا' اُس کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے اور درمیان والی کرسی پر اِنسپکٹر بیٹھا ہوا تھا۔

"آیئے ----" اِنسپکٹر نے ذرا سا اُٹھتے ہوئے ایک کرسی کی جانب اِشارہ کیا۔ ہمایوں جب بیٹھ چکا تھا تو اِنسپکٹر بولا۔

"آپ کو اِس معاملے میں کیا دلچسپی ہو گئی ہے؟"

اِس کے یوں پوچھنے پر لمحے کے ہزارویں حصے میں اُسے وہ رات یاد آ گئی جب اِس طرح ہی کے ایک تھانے میں اُس پر تشدد کیا گیا تھا اور اِس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اُس نے اِنسپکٹر کو ظلم کرنے سے باز آنے کو کہا تھا۔

"اِس لیے اِنسپکٹر! کہ اِن دونوں کاروباری کمپنیوں سے ہماری کمپنی کا کاروبار ہے۔"

"یہ اصغر علی تو سرکاری آفیسر ہیں ----؟"

"لیکن اِن کا کاروبار بھی چل رہا ہے ----"

ہمایوں نے کہا اور اپنے چاچا کی طرف دیکھا جو اِنتہائی شرمندگی کے ساتھ نگاہیں جھکائے بیٹھا تھا۔ تبھی وہاں بیٹھے ہوئے شخص نے بولنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ وہیں سے بات کا آغاز کر رہا ہو جہاں سلسلہ رُکا تھا۔

"میرا باس تو زخم خوردہ ہے' اُسے ہر بندے پر شک ہے۔ یہ بس اِتنا جواز فراہم کر دیں کہ یہ تیمور کے بارے میں معلومات کیوں لے رہے تھے۔ مَیں اِن بندوں کو پیش کر سکتا ہوں جن سے اِنہوں نے تفتیش یا تحقیق جو بھی ہے' اِنہوں نے کی۔"

"آپ کے پاس اِس کا کوئی جواز ہے تو دیں۔" اِنسپکٹر نے اصغر علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں وہ ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں کھلے عام کچھ نہیں کہا جا سکتا میں ڈی ایس پی صاحب سے مل لیتا ہوں انہیں مطمئن کر دیتا ہوں۔" اصغر علی نے دھیمے سے کہا۔

"کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟---ہاس کا بیٹا قتل ہو گیا ہے اس سے پہلے وہ اغوا ہوا۔ آپ جس قدر اس بات کو چھپانا چاہیں گے آپ پر اس قدر شک بڑھے گا۔ میرے خیال میں آپ کو ساری بات یہیں صاف کر دینی چاہیے---"

وہ شخص بولا۔ ہمایوں نے اپنے چاچا کی طرف دیکھا جس نے بے چارگی سے پہلو بدلا شاید اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ تب ہمایوں نے کہا۔

"اگر یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ ڈی ایس پی صاحب کو مطمئن کر دیتے ہیں تو ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو۔"

اس کے یوں کہنے پر اصغر علی نے چونک کر ہمایوں کی جانب دیکھا۔ شاید اسے اُمید نہیں تھی کہ ہمایوں اس کے حق میں بولے گا یا اس کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ وہ قدرے حوصلے سے بولا۔

"اور جس وجہ سے میں نے تیمور کے بارے میں معلومات لی تھیں۔ وہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔ میں کہیں بھاگ نہیں جا رہا۔ مجھے اگر تھوڑا وقت دیا جائے یہاں صبح میری ملاقات ان کے درمیان طے ہو جائے تو میں انہیں مطمئن کر دوں گا۔" اصغر علی نے اس بار حوصلے سے کہا تھا۔

"کیوں کیا کہتے ہیں آپ---؟" انسپکٹر نے اس شخص سے پوچھا۔

"لیکن کیا گارنٹی ہے کہ یہ دوبارہ آپ کے ہاتھ آئیں گے؟"

اس نے کہا تو اصغر علی نے پھر ہمایوں کی جانب مدد طلب نگاہوں سے دیکھا۔

"میں دیتا ہوں گارنٹی---" ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

"آپ---وہ کیوں؟" وہ شخص تیزی سے بولا۔

"کاروباری دُنیا میں ایک ساکھ ہی تو ہوتی ہے۔ میں اس کمپنی کی ساکھ کو بچا لینا چاہتا ہوں یہی جذبات میرے آپ کے لیے بھی ہیں۔ اگر تیسرے فریق کے باعث معاملہ صاف ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے---بجائے ان پر توجہ دینے کے اصل مجرموں کی جانب توجہ دی جائے۔ کیا خیال ہے آپ کا---؟" ہمایوں نے تیزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم انہیں---نہیں بلکہ آپ کو کل دوپہر تک وقت دیتے ہیں۔"

اس شخص نے حتمی انداز میں کہا تو اصغر علی کی جان میں جان آئی۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ تھانے سے اُٹھ آئے۔ ہمایوں کی گاڑی میں اصغر علی بیٹھا تو قدرے شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کوئی توجہ نہ دی اور گاڑی بڑھا دی۔ راستے میں اُس نے پوچھا۔

"اگر آپ مجھے اس کی تفصیل بتانا پسند کریں تو ممکن ہے میں آپ کی بھرپور مدد کر سکوں؟"

"اس کی ساری تفصیل میں گھر جا کر بتاتا ہوں۔"

اس نے انتہائی دھیمی آواز میں کہا اور پھر ان کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ گھر کے گیٹ پر جب ہارن بجایا گیا تو اگلے ہی لمحے گیٹ کھل گیا۔ وہ گاڑی سمیت اندر چلا گیا' پورچ میں گاڑی روکی اور پھر اس کے ساتھ ہی اندر ڈرائنگ روم میں چلا گیا جہاں زیتون بی بی' سلمٰی اور ان کے پیچھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی صفیہ کھڑی تھی۔

"فاخر کدھر ہے---؟" اصغر علی نے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا۔

"وہ آرہا ہے---منسٹر صاحب کی طرف گیا تھا۔"

زیتون بی بی نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جبکہ اس نے ایک نگاہ بھی ان پر نہیں ڈالی تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی اجنبی کے ہاں آیا ہو۔ اصغر علی نے ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو جانے کے لیے کہہ دیا۔

ہمایوں صوفے پر بیٹھ گیا تو اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے اصغر علی نے ساری تفصیل اسے بتا دی۔ سب کچھ کہہ دینے کے بعد وہ بولا۔

"ان کاغذات کی فوٹو کاپی میرے پاس ہے۔ میں نے وہاں صرف اس وجہ سے نام نہیں لیا کہ صفیہ کا نام آئے گا۔"

"ہوں---" ہمایوں نے ہنکارہ بھرا' پھر بولا۔ "ٹھیک ہے---میں آپ کے ساتھ ہی ڈی ایس پی سے ملوں گا اور انہیں پوری تفصیلات بتانے کے بعد اسے فراڈ ثابت کریں گے۔ آپ گھبرایئے مت---"

"بہت شکریہ بیٹا ہمیں---" اصغر علی اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہ کہہ پایا' شاید اپنی شرمندگی میں اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔

"او کے' میں چلتا ہوں۔"

ہمایوں نے اٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا' اصغر علی اٹھا اور اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

"اپنا نمبر تو دے دو۔ میں صبح---"

"ٹھیک ہے---"

یہ کہہ کر ہمایوں نے اپنا کارڈ اسے تھما دیا اور باہر کی جانب لپکنے لگا تو زیتون بی بی کمرے میں آ گئی جیسے وہ کہیں انہیں دیکھ رہی ہو۔

"ٹھہرو بیٹا! کچھ کھا پی کر تو جاؤ۔ یوں جانا---"

"نہیں چاچی! میری امی کھانے پر میرا انتظار کر رہی ہوں گی---اللہ حافظ!"

اس نے تیزی سے کہا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ جس وقت وہ اپنی گاڑی میں گیٹ سے باہر نکلا تو سکون کی بلندیوں پر تھا۔ وہ سرشار سا اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ راستے میں اسے جنید کو فون کرنے کا خیال آیا' تب اس نے ساری تفصیلات اسے بتا دیں۔

"تم ان کی مدد ضرور کرنا' کہیں بھی ڈنڈی مارنے یا ان سے انتقام لینے کی کوشش نہ کرنا---اس کا پتہ تمہیں بعد میں چلے گا۔"

"او کے' جیسا تم کہو---" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

وہ اپنے گھر پہنچا تو اُس کا باپ انور علی اور والدہ زینب بھی اس اِنتظار میں بیٹھے تھے کہ وہ بات معلوم کریں جس کے باعث اصغر علی کو پولیس پکڑ کرلے گئی تھی۔ ہمایوں نے پوری تفصیل بتادی تو اُس کی ماں نے پوچھا۔

"یہ زیتون تو صفیہ کے ساتھ ہسپتال میں تھی' اُسے وہاں کیسے پتہ چلا ہے اور لگتا نہیں کہ صفیہ اتنی بیمار تھی کہ فوراً گھر بھی آ گئی؟"

"امی! کون سا اس کے زخم آئے ہوئے تھے اور کون سا پیدل چل کر آنا تھا۔۔۔ زیتون چاچی کو فون ملا تو اُس نے اپنوں کو ہی یاد کیا۔" ہمایوں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں' یہ صدمہ تھوڑا تھا کہ اِس کے باپ کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے اور وہ بھی اسی کی وجہ سے۔۔۔"

زینب نے نفرت بھرے لہجے میں کہا تو انور علی نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

"لیکن بات یہ ہے ہمایوں' کہ زیتون کو تمہارا خیال آیا کیسے۔۔۔ کیا اُنہیں تمہارے بارے میں معلوم تھا؟"

بلاشبہ وہ اس بنیادی بات تک پہنچا تھا جس کے باعث ان دونوں خاندانوں میں پھر سے رابطہ ہوا تھا لیکن ہمایوں یہ بات نہیں بتا سکتا تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ راحیلہ نے احسن طریقے سے اُس کا نیا روپ اُنہیں دکھایا ہوگا۔۔۔ وہ خاموش رہا تو اُس کے باپ نے دوبارہ پوچھا۔ تب اُس نے کہا۔

"ابا جی! میں نہیں جانتا' میں اس وقت سے یہی سوچ رہا ہوں۔"

"اب یوں بھی تو وہ میرے بیٹے سے غافل نہیں رہ سکتے۔ زیتون کا اللہ بھلا کرے' وہ ہمیشہ ہمارے بارے میں اچھا ہی سوچتی ہے' میرے خیال میں اُس نے اس موقعہ پر جو کیا' ٹھیک کیا۔" زینب نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"تو کیا تم اَب بھی اُن سے تعلق رکھنا چاہتی ہو؟"

انور علی نے حیرت سے پوچھا تو زینب خاموش رہی' کوئی جواب نہ دے سکی پھر اس جواب سے بچنے کی خاطر کہا۔

"چلو بیٹا! میں تمہارے لیے کھانا لگا دوں۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھ گئی تو ہمایوں بھی اُس کے پیچھے چل دیا جبکہ انور علی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☆☆

صفیہ اپنے کمرے میں موجود گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دوپہر کے وقت اس نرس راحیلہ نے جس طرح ہمایوں کا ذکر کیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شام ہوتے ہی اس کا ثبوت مل جائے گا اور یہ خبر جہاں اس کے لیے معنی خیز تھی کہ تیمور اغوا ہونے کے بعد قتل ہو چکا ہے' وہاں یہ بات شرم انگیز تھی کہ اس کے باپ کو تیمور کے قتل کے شک میں پکڑ لیا گیا ہے۔ ایک ہی دن میں اتنی ساری باتیں اس کے دماغ پر بوجھ بن گئی تھیں۔ کتنی دیر تک اسے سمجھ نہیں آ سکی تھی کہ وہ کس پر سوچے اور کس بات کو نظرانداز کر دے؟ وہ جس قدر تیمور کے بارے میں سوچتی' اتنی شدت سے ہمایوں اس کے سامنے آ کھڑا ہوتا جس نے ایک نگاہ بھی اسے دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں سانپ کی مانند بل کھاتا ہوا ایک خیال

آ گیا۔ جس پر وہ چونک گئی ـــــ اگر ہمایوں نے میرے پاپا کی مدد کی اور وہ اس معاملے میں سے صاف نکل گئے تو اس کا احسان کا بدلہ کہیں میرے گھر والوں کو اس طرف نہ لے جائے کہ میری منگنی اور پھر شادی ـــــ" اتنا سوچتے ہی وہ بے قرار ہوگئی۔ اس نے شدت سے سر مارتے ہوئے خودکلامی میں کہا۔

"نن نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مَیں مر جانا قبول کرلوں گی مگر ہمایوں کے ساتھ ---"

"--- اور اگر موقعے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُس نے تمہارے تھپڑ کا انتقام تمہارے خاندان سے لیا تو پھر تم کیا کرو گی؟ تمہارا باپ جیل چلا جائے گا سب کچھ بکھر جائے گا۔ پھر اگر تم اُن کی سطح پر آ گئیں تو شاید تمہیں ہمایوں بھی قبول نہ کرے ---" دماغ بھی خاموش نہ رہا۔

"اُس میں اتنی جرأت کہ میرے خاندان سے انتقام لے ---؟" دل چیخا۔

"اَب بھی تم خرگوش کی مانند آنکھیں بند کر رہی ہو اگر وہ تیمور کے ساتھ تمہارے معاملے ہی کو اُچھال دے تو تمہارے دامن میں کیا رہ جائے گا؟"

"یہ کوئی نئی بات تو نہیں' بہت سارے لوگ میرے اور تیمور کے تعلق بارے جانتے ہیں۔"

"تم جھوٹی اَنا میں سارے کام خود ہی خراب کرلو گی' تمہارے ہسپتال جانے ہی سے کتنے افسانے بن گئے ہیں۔ تمہارا باپ اس کے قتل کے الزام میں دھر لیا گیا ہے۔ کیا تم اَب بھی شرمندگی محسوس نہیں کر رہی ہو؟ وہ جو قتل ہو گیا' جس نے بہت بُرے انداز میں تمہاری ہتک کی ہے' وہی تمہارے باپ کو بھی ذلیل و رُسوا کردینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر مقدمہ چلا تو کیا تمہیں عدالت میں نہیں لائیں گے۔ پھر تم کیا جواب دو گی ---؟"

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ" وہ سر مارنے لگی۔

"تم اپنے خوابوں میں اپنی زندگی تو بسر کرسکتی ہو لیکن حقیقت کی دُنیا میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم نے جو نفرت سے ایک شخص کے جذبات کو ذلیل و رُسوا کر دیا تھا' آج وہی تمہارے خاندان سمیت تمہیں بچانے کے لیے آ گیا ہے۔ تمہیں اُس کی قدر کرنی چاہیے۔"

"وہ اگر احسان کرے گا تو میرے پاپا پر' مجھ پر نہیں۔ مَیں اُسے ہرگز قبول نہیں کرسکتی۔ میرے جو رُسوائی ہونا تھی' ہو چکی۔ مجھے عدالت میں بھی جانا پڑا تو مَیں جاؤں گی لیکن فقط ہمایوں کی مدد کے عوض مَیں اُس کی ہو جاؤں گی ایسا قطعاً نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن اَب تم اُس کے ساتھ نفرت کا اظہار بھی نہیں کرسکتی ہو' کیا یہ تمہاری شکست نہیں ہے؟"

"نہیں مَیں کبھی شکست نہیں مانوں گی مَیں اپنے خوابوں کی تعبیر حاصل کر کے رہوں گی' کل اگر میرے پاس دولت اور حیثیت ہوگی تو کسی کو بھی میرے ماضی پر اُنگلی اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوگی مَیں اِن حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لوں گی۔ ابھی ہمایوں کو میری سطح تک آنے میں بہت وقت لے گا' وہ خود دولت مند نہیں بلکہ دولت مندوں کا غلام ہے' اُن کی نوکری کر رہا ہے۔ یہ پوزیشن اُس کی نہیں' اُس کے پیچھے دولت مندوں کی ہے۔ آج اگر وہ اُس سے ہاتھ ہٹالیں تو اُس کی پوزیشن پھر وہی فٹ پاتھیے والی ہوگی۔"

"لیکن حالات یہ ہیں کہ تم فٹ پاتھ پر آسکتی ہو۔"

"نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں یا میرے پاپا اگر مجرم نہیں ہیں تو ہم اسے ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں البتہ میں یہ مانتی ہوں کہ میری بے وقوفی کی وجہ ہی سے یہ سب ہو رہا ہے۔ اس بے وقوفی کی قیمت چکانا پڑے گی' کوئی بات نہیں لیکن اگر اس کی قیمت ہمایوں کے ساتھ کی صورت چکانا پڑی تو میں خود کو ختم کر لوں گی۔"

"حالات اگر اس نہج پر آ گئے۔۔۔؟"

"خاموش! میں اس پر سوچنا ہی نہیں چاہتی۔۔۔"

اس نے چیخ کر کہا اور پھر اسے اپنا کمرا ڈولتا ہوا محسوس ہوا جیسے وہ کسی ہنڈولے میں بیٹھی ہے۔ اس نے بہتیرا خود پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی اور پھر سے بے ہوش ہو گئی۔ ڈوبتے ہوئے منظر میں اس نے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا تھا' جو اس سے کچھ پوچھ رہی تھی لیکن اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس کے بعد ہی اندھیرا چھا گیا تھا۔

☆☆

رات اپنا سفر طے کر چکی تھی اور جنید مسلسل سوچتا چلا جا رہا تھا کہ وہ کس طرح کی زندگی میں آ چکا ہے۔ وہ ایک چھوٹا سا وعدہ بھی راحیلہ سے نہ نبھا سکا' اگر کوئی بڑا وعدہ اس سے کر لیتا تو کیا وہ نبھا سکتا یا پھر آئندہ زندگی میں اگر اسے اچانک اس کی ضرورت پڑ گئی تو وہ اس تک پہنچ پائے گا۔ کیا سہولیات دے دینے سے دوسرے انسان کی تمام تر ضروریات پوری ہو جاتی ہیں؟۔۔۔ اس ایک ذرا سی سوچ نے اسے ماضی میں لا پھینکا' بہرحال سے گزرتے ہوئے وہ مستقبل کے دھندلکوں میں جا پہنچا جہاں خوف کے سائے زیادہ منڈلا رہے تھے اور ان میں راحیلہ کا وجود ہوا کے دوش پر کسی کٹی پتنگ کی طرح ہچکولے کھا رہا تھا۔ یہ ایک ایسا خوفناک منظر تھا کہ جس سے اسے جھرجھری آ گئی اور وہ سوچوں سے کٹ کر حقیقت کی دنیا میں آ گیا۔ وہ چند لمحے یونہی بیٹھا رہا' پھر جیسے اسے یاد آ گیا۔ اس نے تیمور والی سم نکالی اور ایک فون میں ڈال کر تیمور کے باپ کا نمبر پش کر دیا' تیسری بیل پر فون ریسیو کر لیا گیا۔

"خدا کے لیے میرے بچے کی لاش دے دو' تم جو مانگو گے میں دوں گا۔ تم دو کروڑ لے لو' مگر میرے بچے کی لاش واپس کر دو۔ مردے کی بے حرمتی کوئی بھی نہیں کرتا۔" اس کا باپ روتے ہوئے بولا۔

"کس قدر بدقسمت باپ ہو' زندہ بیٹے کو مار دیا اپنی دولت کے لیے اور اب مردہ بیٹے کی لاش کا سودا ابھی دو کروڑ میں کر رہے ہو؟"

"میں بے وقوف تھا' احمق تھا' مجھے زعم تھا اپنی رسائی پر۔۔۔ پوری فورس حرکت کر رہی ہے لیکن میرے بچے کا نام و نشان تک نہیں ملا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے' یہ فون بھی کہیں ٹیپ نہیں ہو رہا ہوگا؟"

"۔۔۔ ہوتا رہے' لیکن جب میں تمہیں رقم دینا چاہتا ہوں تو کوئی درمیان میں نہیں آئے گا۔۔۔ بولو میں رقم کہاں پہنچاؤں اور۔۔۔" یہ کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"تم رقم تیار رکھو' میں بتاتا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہوگا۔"

"پلیز ---- خدا کے لیے مجھے بتاؤ۔"

"صبر کرو بتاتا ہوں ---"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ اسی سم میں گھر کے ایک ملازم کا نمبر بھی تھا جنید نے وہ نمبر دوسرے فون سے ملایا جو تھوڑی دیر بعد ریسیو کر لیا گیا۔

"کون ہے اتنی رات کو تنگ کر رہا ہے ---؟" اس نے خمار آلود آواز میں انتہائی حیرت سے کہا۔

"میں تمہارا چھوٹا صاحب ہوں تم ایسا کرو فوراً یہ فون لے کر پاپا کے پاس جاؤ۔"

"اتنی رات گئے میں کیسے --- میں سرونٹ کوارٹر ---"

"میں نے کہا نا جلدی جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں فوراً پہنچو ---"

"جی --- جی ---"

یہ کہتے ہوئے وہ فون بند کرنا بھول گیا۔ جنید کو آوازوں سے لگ رہا تھا کہ وہ اٹھا ہے۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد کسی دروازے پر دستک ہوئی۔

"جی چھوٹے صاحب کا فون ہے ---"

پھر چند لمحوں بعد تیمور کے باپ کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو ---"

"میں ہوں --- غور سے سنو تم نے کیا کرنا ہے۔"

"بولو میں سن رہا ہوں۔"

"تمہارا بیٹا زندہ ہے اسے ایک خراش تک نہیں آئی۔"

"کیا واقعی ---؟" اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"تمہارے پاس یہ آخری موقعہ ہے۔ ابھی تک تمہارے بیٹے کو خراش تک نہیں آئی میں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر تم ---"

"نہیں --- تم رقم پہنچانے کی بات کرو بس ---!"

"تو پھر اس کو رقم دو ابھی اور پچھلے دروازے سے یہ بندہ رکشے میں بیٹھ کر اڈے کی جانب چلا جائے میں اسے سنبھال لوں گا --- رقم ملتے ہی تمہارا بیٹا آزاد ہو گا۔"

"میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم سچ کہہ رہے ہو یا جھوٹ لیکن میں اسے ابھی رقم دے رہا ہوں یہ ویسا ہی کرے گا۔"

"تو تمہارا بیٹا بھی مل جائے گا ---"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ پھر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے فون سے کسی بندے کو فون کر کے کہا۔

"یہاں سے ایک ملازم پچھلے دروازے سے باہر نکلے گا' اس کا نمبر میں تمہیں دیتا ہوں ——— وہ رکشے میں آئے گا' کنفرم کر کے بیگ لینا اور مجھے بتا کر محفوظ جگہ چلے جانا' پھر رابطہ ہو جائے گا۔"

اس وقت جنید اُبھرتے ہوئے سورج کو دیکھ رہا تھا جب اسی بندے کا فون آ گیا کہ بیگ لے لیا گیا ہے اور اب وہ محفوظ جگہ جا رہے ہیں' پھر چند ہدایات دینے کے بعد وہ پرسکون ہو گیا۔ اس نے اس شخص سے بات کی جو تیمور کے پاس تھا' وہ اُسے لے کر اس شہر سے نکل چکے تھے۔ اس نے تیمور کی بات اس کے باپ سے کروادی پھر دن کے پہلے پہر تک مطمئن ہو جانے کے بعد اس نے ہمایوں کو فون کر دیا۔

"جی جناب ---!" ہمایوں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تمہیں اپنے چچا کو ڈی ایس پی کے پاس لے جانا ہو گا مگر وہاں بات کچھ مختلف ہو گی۔"

"میں سمجھا نہیں ---"

"تیمور واپس آ گیا ہے اپنے گھر --- اب تم نے بات پھیلنے سے پہلے چاچا کو اپنے پاس بلوا لینا ہے اور دوسری پارٹی کے ساتھ تمہارا رویہ کیا ہو گا' تم خود سمجھدار ہو۔ مجھے فون مت کرنا میں اب سونے لگا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا --- آپ آرام کرو شام کو ملاقات ہو گی۔"

"اوکے ---"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ پھر بیڈ پر لیٹتے ہوئے اس نے سوچا کہ شام سے قبل اُسے آدھی رقم مل جانے والی تھی' پھر اس کے بعد ہی وہ کوئی بات سوچے گا۔

☆☆

ڈھلتی شام کے سائے دھیرے دھیرے گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ کچن میں بیٹھی ہوئی راحیلہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اُس کے ذہن میں فقط ایک سوال گونج رہا تھا کہ کہیں وہ سراب کے پیچھے تو نہیں دوڑ رہی؟ اس سوال نے تو اُس کا چہرہ زرد کر کے رکھ دیا تھا حالانکہ شام سے پہلے جب وہ ڈیوٹی آف کر کے گھر آنے والی تھی' اس وقت نسرین کے ساتھ خوب ہنس ہنس کے خوشگوار موڈ میں باتیں کرتی رہی تھی۔ چند دنوں بعد ان کے امتحان شروع ہونے والے تھے۔ نسرین اُسے دیکھ کر یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اب وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہے' اسی بات کو لے کر وہ دیر تک اپنے ماضی کو یاد کر کے باتیں کرتی' ہنستی مسکراتی رہی تھیں۔ اس وقت وہ ہسپتال سے نکل رہی تھی جب جنید کا فون آ گیا کہ وہ آ رہا ہے۔ اُس نے دھیرے سے سن کر فون بند کر دیا تھا۔ گھر آ کر اُس نے رضیہ کی مدد سے پر تکلف کھانے کا اہتمام کرنا شروع کر دیا مگر اُسے پھر بھی یقین نہیں تھا کہ وہ آئے گا۔ یوں سوچ کا ایک سرا اُس کے ہاتھ آیا تو پھر یہ ڈور اُلجھتی چلی گئی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب بار بار ہاتھ میں آتی ہوئی خوشیاں دسترس سے نکل جائیں تو انسان بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے تاہم اس وقت تک یقین رہتا ہے جب تک حوصلہ مضبوط ہو' حوصلہ ہارتے ہی یقین ختم ہو جاتا ہے۔ راحیلہ مسلسل یہی سوچے چلی جا رہی تھی کہ اُس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی لیکن جنید کیا چاہتا ہے' اس بات کی سمجھ اُسے اب تک نہیں آ سکی تھی۔ تبھی کال بیل سنائی دی تو وہ چونک گئی۔

"میں دیکھتی ہوں---" رضیہ نے اپنے ہاتھ کپڑے سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں جاتی ہوں۔"

یہ کہہ کر راحیلہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پلیٹ ایک جانب رکھی اور کچن سے نکل کر گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ باہر ہمایوں کھڑا تھا۔ راحیلہ کی توقع چھناکے سے ٹوٹ گئی۔ اُس کے ذہن میں یہی آیا کہ آج پھر جنید نہیں آ سکا اور اُس نے ہمایوں کو بھیج دیا ہے۔

"میرا آنا اچھا نہیں لگا---؟" ہمایوں نے اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے حیرت اور شرمندگی کے ملے جلے احساس کے ساتھ کہا۔

"نن نہیں تو--- آؤ آپ---" راحیلہ گڑبڑاتے ہوئے بولی۔

"کیا جنید نے میرے آنے کے بارے میں نہیں بتایا' وہ آیا نہیں ابھی تک---؟" ہمایوں نے تیزی سے پوچھا۔

"ابھی تک تو نہیں---؟"

راحیلہ نے کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے کہا تو ہمایوں نے فوراً ہی اپنا فون نکالا اور اُس کے نمبر پش کر دیئے' پھر رابطہ ہو جانے پر پوچھا۔

"کدھر ہو آپ ابھی تک پہنچے کیوں نہیں؟" یہ کہہ کر وہ دوسری جانب سے کچھ سنتا رہا پھر بولا "میں اِدھر گیٹ پر کھڑا ہوں۔ آپ آؤ گے تو اندر جاؤں گا۔" یہ کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا۔

"کیا بات ہے؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"کہتا ہے قریب ہی ہوں ابھی چند منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" اُس نے بتایا۔

''اچھا آپ گاڑی تو اندر لے آئیں نا!''

راحیلہ نے دھیرے سے کہا تو ہمایوں پلٹ کر گاڑی تک گیا۔ جیسے ہی اس نے گاڑی اندر کی انہی لمحوں میں جنید بھی آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی راحیلہ کو یوں لگا جیسے کوئی خزانہ اسے مل گیا' اس کے روم روم میں خوشی سرایت کر گئی۔ اُس نے گیٹ کھلا دیکھا تو سیدھا گاڑی اندر لے آیا' ہمایوں نے گیٹ بند کر دیا۔

''تمہیں یقین نہیں تھا کہ میں آؤں گا؟'' اُس نے راحیلہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان سے پوچھیں' مجھے کیا کہہ رہے ہیں۔'' راحیلہ نے جواب دیا۔

''بھئی میں نے سوچا' شاید اس بار بھی مجھے تمہاری جگہ کھانا کھانا پڑے گا۔'' ہمایوں مسکراتے ہوئے بولا۔

''راحیلہ! کیا تم اتنا بدمزہ کھانا بناتی ہو کہ ہمایوں جیسا بندہ بھی خوفزدہ ہے؟'' جنید نے خوشگوار لہجے میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

''آپ بیٹھیں' میں ذرا کچن میں دیکھوں۔'' راحیلہ نے اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

''امی کہاں ہیں آپ کی؟''

''اپنے کمرے میں ---- کیوں؟'' راحیلہ نے پوچھا۔

''میں ملنا چاہتا ہوں۔''

''میں بتا دیتی ہوں' وہ ادھر ہی آ جائیں گی۔'' راحیلہ نے کہا۔

''اوکے ---''

وہ حتمی انداز میں بولا تو راحیلہ اندر کی جانب چلی گئی' تب ہمایوں اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

''جی ہمایوں صاحب! کیا روئیداد ہے آج کی ----؟''

جنید نے پوچھا تو ہمایوں نے چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

''کوئی خاص نہیں' وہ جا ہے والے معاملے میں تو بات بہت آگے تک گئی ---- خیر میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔''

''تم اختصار سے بتاؤ۔'' جنید نے تیزی سے کہا۔

''ڈی ایس پی کے پاس تو جانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ میں نے جب اُسے فون کیا تو اُس سے وہی بات ہو گئی' انہیں خبر مل چکی تھی تاہم میں نے پھر کسی وقت ملنے پر اصرار کیا تو کل میری اُس سے بات ہونے والی ہے۔'' وہ بولا۔

''اب اُس سے کیا بات کرنی ہے؟'' جنید نے پوچھا۔

''وہی' جو تیمور نے سبز باغ دکھانے کے چکر میں جعلی دستاویز بنائی تھیں۔'' اس نے بتایا۔

''او' تم اسے اپنے کسی مقصد کے لیے استعمال کرو گے؟''

"کیوں نہیں ——میں نے جاچے کو فون کیا' وہ تیار تھا۔ میں نے اُسے آفس بلوالیا' پھر وہیں اُسے بتا دیا کہ بات کیا ہوئی ہے۔ اُس نے خاصی شرمندگی کا اظہار کیا۔ وہ جو غرور تھا نا' وہ نہیں رہا۔ وہ میرے ساتھ اباجی کے پاس جانے کو تیار تھا مگر میں نے اپنی مصروفیت کا بہانہ بنا دیا۔" ہمایوں کے لہجے میں نفرت سلگ رہی تھی۔

"کیوں نہیں بلوایا---؟" جنید نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں اباجی سے تو پوچھ لوں کہ وہ اُن سے ملنا بھی چاہتے ہیں یا نہیں' پھر اتنے برس بعد---" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"تمہاری منزل تو صفیہ ہے نا' اس تک رسائی کا راستہ تمہیں مل گیا ہے تو پھر---؟"

"وہ اَب میری منزل نہیں ہے' میں نے آپ کو بہت دفعہ کہا ہے البتہ جو میں چاہتا ہوں' وہ اَب مجھے میسر آچکا ہے---" ہمایوں نے کہا تو دونوں میں خاموشی چھا گئی' جیسے دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچ رہے ہوں کہ اَب کس موضوع پر بات کریں یا پھر دونوں ہی اپنے خیالوں میں کھو گئے تھے۔ اتنے میں راحیلہ ٹرے میں ٹھنڈا مشروب لے کر آگئی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے دونوں کی جانب دیکھا' پھر بولی۔

"کیا بات' آپ دونوں ہی خاموش ہیں؟"

"ہم دونوں تمہارا انتظار کر رہے تھے کہ تم آؤ تو صفیہ کے بارے میں پوچھیں--- سنا ہے' وہ اَب دوبارہ ہسپتال میں ہے؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"ہاں' وہ دوبارہ وہیں ہے---لگتا ہے' وہ اس صدمے سے باہر ہی نہیں آرہی۔ راحیلہ نے عام سے انداز سے کہا۔ اُسے کہاں معلوم تھا کہ دونوں کے درمیان یا پھر جنید نے اس کے پس منظر میں کیا کچھ کہا ہے۔

"ٹھیک ہو جائے گی' وقت مرہم ہوتا ہے۔" جنید نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں' یہ تو بتاؤ کہ صفیہ سے میرے بارے میں کیا باتیں ہوئیں؟"

ہمایوں نے پوچھا تو راحیلہ نے دھیرے دھیرے ساری بات بتا دی' تب تک تینوں نے مشروب بھی ختم کر لیا تو راحیلہ پھر سے کچن میں چلی گئی۔ ان دونوں کے درمیان بہت ساری باتیں ہوئیں۔ جنید اسے ان راہوں کے بارے میں تفصیل سے بتاتا رہا جن سے وہ اپنے مقاصد حاصل کر سکتا تھا' یہاں تک کہ کھانا آگیا۔ کھانے کے دوران وہ تینوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ راحیلہ کی امی بھی ان سے آکر مل گئیں۔ چائے پینے کے بعد ہمایوں چلا گیا تو وہ دونوں رہ گئے۔ جنید باہر گیا اور گاڑی میں سے ایک بیگ نکال لایا۔

"اس میں کیا ہے؟" راحیلہ نے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں' اپنے کمرے تک چلو---"

جنید نے کہا تو راحیلہ کا چہرہ ایک دم سے زرد ہو گیا' پھر اگلے ہی لمحے اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"آیئے---"

وہ دونوں کمرے میں آ گئے۔ راحیلہ نے دروازہ کھلا رہنے دیا تو جنید نے اسے بند کر دیا۔ وہ ایک صوفے پر جا بیٹھا تو راحیلہ بیڈ کے ایک کونے پر ٹک گئی۔ تب جنید نے بیگ کی زپ کھولی اور راحیلہ کے سامنے کر دیا، اسے دیکھتے ہی وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے جنید کی جانب دیکھنے لگی۔

"یوں کیا دیکھ رہی ہو ---؟" اُس نے پوچھا۔

"اِت --- نے --- سارے روپے ---" وہ ہکلاتے ہوئی بولی۔

"تقریباً ایک کروڑ ہیں یا پھر اس سے تھوڑے کم ہوں گے۔" یہ کہہ کر اُس نے راحیلہ کے چہرے کی جانب دیکھا جو لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔ "اِتنی حیرت زدہ مت ہو، یہ تو شروعات ہیں --- تم انہیں سنبھال کر رکھو۔" اُس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"میں --- میں اِتنے سارے کہاں --- نہیں۔" وہ اَب تک ہکلا رہی تھی۔

"اِتنا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ زندگی ہے، اس میں بہت سے حیرت انگیز منظر دیکھنے کو ملیں گے۔ جن میں خوشیاں بھی ہو سکتی ہیں اور دُکھ بھی ---" اُس نے سمجھایا۔

"لیکن ایسی خوشی کیوں حاصل کی جائے، جس کے پیچھے بہت بڑا غم ہو؟" وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

"یہ فقط سوچنے کا فرق ہے --- میں کہتا ہوں، ایسا غم کیوں پالا جائے جو چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا بھی گلا گھونٹ دے۔" جنید نے سمجھانا چاہا۔

"میں مانتی ہوں کہ زندگی کے ہزاروں رنگ ہیں۔ اس میں غم بھی ہیں اور خوشیاں بھی لیکن یہ جو دولت دکھائی دے رہی ہے، یہ پھندا ہے، میں جان بوجھ کر خودکشی نہیں کرنا چاہتی ---" یہ کہتے ہوئے اسے اپنا لہجہ قدرے اجنبی لگا تھا۔ اس کے ساتھ یہ احساس اُبھر آیا تھا کہ جس کے لیے وہ زندگی داؤ پر لگا چکی ہے اس کا ساتھ کہیں خودکشی کے مترادف تو نہیں؟

"تم اِسے میری امانت سمجھ کر رکھ لو --- میں بحث نہیں چاہتا۔ میں خود تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اس سے جس قدر چاہو خرچ کر لینا۔" جنید نے پھر سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"لیکن کیوں --- اچانک اِتنی دولت سڑک پر پڑی تو نہیں مل جاتی، یہ ---"

"--- غلط طریقے سے آئی ہے لیکن یہ دولت غلط لوگوں نے غلط طریقے سے حاصل کی تھی کیوں نہ اسے اچھے انداز سے اِن لوگوں کو واپس کر دیا جائے، جن سے یہ لی گئی ہے --- میں اِن تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا لیکن اِتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ مزدور کے منہ کا نوالہ چھیننے والا ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ وہ چاہے سرمایہ دار ہے یا جاگیر دار یا پھر کوئی نو دولتیا۔ اس ملک میں عوام کا استحصال کرنے والے تو اچھی زندگی گزاریں لیکن ہر معاملے میں قربان عوام کو کیا جائے، مجھے قے آتی ہے سیاستدانوں کے ان بیانات پر جب وہ اپنے مفاد کی خاطر عوام کے دُکھ کی بات کرتے ہیں۔ کتنے آئے اور کتنے گئے لیکن عوام کی حالت دن بہ دن خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ آخر ملکی سرمایہ جاتا کہاں ہے؟ --- مجھے اِن دانشوروں کے لفظوں سے بو آتی ہے، جو ملک کی معاشی بہتری کے پلان تو بناتے ہیں لیکن دو روٹی کو ترستے عوام کو نظر انداز کر کے انہی لوگوں کو مراعات دے دیتے ہیں جو پہلے ہی

دولت مند ہوتے ہیں۔تم ۔۔۔۔تم ان چکروں میں مت پڑو۔اس رقم کو سنبھالو۔میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔"

"جنید!میں بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں جس کے استحصال کی بات آپ کر رہے ہیں۔میں جانتی ہوں کہ روٹی حاصل کرنا کس قدر مشکل ہو گیا ہے لیکن کیا روٹی کے بدلے میں ہم اس راہ پر چل نکلیں جو غلط سمت میں جاتی ہے۔۔۔؟"

"تم بتاؤ کیا حل ہے اس کا۔۔۔؟"اچانک اس نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

"انصاف۔۔۔ہر کسی کے ساتھ انصاف'آگے بڑھنے کے مواقع۔۔۔"راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"جو یہاں دُور دُور تک دکھائی نہیں دے رہا ہے۔۔۔تم اپنے ذہن میں خدمتِ خلق کے لاکھ پلان بنالو لیکن جب تک تمہارے پاس سرمایہ نہیں ہوگا وہ پلان کسی کام کے نہیں'باصلاحیت نسلیں تباہ ہو رہی ہیں اور ہر صاحبِ اختیار اور بااختیار کے پاس صرف بیانات ہیں۔قانون کی بات کر کے لاقانونیت میں حصہ دار بن جاتے ہیں۔۔۔چھوڑو راحیلہ!چھوڑو۔سوچنا چھوڑو اور وہ سب کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔اسے سنبھالو میں بعد میں بتاؤں گا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔"

"ہر بات بعد میں۔۔۔"راحیلہ نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔"وہ تیزی سے بولی'پھر اس نے بیگ کی زپ بند کی اور اسے اٹھا کر الماری میں رکھا'واپس آکر اسی طرح بیڈ کے کونے پر بیٹھ گئی۔دونوں کے درمیان کچھ دیر تک خاموشی رہی'پھر وہ بولا۔

"راحیلہ!اگر تمہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے تو کہو۔میں تمہاری ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔۔۔میں نے کچھ نہیں کہنا۔"وہ دھیرے سے بولی۔

"۔۔۔اور میرے پاس بھی کہنے کو کچھ نہیں ہے۔بس مجھ پر اعتبار کرنا'یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

جنید نے کچھ اس انداز میں کہا کہ راحیلہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔اس کے لہجے'انداز اور بات میں نجانے کیا جادوئی اثر تھا کہ راحیلہ کو سکون کا احساس ہوا تھا'یوں جیسے کوئی دُکھ کی چادر اُتار پھینکتا ہے۔

"مجھے آپ پر اعتبار ہے تو میں یہاں تک آگئی ہوں ورنہ اب تک گندگی کا ڈھیر بن چکی ہوتی۔"

"یہی تمہارا حوصلہ مجھے پسند ہے راحیلہ!یونہی ثابت قدم رہو اور اِن مظلوموں کا سہارا بن جاؤ جو تمہاری طرح اس معاشرے سے لڑ رہے ہیں۔"

"جنید!میں مانتی ہوں کہ اس معاشرے میں نیکی کرنے والے بہت کم ہیں۔میرے ہسپتال کی مثال لے لیں'وہاں نیکی کرنے والے تھوڑے ہیں لیکن ہیں'ان کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا البتہ برائی کے درپے لوگ بھی کم نہیں۔ہوس کے متوالے اِن نیکی کرنے والوں کو دبا جاتے ہیں۔مجھے غصہ اس اکثریت پر ہے جو نہ تو نیکی کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں اور نہ برائی کرنے والوں کا اور جہاں اپنا مفاد دیکھتے ہیں'

اُدھر لڑھک جاتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں اصل استحصالی طبقہ وہ ہے جو خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔"

"یہ تمہارے ہسپتال کا حال ہی نہیں ہے ہر طبقے میں ایسا ہے۔ اِن ایوانوں میں جہاں تقدس ہونا چاہئے وہاں ویسا کچھ نہیں مل رہا ہے۔ ہسپتال میں تو مسیحا ہوتے ہیں۔ اِن میں کتنے لوگ ہیں جو اِسے عبادت سمجھ کر اپناتے ہیں۔ اِس معاشرے میں غریب آدمی بیمار ہو جائے تو اُسے موت دکھائی دیتی ہے یہی سوچ کر کہ دوائی کے پیسے کہاں سے لائے گا' ڈاکٹر کی فیس کہاں سے دے گا یا سرکاری ہسپتال میں کتنی دیر تک دھکے سہنے کی قوت و برداشت رکھتا ہے۔ تم انصاف چاہتی ہو نا! فیصلہ تم کرو۔"

"میں وہی کروں گی جو آپ چاہیں گے۔"

راحیلہ نے جذب کے عالم میں کہا تو ان کے درمیان خاموشی چھا گئی تب جنید اٹھا اور کھڑا ہو کر بولا۔

"میں چلتا ہوں----"

"کہاں----؟" وہ حیرت سے بولی۔

"جہاں مجھے جانا چاہئے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا آپ اپنا کمرا ابھی نہیں دیکھیں گے۔ جو میں نے آپ کے لیے سجایا ہے؟" اِس نے پرشوق انداز میں کہا۔

"واقعی----؟"

جنید نے کہا اور راحیلہ کے ساتھ باہر کی جانب چل دیا۔ دونوں ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے' راحیلہ نے روشنی کی تو جنید کو یہ احساس بہت اچھا لگا کہ کسی نے اُس کے لیے اِتنے بھرپور انداز میں یہ کمرا اس لیے سجایا ہے۔ وہ چند لمحے دیکھتا رہا' پھر پلٹتے ہوئے بولا۔

"اچھا ہے بہت اچھا ہے---"

"کچھ دیر بعد جنید چلا گیا۔ راحیلہ کافی دیر تک اُس کے احساس میں گھری رہی پھر اس نے وضو کیا اور اپنے کمرے میں آ گئی جہاں خوشگواریت کے احساس میں ڈوبی' جذب کے عالم میں وہ اللہ رب العزت کے حضور جھک گئی۔ اُسے بہت خلوص سے اپنے رب سے جنید کے لیے دُعائیں مانگنا تھیں۔

☆☆

عشق کیا ہے؟---- یہ بحث صدیوں سے چلتی آئی ہے اور شاید آئندہ بھی یہ بحث جاری رہے گی تاہم گزرتے ہوئے اِس وقت میں عشق کو بہت حد تک سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصول یہ ہے کہ وہ بات جس پر بہت زیادہ لوگ متفق ہو جائیں اِسی کو درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ عشق کو سمجھنے کے لیے اِنسان کے اندر اِس "شے" کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اِس بندے کو عشق ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے' عشق کے بارے میں اِسی وقت معلوم ہو سکتا ہے نا جب کسی سے اعمال ایسے سرزد ہوں' اعمال ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے اندر کیا ہے؟---- اِنسان کے "اندر" کو اگر ہم زرخیز زمین تصور کر لیں تو ہم عشق کو سمجھنے کی ایک کوشش کر سکتے ہیں۔ زرخیز زمین میں آپ جو بوئیں ویسی ہی فصل تیار ہو جاتی ہے لیکن اس وقت

تک زرخیز زمین بھی فصل نہیں اُگا سکتی جب تک اُسے اِس کے لیے تیار نہ کرلیا جائے ورنہ جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہوتے رہیں گے' گھاس پھونس اور جھاڑیاں اُگتی رہیں گی' جب تک جھاڑ جھنکاڑ' گھاس پھونس اور جھاڑیوں کو صاف کر کے زمین کو تیار نہیں کیا جاتا تو اعلیٰ درجے کی فصل نہیں اُگائی جا سکتی۔ اَب یہ بات بھی نہیں ہے کہ کوئی فصل نہیں اُگے گی تاہم معمول کے ماحول میں اگر فصل اُگانے کی کوشش کی جائے گی تو فصل بارآور نہیں ہوگی۔ زمین میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ہر اس بیج کو اُگا دے جو اس میں اپنا آپ کھو دیتا ہے۔ اگر صلاحیت کے بغیر زمین ہوگی تو اس میں کچھ نہیں اُگے گا لہٰذا پہلے زمین کو اس قابل بنایا جائے کہ اِس میں بیج بویا جاسکے۔ انسان کا من بھی ایسا ہی ہے۔ انسان کے اندر اللہ ربّ العزت نے ہر طرح کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ یہ صلاحیتیں اِس وقت تک سامنے نہیں آسکتیں جب تک اِنہیں اُجاگر کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ من کی زرخیز زمین پر وہی کچھ اُگتا رہتا ہے جو ہم شعوری یا لاشعوری طور پر بوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر کسی من میں' عشق کا بیج آن پڑے تو فصل عشق ضرور اُگتی ہے۔ ہم نفرت' محبت' اُمید' یاس اور نجانے کیسے کیسے بیج بوتے رہتے ہیں۔ جن کی فصل بھی بارآور ہوتی ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے اور یہ بھی قانونِ قدرت ہے کہ بیج سے لے کر فصل تک کا ایک مرحلہ ہے' سازگار ماحول ملتا ہے تو بیج ایک تناور درخت کا رُوپ بھی دھار لیتا ہے۔ جس پر پھل' پھول اور پتے بھی اُگتے ہیں لیکن کیسے' وہ کیا "شے" ہے جو انہیں ایک بیج سے تناور درخت کا رُوپ دے دیتی ہے؟ وہ ایک اَن دیکھا عمل ہے جو تناور درخت کی جانب محوِ سفر رکھتا ہے' یہاں تک کہ بے شمار نئے بیج بنا دیتا ہے اور وہی قوت دراصل عشق ہے۔ عشق وہ قوت ہے جو انسان کو اس کی منزل تک پہنچا دینے میں سب سے زیادہ محرک ثابت ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اِنسان میں عشق اِس وقت اُترتا ہے جب تمنا کا بیج اِنسان کے من میں بو دیا جاتا ہے۔ جو چیز' شے یا قوت بیج کو تناور درخت بنا دیتی ہے وہی تمنا کو منزل تک لے جانے کی قوت دیتی ہے۔ اِنسان کا من اگر فضول خواہشات' بے جا جذبات اور لاحاصل اُمیدوں کے جھاڑ جھنکاڑ سے صاف ہوگا تو عشق تمنا کے بیج کو تناور درخت بنا دے گا جو نہ صرف بارآور ہوگا بلکہ بے شمار نئے بیج بھی دے دے گا' اس لیے صوفیا حضرات تزکیہ نفس کی بات کرتے ہیں اور بلاشبہ دینِ فطرت بھی اِنسان سے یہی چاہتا ہے۔ جس طرح صوفیا کا اتفاق ہے کہ عشق اپنی سمجھ خود ہی عطا کرتا ہے' اسی طرح عشق اِنسان کو بدل دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے لیکن اس سے پہلے یہ نکتہ سمجھ لینا بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ عشق کسی بھی شے' اِنسان اور ربّ سے بھی ہوسکتا ہے۔ بیج جس طرح کا ہوگا' درخت بھی ویسا ہی اُگتا ہے۔ زمین بددیانتی نہیں کرتی' ببول کے بیج سے برگد نہیں اُگتا اور نہ برگد سے ببول ——— پھر وہ کون سی صلاحیت ہے جو اِنسان کو بدل کر رکھ دیتی ہے؟ وہ ہے اِنسان کا اپنا خیال' یہ خیال ہی ہے جس سے اِنسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے من میں کیسا بیج اُگا ہوا ہے۔ وہ اس کی آبیاری کرتا رہتا ہے یا پھر نیا بیج اُگانے کی سعی کرتا ہے۔ اَب یہ اِنسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ ببول بوتا ہے یا برگد؟———

جنید کو یہ اعتراف تو تھا کہ اُسے راحیلہ سے محبت ہوگئی ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اِس کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ اُسے خود پر اختیار نہیں رہا تھا' یہاں تک کہ اُس کی محبت حدودِ عشق میں داخل ہو چکی تھی۔ یہ سارا کچھ ہونے کے باوجود اُسے اَب تک اِس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی کہ یہ بے اختیار محبت جو اَب عشق کی صورت اِختیار کرتی چلی جارہی ہے' جس کے سامنے وہ بے بس ہے۔ آخر اس کی منزل کیا ہے؟ وہ جب بھی اس بارے سوچتا' اسے گھپ اندھیرے کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دیتا' یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جاتا——— وہ عشق ہی کیا جو اِنسان کو بے عمل کر

دے۔ عشق تو ایسی قوت کا نام ہے جو انسان کو ہر لمحہ متحرک رکھتا ہے۔ جنید بھی لاشعوری طور پر متحرک رہا تھا۔ اُسے سب سے پہلا خیال یہی آیا تھا کہ راحیلہ کو ایسی زندگی سے باہر نکالنا ہے جہاں وہ مظلومی' بے بسی اور غربت میں قید ہے۔ ایسا کرنا اس کے بس میں تھا' اس نے جھوٹ سچ کہہ کر اسے ایسی زندگی سے نکال لیا تھا۔ جب بھی اُس کی سوچ راحیلہ کو پالینے کی جانب جاتی تب راحیلہ تو اُسے اپنی دسترس میں دکھائی دیتی' وہ جب چاہتا' اُسے اپنا لیتا۔ اِس راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور خود راحیلہ اُس سے اپنی محبت کا اظہار کر چکی تھی۔ بس چند لفظوں پر مشتمل اپنی تمنا کا اظہار اس سے کرنا تھا اور وہ اُس کی ہو جاتی مگر وہ خود اس راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ وہ اسے ساری دُنیا کی سہولیات اور آسائشات دے سکتا تھا لیکن اگر کچھ نہیں دے سکتا تھا تو اس کا اپنا آپ تھا۔ اس کا اظہار وہ راحیلہ سے بھی کر چکا تھا' اُسے اپنی زندگی کا قطعاً کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ کسی بھی لمحے کوئی بھی سنسناتی ہوئی گولی اس کے زندگی بھرے وجود کو موت دے سکتی تھی۔ یہ قدرت کا احسان ہے کہ انسان اپنی موت سے آگاہ نہیں ہے اور جب اسے اپنی موت کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے تب اس دُنیا میں رہنے کے سارے پلان ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اپنی زندگی کا بھروسہ نہ ہونے کے باعث جب بھی وہ راحیلہ کے بارے میں سوچتا' تب ہی وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا جو اس کی زندگی کو اتنا سہل بنا دے کہ رہتی زندگی تک راحیلہ کو پھر مظلومی' بے بسی اور غربت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان دنوں اُس کی ساری سوچ کا محور راحیلہ ہو گئی تھی۔ جاگتی آنکھوں سے نجانے کتنے خواب وہ دیکھ چکا تھا۔ وہ جو اپنے تنظیمی امور میں ہمیشہ شدت سے سرگرداں رہتا تھا' اس شدت کو محبت کی پھوار نے بہت حد تک کم کر دیا تھا۔ وہ اس ہدف کے بارے میں کم سوچتا جو اس کی قیادت نے اُسے دیا تھا۔ اس سے کہیں زیادہ اُسے راحیلہ کا خیال رہتا۔ اُس کی پوری کوشش تھی کہ اُس کی اپنی تنظیم کے کسی فرد کو اس بارے میں معلوم نہ ہو کہ اُس کا تعلق راحیلہ سے ہے۔ وہ اسے ساری دُنیا سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

اِس وقت بھی وہ راحیلہ ہی کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس رات کے بعد وہ پھر دوبارہ اس سے نہیں ملا تھا' بس فون پر اس سے رابطہ تھا۔ اِس کے امتحان شروع ہو چکے تھے' اب وہ ہسپتال نہیں جاتی تھی۔ صفیہ کب کی اپنے گھر منتقل ہو چکی تھی اور راحیلہ دوبار اُن کے گھر بھی جا چکی تھی تا کہ اُن کے درمیان رابطہ رہے۔ راحیلہ کی بدولت ہمایوں کو اس کی ذہنی حالت کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو جاتا تھا۔ اس وقت وہ یہی سوچ رہا تھا کہ جب راحیلہ امتحان دے چکے گی تو پھر کیا ہوگا۔ کیا وہ اسے ہسپتال میں ملازمت کی اجازت دے دے گا؟ --- اِس سے پہلے کہ ہاں یا نہیں کا جواب اُسے ملتا' اندر سے یہی صدا بلند ہوئی کہ تم کون ہوتے ہو اُسے اجازت دینے یا نہ دینے والے! کیا تم اس پر اپنی مرضی مسلط کرو گے۔ اگر تم اس پر اپنی مرضی مسلط کرو گے تو پھر تم میں اور ڈاکٹر جمیل میں کیا فرق رہ جائے گا؟ --- اِس صدا نے اُسے بے چین کر کے رکھ دیا تھا۔ اس بے چینی کی بنیاد شدید خواہش تھی جس کے تحت وہ اسے ساری دُنیا کی نگاہوں سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا --- وہ کیا کرے؟ یہی بات اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی --- اِس وقت رات کا تیسرا پہر ہو چکا تھا' وہ چھت پر لیٹا ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا میں یہی کچھ سوچے چلا جا رہا تھا کہ اچانک اُس کا فون بج اُٹھا۔ اُس نے نمبر دیکھے اور پھر جلدی سے فون کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو --- بولو' کیا بات ہے؟''

''آپ نے جس بندے کی نگرانی کے لیے کہا تھا' اس وقت وہ چند لوگوں کے ساتھ ایک گھر میں ہے۔ لگتا ہے اُن کی کوئی میٹنگ وغیرہ چل

رہی ہے۔"

"تمہیں ایسا کیوں محسوس ہوا کہ وہاں کوئی میٹنگ ہو سکتی ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"وہ گھر سے اچانک نکلا تھا' پھر اس کے پیچھے جب میں گیا ہوں تو وہاں یکے بعد دیگرے چند گاڑیاں آئی ہیں ---- اگر وہ کچھ دیر مزید گھر سے باہر نہ نکلتا تو میں وہاں سے جانے والا تھا۔"

"او کے ---- تم وہیں رہنا' اگر تھوڑی بہت بھی کوئی غیر معمولی حرکت ہو تو مجھے مطلع کرتے رہنا۔ آج اِن کا معاملہ بھی ختم کر دیتے ہیں۔" اُس نے دھیرے سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اِدھر ہی ہوں۔"

اُس نے یہ سن کر فون بند کر دیا' پھر اس نے چند جگہ فون کیا' اس دوران وہ نیچے اپنے کمرے میں آ کر تیزی سے تیار بھی ہوتا رہا' مطمئن حد تک تیاری کر کے وہ گاڑی تک آیا اور پھر گھر سے باہر نکلتا چلا گیا۔

طے شدہ مقام پر اُس کے چند ساتھی جمع ہو چکے تھے۔ وہیں پر اطلاع دینے والا بندہ بھی پہنچ چکا تھا' اس نے ساری تفصیل بتائی' وہاں کی سیکورٹی کے بارے میں جائزہ لیا' پھر اس جانب چل پڑے۔ وہ علاقہ پوری طرح خاموش تھا۔ جس طرح دیگر گھر روشن تھے' اس گھر کی بتیاں بھی ویسے ہی روشن تھیں۔ وہ سب بڑے محتاط انداز میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک اس گھر کی دیوار کے ساتھ جا لگے۔ باؤنڈری وال سے پرے لان تھا اور اس کے بعد اصل عمارت تھی۔ جنید انہیں ہر طرح سے سمجھا چکا تھا کہ کرنا کیا ہے۔ وہ سب خاموش تھے اور بڑے صبر سے اندر کی جانب نگاہیں جمائے بیٹھے تھے۔ گیٹ پر دو آدمی تعینات تھے جو پوری طرح الرٹ تھے۔ جنید نے چھت پر کسی بندے کی موجودگی کو نظر انداز نہیں کیا تھا' اس لیے ہر طرف سے محتاط ہو کر اِن لوگوں کے باہر نکلنے کا منتظر تھا ---- انہیں وہاں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ اندر سے چند افراد نکلے اور آپس میں گفتگو کرتے ہوئے گاڑیوں کی جانب بڑھے۔ جس مخصوص گاڑی کا نمبر اُن سب کو معلوم تھا' اس بندے کو وہ نگاہوں میں کر چکے تھے۔ ڈرائیور سمیت وہ چار لوگ تھے' اِن میں دو سیکورٹی گارڈ تھے۔ وہ گاڑی تیسرے نمبر پر کھڑی تھی' جنید نے آخری بار ہر طرف کا جائزہ لیا اور اپنی گن نکال کر پوری طرح تیار ہو گیا۔ اس کی گاڑی حرکت میں آئی تو وہ ساکت ہو گیا۔ گیٹ کھل چکا تھا' پہلی گاڑی نکلی اور زن سے سڑک پر چلی گئی' دوسری کے بعد جیسے ہی تیسری گاڑی گیٹ کے باہر آئی' جنید نے فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھ وہ پورا علاقہ فائرنگ کی آواز سے گونج اُٹھا۔ دو تین منٹ میں وہ گاڑی گولیوں سے چھلنی ہو گئی۔ اس گاڑی سے تو کوئی مزاحمت نہ ہوئی لیکن گھر سے فائرنگ کی آواز آنے لگی۔ جنید کا مقصد اِن لوگوں سے لڑنا نہیں تھا۔ جس مقصد کے لیے وہ آیا تھا' وہ پورا ہو چکا تھا لہٰذا فائرنگ میں شدت ہونے سے پہلے ہی وہ وہاں سے پلٹ جانا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے ہدف کو ختم کر لینے کے یقین کے ساتھ ہی پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ ذرا سے فاصلے پر اُن کی گاڑی کھڑی تھی' وہ تیزی سے اس جانب لپکا۔ اس وقت وہ گاڑی کا گیٹ کھول چکا تھا جب ایک برسٹ آیا اور دائیں ٹانگ میں جیسے کسی نے گرم لوہے کی سلاخ ڈال دی ہو۔ ایک لمحے کو وہ جھنجھنا کر رہ گیا۔ اُسے گولی لگ چکی تھی۔ یہاں لمحے کے ہزاروں حصے کی کوتاہی' اُس کی زندگی کو ختم کر سکتی تھی۔ لہٰذا اُس نے سٹارٹ کھڑی کار کو اِتنی تیزی سے

گیئر لگایا کہ وہ خود حیران رہ گیا۔ انسان اپنی بقا کے وقت کس قدر حیرت انگیز ہو جاتا ہے اِس کا انکشاف اُسے اِن لمحات میں ہوا۔ اُس کے ساتھی وہاں سے نکل چکے تھے وہ اکیلا تھا۔۔۔ اِس وقت وہ بڑی شاہراہ پر تھا۔ ابھی تک اُس کے پیچھے کوئی نہیں تھا لیکن فون مسلسل بج رہا تھا۔ ٹانگ میں درد کی شدت بڑھتی چلی جا رہی تھی یہاں تک کہ اُسے رفتار بڑھانے میں بڑی مشکل ہو رہی تھی۔ وہ پسینے سے تر ہو چکا تھا۔ اُس نے بڑی مشکل سے فون نکالا اور پھر اُسے آن کر دیا۔ دوسری جانب اُس کا ساتھی تھا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں۔۔۔؟''

''میری چھوڑو ساتھیوں کے بارے میں بتاؤ؟'' جنید نے اذیت سے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہیں اور وہ سب ہی اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے اُن کی فکر نہ کریں آپ۔۔۔؟''

''میری دائیں ٹانگ میں گولی لگ چکی ہے' خون تیزی سے بہہ رہا ہے اور گاڑی بڑھانے میں بہت وقت ہو رہی ہے۔۔۔ میری فکر مت کرنا' ساتھیوں کو سنبھال لینا۔''

یہ کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا' اس کے ساتھ ہی اُسے خیال آیا کہ مَیں کہاں جاؤں۔ اسی لمحے میں اُس کا فون پھر بج اُٹھا۔ وہ فون کال راحیلہ کی طرف سے تھی۔ وہ چونک گیا' اِس وقت اِس کا فون کیوں آیا ہے؟'' اُس نے جلدی سے ریسیو کر لیا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''مَیں ٹھیک ہوں لیکن تم نے اس وقت۔۔۔؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''آپ ٹھیک نہیں ہیں' آپ کی آواز۔۔۔'' وہ انتہائی تشویش سے بولی۔

''تم نے اس وقت فون کیوں کیا؟'' جنید نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

''مَیں۔۔۔ مَیں نے ابھی ایک بہت بھیانک خواب دیکھا ہے۔ آپ۔۔۔ پلیز' آپ بتائیں۔ آپ ٹھیک ہیں نا۔۔۔؟'' وہ روہانسو انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''نہیں مَیں ٹھیک نہیں ہوں۔۔۔'' اُس نے شدتِ درد سے کراہتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا۔۔۔؟'' اس کی آواز میں جیسے آنسو تیر گئے تھے۔

''تم۔۔۔ گیٹ پر میرا انتظار کرو۔۔۔ مَیں۔۔۔ اگر تم تک پہنچ گیا تو ٹھیک۔۔۔ میری دائیں ٹانگ میں گولی لگی ہے۔۔۔ اور گاڑی چلانا بہت مشکل ہو رہا ہے۔۔۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا۔

''گولی۔۔۔؟'' وہ چیختے ہوئے بولی۔

''ہاں۔۔۔ مَیں تم تک ضرور پہنچنے کی کوشش کروں گا۔۔۔''

''نہیں آپ کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ مَیں انتظار کر رہی ہوں۔۔۔ آپ مجھ تک پہنچیں گے مَیں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔۔۔''

وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی! ابھی لمحوں میں درد کی شدت سے اُس کا پاؤں سن ہو گیا۔ گاڑی کی رفتار ایک دم سے گھٹتی چلی گئی تھی فون گر گیا۔ جنید نے بیک مرر میں دیکھا ایک کار تیزی سے آ رہی تھی۔

زندگی میں ایسے لمحات بہت کم آتے ہیں جب انسان کی صلاحیتیں اپنے عروج پر ہوتی ہیں۔ انسان یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ ان لمحات میں اس سے کیا کچھ سرزد ہوتا رہا ہے اور بعد میں جب انسان ان لمحات میں سرزد ہونے والے اعمال پر سوچتا ہے تو خود ہی دنگ رہ جاتا ہے۔ ان لمحات میں جبکہ یہ اعمال سرزد ہو رہے ہوتے ہیں وہ قطعاً نہیں سوچتا' بس لاشعوری طور پر وہ ہوتے رہتے ہیں۔ اپنی بقا کا احساس ان لمحات میں ہوتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ انسان حوصلہ نہ ہارے۔ اس وقت جنید بھی کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھا۔ دائیں ٹانگ میں لگنے والی گولی نے کسی بھی حرکت سے معذوری ظاہر کر دی تھی' وہ اپنی پوری قوت سے ٹانگ ہلانا چاہتا تھا لیکن شل ہوئی ٹانگ حرکت ہی نہیں کر رہی تھی۔ گاڑی کی رفتار کم ہو چکی تھی اور بیک مرر میں دکھائی دینے والی گاڑی تیزی سے قریب آتی چلی جا رہی تھی۔ جس قدر یہ امکان تھا کہ یہ گاڑی دشمن کی ہو سکتی ہے' اتنا ہی امکان یہ بھی تھا کہ یہ گاڑی کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ ایسے میں بائیں جانب سیٹ پر پڑا سیل فون آن تھا' اس میں سے راحیلہ کی آواز بھنبھناہٹ کی صورت میں اُس تک پہنچ رہی تھی' وہ اپنی پوری بے تابیوں کے ساتھ اُسے پکار رہی تھی۔

"ہیلو جنید!---- آواز دو' کہاں ہو آپ---- مجھے بتاؤ میں آپ تک پہنچ جاتی ہوں---- اپنے بارے میں بتاؤ---- دیکھو مجھ تک پہنچ جاؤ میں سارے دُنیا سے آپ کو چھپا لوں گی---- آواز دو پلیز----!"

جنید نے سیل فون سے آتی ہوئی سرگوشیوں کو غور سے سنا' پھر آنکھیں بند کر کے ساری قوت کو جمع کیا۔ ذرا سی حرکت کے ساتھ بائیں ٹانگ کو ہلایا اور پھر گاڑی کی رفتار بڑھتی گئی۔ پیچھے سے قریب آتی ہوئی گاڑی دُور ہوتی چلی گئی۔ صبح کے وقت سڑکیں صاف تھیں' اکا دکا گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ جنید کے ذہن میں فقط ایک بات سمائی تھی کہ اگر وہ کسی طرح راحیلہ تک پہنچ گیا تو پھر بچ جائے گا ورنہ اُس کے دشمن اسے یہیں سڑک پر قتل کر دیں گے۔ وہ جو شکار کرنے گیا تھا' شکار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب ہوتا چلا جا رہا تھا' یہاں تک کہ وہ اس علاقے تک پہنچ گیا جہاں راحیلہ تھی۔ اُس نے تمام راستے اس بات پر توجہ ہی نہیں دی تھی کہ کوئی اُس کے تعاقب میں ہو سکتا ہے' اُس کا سارا دھیان راحیلہ کی طرف تھا جو اُسے پکار رہی تھی۔ اس کی آواز ایک قوت بن کر اُس تک پہنچ رہی تھی۔ پھر وہ اس گھر کے قریب پہنچ گیا۔ جب اُس نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا کہ گیٹ کھولو میں پہنچ گیا ہوں۔ گھر پہنچ کر اُسے گیٹ کھلا ہوا ملا' وہ گاڑی اندر لے گیا اور تبھی اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ بمشکل راحیلہ کی طرف دیکھ سکا جو اُس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ گاڑی بند ہو چکی تھی۔ راحیلہ نے دروازہ کھولا اور اُسے تھام لیا۔ اُس کی ٹانگ خون سے لت پت ہو رہی تھی۔ بھاری بھر کم جنید کا وزن راحیلہ برداشت کر رہی تھی۔ وہ اُسے اندر لے گئی اور جاتے ہی بستر پر لٹا دیا' جائے عافیت تک پہنچ جانے کے احساس ہی سے جنید اپنے آپ میں نہ رہا اور ہوش وخرد سے بیگانہ ہو گیا----

اُسے جب ہوش آیا تو بہت سکون محسوس کر رہا تھا۔ نگاہوں کے سامنے سے دُھند چھٹتی گئی تو اُسے گزشتہ واقعات یاد آتے چلے گئے' تبھی اُس نے چونک کر اپنی ٹانگ کو دیکھا' جہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اُس کے قریب ہی زمین پر بیٹھی بیڈ سے سر لگائے راحیلہ سو رہی تھی۔ اُس نے کمرے کا

جائزہ لیا۔ وہ اسی کمرے میں تھا جو راحیلہ نے اُس کے لیے مخصوص کر کے سجایا تھا۔ جب وہ یہ کمرہ دیکھ رہا تھا' اس وقت سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یوں کبھی اس حالت میں یہاں آئے گا۔ سائیڈ ٹیبل پر دواؤں کے ساتھ پھل پڑے ہوئے تھے۔ پھر گھوم کر اُس کی نگاہ راحیلہ پر پڑی جو سو رہی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتا چلا گیا۔ اُس کے دماغ میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں جاننے کا تجسس اُبھر رہا تھا' تا کہ اُن کے بارے میں معلوم کرے لیکن وہ سوئی ہوئی راحیلہ میں کھو جانا چاہتا تھا۔ کچھ دیر کے لیے ہی سہی' ساری دُنیا سے کٹ کر بیٹھیں کا ہو رہنے کو شدت سے دل چاہ رہا تھا۔ اُس نے ہر شے ذہن سے بھلا دی اور اسے دیکھتا چلا گیا---

کہتے ہیں کہ جب کسی کی شخصیت کا تھوڑا بہت اندازہ کرنا ہو تو اِسکا سوتے ہوئے مشاہدہ کرنا چاہئے۔ اس وقت بہت کچھ چہرے سے عیاں ہو جاتا ہے جو اِسکی اندرونی کیفیات کا غماز ہوتا ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ راحیلہ کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی' یوں جیسے کوئی بچہ نیند کی آغوش میں ہو۔ اُس نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ بند آنکھوں کی لانبی پلکیں' ستواں سی ناک' پتلے پتلے گلابی ہونٹ' گداز گالوں کے ساتھ نرم سی تھوڑی' لانبی گردن کی دائیں جانب سیاہ تل' آنچل میں سے جھانکتے سیاہ گیسو' گلابی مائل سفید رنگت' بھرا بھرا جسم---- وہ کٹی ہوئی بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے نیند میں تھی۔ کتنا ہی وقت یونہی گزر گیا' تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور نسرین اندر آ گئی۔ اُسے جاگتا ہوا دیکھ کر وہ ذرا سا جھجکی' پھر شرمندہ سے لہجے میں بولی۔

"اوہ سوری---- مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ جاگ رہے ہیں۔"

اس کی آواز سن کر راحیلہ ہڑبڑا کر جاگ گئی۔ اُس نے تیزی سے دونوں کی جانب دیکھا۔

"اس میں سوری کی کیا بات ہے' نسرین!---- آ جاؤ۔"

جنید نے کہا تو راحیلہ نے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اَب کیسی طبیعت ہے----؟"

"مَیں ٹھیک ہوں---- ویسے تمہیں ہی پتہ ہے کہ میرے زخم کی حالت کیا ہے؟"

"گولی خاصی گہری چلی گئی تھی' اُس نے ہڈی کو بھی نقصان پہنچایا ہے---- خیر' اَب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔" راحیلہ نے ذرا سا مسکراتے ہوئے کہا۔

"راحیلہ! تمہارا بہت شکریہ----"

جنید نے دل کی گہرائی سے کہا تو اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔

"شکریہ تو نسرین کا ادا کریں' وہی اس کی مستحق ہے اور اس کی بھی ضرورت اس لیے نہیں ہے کہ اپنوں میں ایسا نہیں ہوتا۔"

"کیسے---؟" وہ بولا۔ اس کے لہجے میں شرمندگی جھلک رہی تھی اسی لیے وہ انتہائی اختصار سے بولا تھا۔

"تھوڑی بہت میڈیسن تو گھر میں پڑی ہی رہتی ہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ مَیں چیر پھاڑ کر کے گولی نکال سکتی۔ مَیں نے اسے فون کر کے

صورت حال بتائی۔ یہ ڈیوٹی پر تھی! اسے بھی معلوم تھا کہ آپ وہاں نہیں جا سکتے سو یہ سارے لوازمات کے ساتھ یہاں آ گئی ---- صحیح معنوں میں اس نے ہی گولی نکالی ہے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"---- اور میں بے ہوش رہا؟" جنید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں آپ کو بے ہوش کر دیا گیا۔ اب وقت دیکھیں کیا ہے ----؟"

نسرین نے کہا تو اس نے کلاک کی جانب دیکھا' دوپہر ڈھل جانے والی تھی۔ اس پر ان میں تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"ٹھیک ہونے میں کتنے دن لگ جائیں گے ----؟" اس نے درد محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کتنے دن میں ٹھیک ہو سکتے ہیں لیکن یہ طے ہے کہ کچھ دن لگیں گے ----" راحیلہ نے یوں کہا کہ جیسے اُسے باور کرا رہی ہو کہ سکون سے پڑے رہو۔

"میرا فون کہاں ہے؟" جنید نے پوچھا۔

"ہے میرے پاس' لیکن وہ آپ کو ملے گا نہیں ---- میں نے بند کر کے رکھ دیا ہے۔ چند دن تک آپ اسے دیکھ بھی نہیں پائیں گے اور وہ آپ نے مانگنا بھی نہیں ہے۔"

راحیلہ نے قدرے سختی سے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا' تب نسرین بولی۔

"اچھا' کچھ کھانے کے لیے دل چاہ رہا ہے؟"

"ہاں' اب کی ہے نا کام کی بات ----" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' کچھ کھا پی لیں۔ پھر آپ کو میڈیسن بھی لینا ہے۔"

اس نے کہا اور اٹھ گئی' تب راحیلہ نے اُس کے چہرے کی جانب غور سے دیکھا اور اگلے ہی لمحے اُٹھ کر نسرین کے پیچھے چلی گئی' جنید اس کی ادا پر مسکرا کر رہ گیا۔

☆☆

صفیہ بالکل تنہا ہو کر رہ گئی تھی اس کا سارا دن کمرے میں پڑے گزر جاتا تھا۔ وہ یہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس پر یہ وقت بھی آ سکتا ہے۔ وہ سب سے شرمندہ تھی' خاص طور پر اپنی ماں زیتون بی بی سے۔ جس نے قدم قدم پر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر تیمور کے عشق میں وہ نیم پاگل ہو گئی تھی۔

"کیا واقعی وہ تیمور کے عشق میں پاگل ہوئی تھی؟"

یہ سوال اکثر اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو جاتا اور وہ اکثر ہی اس سے نگاہیں چرا جاتی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایسا ہے نہیں' بلکہ اس مقام تک لانے میں اس کے اپنے اندر کا لالچ شامل تھا۔ وہ اپنی خواہشوں کے ہجوم میں کھو گئی تھی' یہاں تک کہ اسے اپنے آپ کی بھی سدھ بدھ نہیں رہی

تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے اردگرد کے لوگ یہی سوچ رہے تھے کہ تیمور کی بے وفائی کا صدمہ اس نے لیا ہے اور اس حال تک پہنچ گئی ہے۔ جب بار بار یہی بات اس کے سامنے دُہرائی گئی تو اس نے بھی یہی باور کر لیا اور خود کو تسلی دینے لگی حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ یہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ پھر جیسے ہی وہ ان لمحات کو سوچتی جب تیمور نے اسے دھتکار دیا تھا اس کی اذیت میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا۔ اس کی بے بسی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنے اس دُکھ کے بارے میں کسی کو بتا بھی نہیں سکتی تھی۔ اس اذیت کو تنہائی نے مزید بڑھا دیا تھا۔ وہ جو اپنے پاپا کو اپنا دوست تصور کیا کرتی تھی' اب اُن کا سامنا کرنے سے بھی کتراتی تھی۔ پوری زندگی میں وہ کبھی یوں پولیس کی حراست میں تھانے نہیں گئے تھے لیکن اس کی وجہ سے وہ مجرموں کی طرح تھانے لے جائے گئے۔ اسی احساس کے باعث ہواؤں میں اُڑنے والی صفیہ' اب خود کو زمین پر رینگنے والا ایک کیڑا سمجھ رہی تھی۔ ان لمحات کے بارے میں جب بھی وہ سوچتی' اس کے اندر آگ لگ جاتی --- کیا وہ اس لیے بنی ہے کہ اتنا کچھ برداشت کر جائے' کیا وہ اتنی کمزور ہے کہ طوفان میں تنکے کی مانند اُڑ جائے؟ یہ سب سوچتے ہوئے اس کی اُمیدیں' خواہشیں اور خواب پھر سے اس کے سامنے آ موجود ہوتے۔ وہ ان کی جانب حسرت سے دیکھتی لیکن کچھ بھی نہ کر پاتی کیونکہ اسے یہ پورا یقین تھا کہ سب اس سے بہت دُور جا چکے ہیں مگر پھر بھی اس کے اندر کوئی جذبہ موجود تھا تو انتقام تھا' تیمور سے انتقام! جس نے اس کی تذلیل کی تھی۔ اس کے خوابوں' خواہشوں اور اُمیدوں کی توہین کی تھی۔ اس کی ذات کو گھٹیا قرار دیا تھا' جیسے کوئی ٹشو پیپر استعمال کر کے پھینک دیتا ہے --- وہ یہ سب کچھ سوچتی' اپنے آپ میں حوصلہ بھی پاتی لیکن پھر محض سلگ کر رہ جاتی۔ تیمور سے انتقام لینے کے لیے اس کا بہت مضبوط ہونا ایک حقیقت تھی۔ اس کی سوچ کا یہی وہ مقام تھا جہاں وہ خود کو خلا میں محسوس کرتی تھی' یہاں تک کہ اسے سانس لینا بھی مشکل ہوتا۔ دُور دُور تک اُمید کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی ---

اس کے لیے دوہری اذیت کا باعث ہمایوں تھا۔ جسے وہ کبھی انسانوں میں شمار بھی نہیں کرتی تھی' آج وہی ان کے خاندان کا محسن قرار پایا تھا۔ وہ جو کبھی اس سے بات کرنے کے لیے ترستا تھا اور بات کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ذلیل ہو گیا تھا' آج اس کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اسے ہمایوں کی بالکل سمجھ نہیں آ گئی تھی۔ کیا وہ کسی اپنے انتقام کے تحت ان کے قریب ہو رہا تھا' کیا رشتے داری کو نبھاتے ہوئے اپنے ہی خاندان کے بزرگ کی پاسداری میں یہ سب کر رہا تھا یا پھر محض اپنے پیشہ ورانہ فرائض نبھاتے ہوئے ان کی مدد کر رہا تھا؟ پورے گھر میں اس کے بارے میں بات ہوتی' ہر کوئی اپنی رائے رکھتا لیکن زیتون بی بی کی پہلے جو رائے تھی' اب بھی وہی تھی کہ خون بہر حال خون ہوتا ہے جو اپنے کی معصیت میں جوش ضرور مارتا ہے۔ وہ جس طرح سے بھی سہی' اپنے چاچا کی مدد کو آن پہنچا ہے۔ کوئی مانتا یا نہ مانتا لیکن زیتون بی بی کی اس بات کی کوئی بھی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کرتا جس سے دھیرے دھیرے ہمایوں اور اُن کے گھر والوں کے درمیان وہ تناؤ نہیں رہا تھا جو کبھی ہوتا تھا اور پھر اس دن تو حد ہی ہو گئی تھی جب ہمایوں کی دعوت پر اس کے پاپا اور ماما دونوں اُن کے ہاں گئے تھے۔ اسے جب معلوم ہوا تو اذیت کی انتہا سے وہ خود کو لہولہو محسوس کر رہی تھی۔ وہ خاندان جس سے وہ نفرت کرتی تھی' آج اُنہی کے ہاں اس کے والدین گئے ہوئے تھے۔ ان کے واپس آنے تک وہ انتہائی درجے کی بے چینی میں رہی۔ اس وقت وہ ڈرائنگ روم ہی میں تھی جب وہ دونوں واپس آئے۔ اس کے پاپا کے چہرے پر تو انتہائی درجے کی سنجیدگی تھی تاہم اس کی ماں کے چہرے پر دبی دبی خوشی اور خوشگواریت پھیلی ہوئی تھی۔ سلمیٰ بھی انتہائی تجسس کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی' ان

کے بیٹھتے ہی سلمیٰ نے پوچھا۔

"اِن کے ہاں جانا کیسا لگا---؟"

اس نے انتہائی تجسس سے دونوں کی جانب دیکھ کر کہا تھا' جواب چاہے کوئی دے۔ اس پر ماما نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"بہت ہی اچھا--- انہوں نے بہت ہی عزت اور احترام دیا ہے۔ اپنے پاپا سے پوچھ ماضی کی کسی ایک بات کو بھی نہیں دُہرایا انہوں نے بلکہ میں نے اگر ذکر کرنے کی کوشش بھی کی تو وہ ٹال گئے۔"

"جب اُنہوں نے ماضی دُہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تو آپ ایسا کیوں چاہ رہی تھیں؟" صفیہ نے تنک کر پوچھا۔

"اس لئے بیٹا! کہ اگر اُن کے دل میں کوئی بات ہو بھی تو ابھی وقت صاف ہو جائے۔ دل میں کدورتیں رکھ کر تعلقات نہیں نبھائے جا سکتے۔" زیتون بی بی نے انتہائی نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے آپ نے تعلقات بنانے کی شروعات کر دی ہیں؟" اس نے دھیرے سے مگر غصے میں کہا۔

"اچھا تو پھر اور کیا باتیں ہوئیں وہاں پر---؟" سلمیٰ نے جلدی سے پوچھا تاکہ صفیہ کی بات نظر انداز ہو جائے۔

"بہت ساری باتیں ہوئیں--- انہوں نے تم دونوں کے بارے میں پوچھا' اپنے بارے میں بتایا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے حسرت سے کہا۔ "وہ اپنے دونوں بیٹوں پر فخر محسوس کر رہے ہیں۔ سعید کی نوکری لگ گئی ہے اور وہ اچھا کما رہا ہے' عزت ہے اس کی لیکن ہمایوں کے لیے تو ہر وقت دُعا گو ہیں جس نے دنوں میں ترقی کی ہے' ایک اچھا گھر' باعزت روزگار' شہر میں عزت و وقار اور کیا چاہئے انہیں---"

"اس کا مطلب ہے کہ اُن کی جو غربت تھی وہ دُور ہو چکی ہے۔ اب کم از کم اُن کا اسٹیٹس تو ہے۔"

سلمیٰ چور نگاہوں سے صفیہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولی جس پر اس نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

"وہ جو مرضی کر لیں' ہمارے اسٹیٹس تک نہیں پہنچ پائیں گے۔"

اس پر پاپا نے غور سے صفیہ کی جانب دیکھا' پھر دھیرے سے بولے۔

"بات یہ نہیں ہے بیٹا! کہ وہ ہمارے اسٹیٹس تک کبھی پہنچ بھی پائیں گے یا نہیں--- حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو بنایا ہے۔ بھائی کی محنت اور تربیت نے ایک مقام تک تو انہیں پہنچا دیا ہے' اب اُن بچوں کی اپنی ہمت ہے کہ وہ کہاں تک جاتے ہیں۔ جس طرح ہمایوں نے حیران کن انداز میں اپنے آپ کو بنایا ہے' وہ بہر حال قابلِ رشک ہے۔ اُن کے پاس سرمایہ نہیں تھا جو وہ بزنس میں نہیں آ سکا۔ اگر وہ بندہ بزنس میں ہوتا تو بہت جلد بڑی بڑی کامیابیوں تک جا پہنچتا' یہ میرا گمان کہتا ہے۔"

اس طرح کی حتمی بات کہنے پر صفیہ کو جیسے چپ لگ گئی۔ اس کے پاپا کا تجزیہ اس کے دماغ میں بیٹھ گیا جو نکالے نہیں نکل رہا تھا۔ وہ جس قدر ہمایوں کو اپنے ذہن سے نکالنا چاہتی تھی' اسی قدر وہ اس کے سامنے کھڑا تضحیک آمیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا' وہ تھپڑ جو اس نے کبھی اُس کے گال پر مارا تھا' اُس کی سنسناہٹ اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوتی تھی۔

اگلے دن کی شام ہی تھی جب وہ لان کے ایک کونے میں بیٹھی یونہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسکے دماغ میں کچھ دیر اگر تیمور رہتا تو اس سے زیادہ وقت ہمایوں قبضہ جمائے رکھتا۔ جب وہ بے بس ہوتی تو جھنجلا کر رہ جاتی۔ اسے احساس تھا کہ اگر ایسا ہی رہا تو وہ بلاشبہ پاگل ہو جائے گی۔

''کیا سوچ رہی ہو صفیہ۔۔۔؟''

سلمیٰ نے اس کے قریب آ کر کہا تو وہ اپنے خیالوں سے نکل آئی۔

''کچھ نہیں۔۔۔'' اس نے تلخی سے جواب دیا۔

''تم مانو یا نہ مانو۔ یہ جو تمہارا فضول سوچنا ہے نا' تمہیں پاگل کر دے گا۔'' سلمیٰ نے دھیرے سے مگر خلوص سے کہا۔

''اچھا ہے' پاگل ہو جاؤں۔ اس طرح کم از کم سوچنے کی اذیت سے تو بچ جاؤں گی۔'' اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

''نہیں' میری بہن! اس قدر مایوسی اچھی نہیں ہے۔ جو ہونا تھا' اسے بھول جاؤ اور۔۔۔''

''۔۔۔ کیسے بھول جاؤں؟۔۔۔ میں بھول سکتی ہی نہیں۔ میں تو جب تک تیمور سے انتقام نہ لے لوں' مجھے چین نہیں آئے گا ورنہ میں یونہی سوچتے سوچتے پاگل ہو جاؤں گی۔ مجھے معلوم ہے' میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔'' اس نے تیزی سے کہتے ہوئے سلمیٰ کی جانب دیکھا' اس کے انداز میں بے بسی جھلک رہی تھی۔

''کیا تم سمجھتی ہو کہ فقط سوچتے رہنے سے تم تیمور سے انتقام لے لوگی؟۔۔۔ کم از کم تلوار اٹھانے کی سکت بھی تو تم میں ہو۔ باتوں سے میدان نہیں جیتے جاتے' تمہارا سامنا ایک مضبوط مرد سے ہے۔''

''تم بتاؤ' میں کیا کروں؟'' اس نے بے بسی سے پوچھا۔

''صفیہ! اصل میں تم نے سارے راستے خود ہی بند کر لیے ہیں' کوئی ایک بھی راستہ کھلا نہیں چھوڑا لیکن اگر تم اب بھی صبر و تحمل اور کھلے دل و ذہن سے سوچو تو بہت کچھ ہے۔ تمہارا نہ صرف وہی وقار بحال ہو سکتا ہے بلکہ تم جو چاہو سو کر سکتی ہو۔''

''کیسے۔۔۔؟'' اس نے چونکتے ہوئے کہا۔

''اپنے آپ پر غور کرو' اپنے ارد گرد جھانکو۔ تم تو خود سے بھی غافل ہو گئی ہو۔ مظلومی کے حصار سے نکلو۔۔۔ تم نے پڑھنا تک چھوڑ دیا جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ تم امتحان نہیں دے پاؤ گی جو چند دنوں بعد شروع ہونے والے ہیں۔ اس امتحان کے بعد تمہارے کتنے خواب تھے' تم کتنا کچھ کرنا چاہ رہی تھیں۔ پاپا کے ساتھ بزنس میں آنا تھا تمہیں' وہ سب کہاں گیا؟۔۔۔ ایک بندے کی بے وفائی نے تمہیں اس حالت تک پہنچا دیا ہے تو تم بزنس کے بڑے بڑے مسائل کو کس طرح نبھا پاؤ گی۔'' سلمیٰ نے دھیرے دھیرے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں' تم ٹھیک کہتی ہو۔ اگرچہ بزنس میں جذباتی پن نہیں ہوتا لیکن انسان کو ہوش مند تو رہنا پڑتا ہے۔۔۔ تم ٹھیک کہتی ہو' میں خود سے غافل ہو گئی ہوں۔'' اس نے گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

''پھر ایک بات اور۔۔۔'' یہ کہہ کر سلمیٰ نے بڑے محتاط انداز میں کہا۔ ''یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جن سے تم محبت کرو' تمہیں ان سے محبت مل

جانے ایسے لوگ بھی تو ہو سکتے ہیں جو تم سے محبت کرتے ہیں اور تم پر اپنی محبت لٹانا چاہتے ہیں۔ تم محبت پا نہیں سکیں تو کسی کی اُمیدوں کا سہارا بن جاؤ۔"

سلمیٰ نے جس انداز سے کہا تھا' ان لفظوں میں کہیں دُور اُسے ہمایوں کی شبیہہ دکھائی دی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے جس کو اس نے نفرت سے ٹھکرا دیا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو۔۔۔؟" سلمیٰ نے پوچھا۔ تو اس نے سوچتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

"کچھ نہیں۔۔۔۔تمہارا شکریہ میری بہن!"

صفیہ نے کہا اور اُٹھ گئی' وہ جلد از جلد اپنے کمرے میں موجود تنہائی کے ساتھ مل بیٹھنا چاہتی تھی۔ اس کے اندر وہ لہر اُٹھ گئی تھی جس میں کچھ کرنے کا عزم تھا۔۔۔۔

وہ رات گئے تک سوچتی رہی' پھر ایک نتیجے تک آ پہنچی۔ اُسے ہر حال میں اپنے خوابوں کو پورا کرنا ہے۔ اس میں اگر ہمایوں کی محبت کو بھی اِسے استعمال کرنا پڑا تو وہ کرے گی۔ پہلے تو فقط اس کا مقصد اس سطح کا معیارِ زندگی تھا جس کا خواب اس نے دیکھا تھا' اب اس میں تیمور سے انتقام بھی شامل ہو گیا تھا۔ سلمیٰ نے ہمایوں کی محبت کی جانب اشارہ کر کے بہت اچھا کیا تھا' وہ اس محبت کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا اور مسکرا دی۔۔۔۔ وہ اُٹھی اور اس نے شیلف سے اپنی کتاب نکالی' امتحان پاس کرنا اس عزم کا پہلا مرحلہ تھا۔

☆☆

ہر آنے والے دن کے ساتھ ہمایوں کی پریشانی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ پچھلے کئی دن سے وہ جنید کو فون کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اُسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اَب وہ کوئی عام سا بندہ تو نہیں رہا تھا کہ شہر میں گردش کرنے والی خبروں اور افواہوں کو نظر انداز کر دیتا۔ اخبار میں پڑھی خبر کے ساتھ ہی وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ یہ کارروائی کن لوگوں کی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد جنید کا یوں غائب ہو جانا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ کہیں وہ؟---یہ خیال آتے ہی وہ مزید آگے سوچنے کی ہمت ہی نہ کر پاتا۔ بات یہ نہیں تھی کہ اس کے کیریئر میں کہیں کوئی توڑ پھوڑ والی کیفیت پیدا ہو جانے کا امکان تھا بلکہ اسے اپنے محسن سے ایک طرح سے دلی لگاؤ ہو چکا تھا۔ وہ شخص جس نے اِسے زمین پر رینگنے والا ایک کیڑا بننے سے بچایا ایک پروقار اور باعزت پہچان حاصل کرنے کی جانب گامزن کر دیا' اس کے لیے تو وہ اپنی جان تک دینے کے لیے بھی تیار تھا اور پھر جس طرح پچھلے چند ہفتوں سے وہ اس پر احسان در احسان کرتا چلا آ رہا تھا' اس نے تو اس کی ذات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ اس کے لیے پریشانی فطری سی بات تھی۔ اس نے راحیلہ کو کئی بار فون کر کے جنید کے بارے میں پوچھا تھا مگر اس نے بھی جنید کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا تھا---آخر وہ کہاں جا سکتا ہے' اس کی یہ پریشانی بہت حد تک بڑھ گئی تھی۔

اس صبح بھی وہ اپنے چیمبر جا بیٹھا لیکن اس کا سارا دھیان جنید کی جانب تھا' تبھی اسکی نگاہ اخبار پر پڑی۔ حکومت نے بعض تنظیموں پر پابندی عائد کر دی تھی اور کئی جگہوں پر پکڑ دھکڑ اور چھاپوں کا سلسلہ بھی چلتا رہا تھا۔ بہت سارے لوگ گرفتار ہو گئے تھے۔ یہ خبر پڑھ کر اسکی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ اسے احساس ہوا کہ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ اسے اپنا کیریئر بھی داؤ پر لگتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ بات جب اسکی اپنی ذات تک آ پہنچی تو اسے کچھ بھی بھائی نہ دیا۔ اسکے پاس کوئی ایسا نمبر یا کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ کوئی معلومات کسی سے لے سکتا۔ وقتی طور پر وہ شدید قسم کے دباؤ میں آ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟---جب یہ دباؤ تھوڑا بڑھا تو اس نے سارا کام چھوڑ دیا اور راحیلہ کو فون کر دیا۔

''کیسے ہیں آپ---؟'' راحیلہ نے عام سے انداز میں پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں---تم کہاں ہو؟'' اس نے تیزی سے جواب دیتے ہوئے سوال کر دیا۔

''میں گھر پر ہی ہوں---'' اس نے بتایا۔

''اچھا میں آ رہا ہوں---''

اس نے کہا اور پھر بغیر کچھ سنے فون بند کر دیا۔ اگلے ہی لمحے اٹھا اور اخبار پکڑ کر اپنی کار تک چلا گیا---تھوڑی دیر بعد وہ راحیلہ کے سامنے بیٹھا تھا۔

''میں بہت پریشان ہوں۔ آخر وہ گئے کدھر' اُن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں مجھے---؟'' ہمایوں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں کہا۔

''آپ کو تو معلوم ہے کہ وہ ہوا کی مانند آتے ہیں اور پھر اسی طرح چلے جاتے ہیں۔ میں ہمیشہ ان کا انتظار ہی کرتی رہ جاتی ہوں---اَب آپ نے جو خبر سنائی ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اَب میں بھی انتظار کرنا چھوڑ دوں۔'' راحیلہ نے عام سے انداز میں جواب دیا۔

"راحیلہ! وہ میرے محسن ہیں اور میں انہیں بھول نہیں سکتا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب میں ان کے لیے کچھ کرتا اور مجھے کرنا بھی چاہیے لیکن میں کیا کروں میرا ان سے رابطہ ہی نہیں ہے۔" ہمایوں کے لہجے میں دُکھ بھرا تھا۔

"اب سوائے انتظار کے اور کیا ہو سکتا ہے۔" راحیلہ دھیرے سے بولی۔

"اچھا تمہارے امتحان کیسے ہوئے۔۔۔؟" ہمایوں نے ایک دوسری طرح سے بات کا آغاز کیا۔

"ٹھیک ہو گئے ہیں' نتیجہ آئے گا تو پھر نوکری کروں گی۔" اس نے ہمایوں کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جہاں پریشانی چھلک رہی تھی۔

"جنید نے کچھ تو سوچا ہو گا تمہارے بارے میں۔۔۔ انہوں نے کبھی بات کی؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" راحیلہ نے تیزی سے سوال کیا۔

"اس لیے کہ تم نے قطعاً پریشان نہیں ہونا۔ میں ہوں یہاں پر۔۔۔ جب تک ان کا کوئی پتہ نہیں چلتا' کوئی بھی مسئلہ ہو یا کوئی پریشانی' مجھے بتانا۔۔۔" ہمایوں نے خلوص سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آپ ہی سے کہوں گی۔"

راحیلہ نے دھیرے سے کہا تو وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

"اب مجھے اجازت۔۔۔ میں چلتا ہوں۔"

"کم از کم چائے تو پیتے جائیں۔ ابھی تو آئے ہیں آپ۔۔۔؟" راحیلہ نے بھی اُٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں' پھر کسی وقت سہی۔۔۔ دراصل مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک میں ان کے بارے میں معلوم نہ کر لوں' مجھے بہت فکر ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ باہر کی جانب چل دیا' راحیلہ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

☆☆

"جنید! مجھے سمجھ نہیں آئی یہ بات کہ آپ اس سے بھی کیوں خود کو چھپا رہے ہیں۔" راحیلہ نے بیڈ پر پڑے جنید کی جانب گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اُلجھے لہجے میں کہا۔

"تم بیٹھو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔۔۔"

اس نے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے کہا۔ راحیلہ اس کے بیڈ کے ساتھ دھری کرسی پر بیٹھ گئی' تب وہ اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"میں مانتا ہوں کہ وہ بہت باصلاحیت' مخلص اور اچھا انسان ہے لیکن راز وہی ہوتا ہے جو اپنے تک محدود رہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اسے معلوم ہو جانے کی صورت میں وہ کسی کو بتا دے گا' ایسی بات نہیں ہے لیکن ہر جانب یہی تجسس رہے کہ میں کہاں ہوں' یہی بہتر ہے۔"

"مجھے تو آپ کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔" اس نے پھر وضاحت طلب نگاہوں سے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں زخمی ہوں' سو اس وقت بے بس ہوں۔ کچھ نہیں کر سکتا' میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی میری بے بسی دیکھے۔" یہ کہتے ہوئے اُس نے راحیلہ کی جانب دیکھا اور پھر بڑے ہی عجیب سے لہجے میں بولا۔ "یہ تم بھی جان لو جس دن اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں اَب دوسروں کے سہارے پر ہوں' وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

"اللہ نہ کرے۔۔۔ آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں؟" راحیلہ نے تڑپ کر کہا لیکن من میں خوشی کی لہر نے اِسے سرمست کر دیا تھا کہ وہ اسے اپنا سمجھتا ہے' کوئی غیر نہیں۔

"میں اس لیے ایسا سوچتا ہوں کہ حالات ایسے ہیں۔ کوئی دوسرے کا ذرا سا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا تو پھر میں کیوں کسی پر بوجھ بن جاؤں؟" جنید نے اِسے حقیقت سے آگاہ کیا۔

"لگتا ہے' اِن دنوں میں آپ نے خاصا اوٹ پٹانگ سوچنا شروع کر دیا ہے۔۔۔ چھوڑیں' اس موضوع ہی کو چھوڑیں۔" اس نے اُکتاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ جس طرح کی زندگی میں بسر کر رہا ہوں' اس میں۔۔۔"

جنید نے کہنا چاہا لیکن راحیلہ نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے آپ کی زندگی کو' اچھی بھلی گزر رہی ہے اور انسان نے اس دُنیا سے اس وقت ہی جانا ہے' جو اس کا وقت متعین ہو چکا ہے تو پھر اس کا کیا ڈر؟۔۔۔ مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کو خوف نے گھیر لیا ہے۔"

"نہیں' ایسی بات نہیں ہے۔۔۔ میں نے زندگی کا ایک ہی پہلو دیکھا تھا لیکن اَب جبکہ میں نے زندگی کا حقیقی پہلو دیکھا ہے تو وقت میری دسترس میں نہیں رہا۔ اس کا مجھے افسوس ہے' خوف نہیں اور سچ پوچھو تو' راحیلہ! میں نے یہ دن جو تمہارے ساتھ گزارے ہیں' میری زندگی کے خوبصورت اور پیارے دن ہیں۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ زندگی اتنی خوبصورت بھی ہوتی ہے۔ کوئی کسی پر یوں بھی اپنا آپ وار سکتا ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔ راحیلہ تمہارا اور میرا کیا ناتا ہے جو تم نے میرے لیے دن رات ایک کر دیا؟"

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا اور اگر میں نے ایسا کیا ہے تو آپ کے لیے' خود اپنے لیے کیا ہے۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں اور اس کے عوض میں آپ سے محبت کی طلبگار نہیں ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"چند دن یہاں ٹھہرنے کے بعد میں پھر سے چلا جانا چاہتا تھا لیکن آج کی جو خبر ہے کہ حکومت نے تنظیموں پر پابندی لگا دی ہے' اس سے مجھے یہاں ٹھہرنے کا اور جواز مل گیا ہے۔"

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا تو راحیلہ نے پہلوتہی کرتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن بات ہو رہی تھی ہمایوں کی' اس سے۔۔۔"

''ہاں وہ اَب نہیں ---میں اِس سے تعلق توڑنا تو نہیں چاہتا' بس چند دن اِسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ میرا معاملہ ہے میں دیکھ لوں گا۔ تم پریشان نہیں ہونا۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے---''

راحیلہ نے کہا اور وہاں سے اُٹھنے لگی تو جنید نے کہا۔

''میرا فون تو مجھے دے دو---''

''ابھی لاتی ہوں---''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی ---تھوڑی دیر بعد وہ فون سیٹ کے ساتھ آ گئی۔ جنید نے اُسے آن کیا' پھر ہمایوں کا نمبر تلاش کر کے اُسے پش کر دیا۔ دوسری بیل پر فون اُٹھا لیا گیا۔

''کہاں ہیں آپ---؟'' دوسری طرف سے ہمایوں نے اتنی شدت سے پوچھا کہ وہ خود بھی حیران رہ گیا۔

''میں ایک بہت ہی محفوظ جگہ پر ہوں---میں زخمی ہوں اس لیے باہر نہیں نکل پا رہا ہوں۔'' جنید نے دھیرے سے کہا۔

''جنید بھائی! ابھی وقت ہے کہ ہم آپ کے کام آ سکیں۔ خدا کے لیے مجھے بتائیں آپ کہاں ہیں؟ میں آپ کو لے آتا ہوں۔ آپ یہاں زیادہ محفوظ رہیں گے۔'' اس نے روہانسو ہوتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں میں یہاں محفوظ ہوں۔ اَب میں تمہارے ساتھ رابطے میں رہوں گا۔'' اُس نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

''آپ کی مرضی ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں لیکن یہ اچھا نہیں ہے۔'' ہمایوں نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

''تم سمجھتے نہیں ہو---میرے معاملات کو مجھ پر ہی چھوڑ دو اور تم کسی بھی پریشانی کے بغیر اپنا سفر جاری رکھو۔ تمہیں کہیں بھی رکاوٹ نہیں آئے گی۔ یہ جو ایک نئی لہر چل نکلی ہے' یہ کسی تبدیلی کا پیش خیمہ ہے۔ جہاں تک اِن پابندیوں کی بات ہے' یہ پابندیاں ہم جیسے لوگوں کے لیے نہیں ہوتیں۔ ہمارا کام یونہی چلتا رہتا ہے۔ جب بھی مناسب ہوا میں تم سے رابطہ کروں گا۔ تم پریشان مت ہونا۔''

یہ کہہ کر اُس نے چند الوداعی باتیں کیں اور فون رکھ دیا۔

''اَب کیوں رابطہ کیا---؟'' راحیلہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اس لیے کہ وہ پریشان نہ ہو---'' پھر اس کی جانب دیکھ کر بولا۔ ''دوسری سب سے اہم بات یہ ہے' راحیلہ! کہ اَب میں نے اِک نئی دُنیا بنانے کے لیے اپنی راہ کا انتخاب کر لیا ہے۔''

یہ سن کر راحیلہ مسکراتی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتی چلی گئی۔ پھر کوئی بات کیئے بنا یوں لہرا کے کمرے سے باہر نکلتی گئی جیسے اسے اپنی محبت کے اثر پذیر ہونے کا یقین ہو گیا ہو۔

☆☆

اس شام زیتون بی بی ڈرائنگ روم میں بڑے خوشگوار موڈ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد اُسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی طوفان آیا تھا اور آنے کے بعد اچانک ختم گیا ہو۔ اس شام سلمٰی اور صفیہ قریب ہی کے ایک گھر میں مہندی کی تقریب میں گئی تھیں۔ اُسے خوشی اس بات کی تھی کہ صفیہ نہ صرف اَب معمول پر آ گئی ہے بلکہ اس کا رویہ پہلے والا نہیں رہا تھا۔ وہ اَب اُسے زیادہ وقت دیتی تھی' اُس کی باتیں سنتی اور خود کو ویسا ہی بنا کر رکھنے کی کوشش کرتی جیسا زیتون بی بی چاہتی تھی۔ اسی لیے وہ اَب صفیہ کے مستقبل کے بارے میں اپنے ہی انداز سے سوچنے لگی تھی۔ یہ سوچ ویسی ہی تھی جیسے اس معاشرے کی عام مائیں سوچتی ہیں۔ وہ چاہ رہی تھی کہ سلمٰی اور صفیہ دونوں کی شادی کر دی جائے' پھر وہ اپنے بیٹے فاخر کو بیاہے گی لیکن زیتون بی بی کے سامنے یہی مسئلہ تھا کہ وہ انہیں کہاں بیاہے؟---اُس کی دونوں بیٹیوں کی سوچ میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔ سلمٰی ایک عام سی گھریلو لڑکی تھی۔ اس کے بارے میں زیتون بی بی کو پورا یقین تھا کہ جس گھر میں بھی جائے گی' وہاں ایڈجسٹ ہو جائے گی لیکن صفیہ کے دماغ میں جو خناس بھرا ہوا تھا' وہ اُسے ہمیشہ خوف زدہ رکھتا تھا اور اس کا نتیجہ بھی سب کے سامنے آ گیا۔ شروع ہی سے زیتون بی بی کے ذہن میں یہی تھا کہ وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو انور بھائی کے گھر میں بیاہ دے گی۔ اُسے یہ احساس تھا کہ اُس گھر میں دونوں بہنیں سکھی رہیں گی' اسی لیے وہ اس گھر سے رابطہ رکھنا چاہتی تھی لیکن صفیہ کی نفرت اور اُس کے شوہر اصغر علی کے غرور نے ایسا نہ ہونے دیا--- ان دنوں وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی تھی۔ وہ جو بات کہتی تھی' وہی سچ ثابت ہوئی تھی۔ اصغر علی نے بھی اَب بھی اُس کی بات سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ تقریباً دو ہفتے پہلے جب وہ انور علی کے گھر ہو کر آئے تھے' تب زیتون بی بی نے اپنے شوہر سے بات کی تھی۔

"اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں؟" زیتون بی بی نے دھیرے سے پوچھا۔

"بولو--- میں سن رہا ہوں۔" اصغر علی نے اُس کے لہجے سے کوئی اہم بات بھانپتے ہوئے کہا۔

"اَب جبکہ انور بھائی کے ساتھ ہمارے تعلقات اچھے ہو گئے ہیں اور ماشاءاللہ اُن کے بیٹوں نے کافی حد تک خود کو غربت سے نکال لیا ہے تو کیوں نہ ہم اپنی بیٹیوں کے بارے میں سوچیں۔" اُس نے کافی محتاط انداز میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو بیگم!--- جہاں تک سلمٰی کا معاملہ ہے وہ تو ٹھیک ہے لیکن صفیہ۔ شاید اُن کے ساتھ نہ چل سکے۔ میں سمجھتا ہوں اس بات کو---" اصغر علی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ایسے میں یہ تو ممکن ہے کہ ہم فقط سلمٰی کے لیے ہی بات کریں اور صفیہ کے لیے کہیں دوسری جگہ دیکھ لیں لیکن---" زیتون بی بی نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن کیا---؟" اصغر علی نے پوچھا۔

"کیا ہی اچھا ہو کہ دونوں ایک ہی گھر میں چلی جائیں مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے صفیہ کو ذہنی طور پر تیار کر لیں۔ آپ بھی مدد کریں تو پھر کوئی بات آگے بڑھائیں۔"

زیتون بی بی نے اصغر علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا' تب وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تم بات کر کے دیکھ لو' پھر جیسا تم مناسب سمجھو گی مجھے منظور ہو گا۔"

اس دن کے بعد سے زیتون بی بی نے صفیہ پر بہت زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی' وہ بھی اپنے دل کا حال اُسے بتانے لگی۔ زیتون بی بی نے یہی سمجھا کہ اَب جو اس نے ایک جھٹکا کھایا ہے' اِسے ٹھوکر لگی ہے تو وہ سنبھل گئی ہے۔ پھر اُس نے سوچ لیا کہ وہ صفیہ سے بات کرے گی کہ اس کا عندیہ کیا ہے' پھر کوئی بات آگے بڑھائے گی۔

اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں صفیہ ہی کے اِنتظار میں تھی۔ ان دونوں بہنوں کو گئے ہوئے کافی وقت ہو گیا تھا۔ جب تک وہ آئیں' وہ اُنھی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ سلمیٰ عام لڑکیوں کی طرح خوش تھی جبکہ صفیہ کا چہرہ ستا ہوا تھا جیسے وہ جذبات سے عاری ہو۔ زیتون بی بی کے من میں دُکھ کی ایک لہر اُتر گئی۔ آخر وہ ماں تھی' اپنی بیٹی کا دُکھ برداشت نہیں کر پائی تھی اِس لیے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"خیریت تو ہے بیٹی----؟"

"مَیں سمجھی نہیں اَمی! آپ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں؟" صفیہ نے جواباً سپاٹ سے انداز میں پوچھا۔

"اِدھر آؤ' میرے پاس بیٹھو" زیتون بی بی نے پیار سے کہا تو صفیہ اُس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ سلمیٰ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ پہلے ہی صفیہ کے روکھے پن سے اُکتائی ہوئی تھی۔ "صفیہ بیٹی! کیا بات ہے' تم اِس قدر سنجیدہ سی کیوں ہو رہی ہو۔ کیا وہاں جانا تمہیں اچھا نہیں لگا؟"

"نہیں اَمی! وہاں سب ٹھیک تھا۔ میرا ہی دل نہیں چاہتا کہ ایسے شور شرابے میں جاؤں۔ یہ ہنگامے مجھے بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔" اس نے صاف انداز میں کہہ دیا۔

"اُو تو یہ بات ہے۔" زیتون بی بی نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ پھر چند لمحے توقف کے بعد بولی۔ "دیکھو بیٹی! زندگی میں اچھے بُرے دن' خوشیاں اور غم' دُکھ سکھ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی زندگی ہے لیکن اپنے اندر ایک ہی موسم کو بسائے رکھنا' یہ فطرت نہیں ہے۔ جو ہونا تھا' وہ ہو گیا میری بچی! اسے ذہن سے اُتار پھینکو۔ ابھی زندگی پڑی ہے' کیوں اپنے آپ کو گھن لگا رہی ہو؟"

"مَیں کیا کروں' اَمی! مَیں جتنا یہ سب بھولنا چاہتی ہوں' اتنا ہی مجھے یاد آتا ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ اُس نے مجھے دھوکا دیا اور اس کا اُسے کوئی بھی خمیازہ بھگتنا نہیں پڑا۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"یہی بات تم خود سوچو۔ اگر تم نے دھوکہ کھایا ہے تو سارا الزام اس پر نہ دھرو' اس میں تم بھی شامل تھیں لیکن اَب یہ ساری جمع تفریق کرنا اور پھر جزا و سزا کی بات کرنا فضول ہے۔ مَیں کہتی ہوں! اسے مت سوچو۔ اپنے مستقبل کے بارے میں غور کرو۔ تم نے امتحان دے لیا' کچھ عرصے بعد تمہارا نتیجہ آ جائے گا۔ پھر تمہارے پاس کئی راستے ہیں' چاہو تو آگے تعلیم حاصل کرو یا اپنے پاپا کے ساتھ بزنس میں چلی جاؤ جو تم ہمیشہ کہتی آئی ہو---- بزنس ہو یا تعلیم' دونوں کے لیے تمہیں اِس موجودہ سوچ سے نجات لینا ہو گی ورنہ تم کچھ نہیں کر پاؤ گی۔" اُس نے بڑے پیار سے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے مَیں سوچوں گی کہ اَب مجھے کیا کرنا ہے۔" صفیہ دھیرے سے بولی۔

"بیٹی! مَیں ایک بات کہوں۔" زیتون بی بی نے بڑے ہی محتاط انداز میں پوچھا۔

''جی امی---!'' وہ چونکتے ہوئے بولی۔

''بات یہ ہے کہ بیٹی جتنی مرضی لکھ پڑھ جائے۔ بزنس یا کسی بھی شعبے میں جتنی مہارت حاصل کر لے' اُسے لازمی طور پر ایک دن اپنا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جانا ہوتا ہے ورنہ معاشرہ اُسے وہ مقام نہیں دیتا جس کا وہ حقیقت میں حق رکھتی ہے اور یہ معاشرہ اُسے وہ تحفظ نہیں دیتا جس کی اُسے ضرورت ہوتی ہے۔ فطری ضرورت سے زیادہ اَب یہ معاشرتی مسئلہ بن کر رہ گیا ہے اس لیے میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ تم جو بھی کرنا چاہو' کرو لیکن شادی کے بعد---یقین جانو تمہاری زندگی بدل کر رہ جائے گی۔'' زیتون بی بی نے اُسے بڑے ہی تحمل سے سمجھایا۔

''امی! آپ ہمیشہ سے یہی کہتی چلی آ رہی ہیں لیکن آپ یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ اِس بندھن کے لیے دو انسانوں میں ذہنی ہم آہنگی ہونا بہت ضروری ہے ورنہ بعد میں تو انسان پچھتاتا ہے۔'' صفیہ نے اپنی ماں کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں غلط نہیں کہتی بلکہ تمہاری بات کسی حد تک ٹھیک ہے۔ یہ والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ دیکھ بھال کر اطمینان کرتے ہیں تو معاملہ آگے بڑھتا ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہارے لیے ہمایوں کا انتخاب کیا اور تمہارے نزدیک اس کی غربت سب سے بڑی خامی رہی ہے مگر آج وہ غریب نہیں رہا۔ جس طرح وہ آگے بڑھ رہا ہے' جتنی تیزی سے اس نے اپنا مقام بنایا ہے اُس میں صلاحیتیں ہیں تو اُس نے اپنا مقام بنایا ہے اور آگے وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ تم اس کے ساتھ شادی کرو یا نہ کرو' یہ ایک الگ معاملہ ہے لیکن تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتی ہو کہ اُس نے خود کو منوا لیا ہے---تمہیں شاید یاد ہوگا کہ ایک بار پولیس اُسے پکڑ کر لے گئی تھی' تب تمہارے باپ نے صرف اپنے اسٹیٹس کے باعث اُسے پولیس سے چھڑوانے کے لیے انکار کر دیا تھا لیکن پھر وہ وقت بھی آیا کہ وہی ہمایوں تمہارے باپ کو پولیس حراست سے لے کر آیا۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتی کہ اس وقت تمہارے باپ کا غلط فیصلہ تھا یا درست لیکن میں تمہیں یہ باور کرانا چاہتی ہوں کہ حالات کسی وقت بھی بدل سکتے ہیں اور اس بدلتے ہوئے وقت میں اپنا ہی کام آتا ہے---'' وہ دھیرے دھیرے اُسے سمجھاتی چلی گئی تھی۔

''تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ہمایوں سے شادی کر لینی چاہیے---؟'' صفیہ نے لرزتے ہوئے لہجے میں خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''میرا مشورہ اور رائے یہی ہے' آگے تم اور تمہارا باپ بہتر فیصلہ کر سکتے ہو---'' زیتون بی بی نے پھر محتاط انداز میں بات اسی پر چھوڑ دی۔

''لیکن جس طرح اُن کے ساتھ اور خصوصاً ہمایوں کے ساتھ میرا رویہ رہا ہے۔ ایسے میں وہ مجھے تو کیا' اس خاندان کو بھی قبول نہیں کریں گے۔'' صفیہ نے دھیرے سے کہا۔

''وقت اور حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ بہن زینب کے ذہن میں اَب بھی ویسا ہی سب کچھ ہے' بالکل اسی طرح جیسے میں یہاں رہ کر سوچتی ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں اس بات کو چھیڑتی ہوں۔ پھر دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے---'' زیتون بی بی نے دبے دبے جوش سے کہا۔

''لیکن اگر انہوں نے آپ کی سوچ کو قبول نہ کیا تو کیا ہتک نہیں ہوگی؟---بلاشبہ وہ اپنا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔'' صفیہ نے اپنی ماں سے ایک نئے پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ فقط تمہاری سوچ ہے تمہارے اندر کا خوف ہے۔ اگر میں نے ایسا محسوس کیا تو میری بیٹی! تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ پھر تم جو کہو گی میں ویسا ہی کروں گی۔"

زیتون بی بی نے حتمی سے انداز میں کہا تو صفیہ نے چند لمحے توقف کے بعد کہہ دیا۔

"جیسے آپ کی مرضی——میں آپ کے کسی بھی فیصلے سے اختلاف نہیں کروں گی۔"

اس نے کہا تو زیتون بی بی کے چہرے پر خوشی پھیل گئی جبکہ صفیہ اپنے طور پر بہت کچھ سوچ چکی تھی مگر ویسا نہیں جیسا زیتون بی بی چاہتی تھی۔

☆☆

اس صبح راحیلہ نمازِ فجر ادا کر چکی تو حسبِ معمول کچن میں چلی گئی۔ اس نے ناشتہ بنایا اور جنید کے کمرے میں چلی گئی۔ اس دن خلاف معمول وہ ابھی تک جائے نماز بچھائے بیٹھا تھا' اُس کی آنکھیں بند تھیں اور جسم ساکت تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ کانپ کر رہ گئی۔ پہلے تو وہ ہمیشہ کرسی پر یا صوفے پر بیٹھا دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں قرآن پاک یا پھر کوئی حدیث مبارکہ کی کتاب ہوتی تھی مگر اس لمحہ اس کے سامنے جو جنید تھا' وہ اسے کسی اور ہی دُنیا کی مخلوق دکھائی دے رہا تھا۔ نجانے وہ اس وقت کس طرح کی کیفیت میں تھا——راحیلہ نے ٹرے دھیرے سے میز پر رکھی اور دبے قدموں سے چلتی ہوئی اُس کے پاس آ گئی۔ شاید جنید نے اس کی مہک محسوس کی تھی' اس لیے آنکھیں یوں کھول دیں جیسے کوئی گیانی' اپنے گیان سے باہر آتا ہے۔ اُس نے ذرا سا رُخ پھیر کر راحیلہ کی جانب دیکھا تو وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"آج آپ بہت اچھے لگ رہے ہو——"

راحیلہ نے یوں کہا تھا جیسے وہ محض بات کرنا چاہ رہی ہو۔ اس پر جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں——میں خود بھی محسوس کر رہا ہوں کہ اَب مجھے اچھا لگنا چاہیے۔"

"ہائیں یہ کیا بات کی آپ نے——؟" وہ حیرت سے بولی۔

"راحیلہ! بہت غور و فکر کرنے کے بعد آج میں نے ایک فیصلہ کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ فیصلہ مجھے کر لینا چاہیے۔" جنید نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

"کیسا فیصلہ——؟"

راحیلہ نے پوچھا تو جنید نے مخمور سے لہجے میں یوں بولنا شروع کیا جیسے اُس کے لفظ لفظ میں اعتماد اُتر آیا ہو۔

"انسان اپنی زندگی میں نجانے کتنے فیصلے کرتا ہے' ان میں کچھ دُرست ہوتے ہیں اور کچھ غلط بھی ہو جاتے ہیں۔ دراصل یہ انسان کا اپنے ماحول کے ساتھ سمجھوتہ ہوتا ہے۔ انسان جو سوچتا ہے' کبھی اِسے معاشرہ قبول کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔ یہ ایک فرد کی سوچ ہوتی ہے جو کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ کر فیصلے کی صورت اختیار کرتی ہے۔ یوں فیصلے بھی کبھی قبول ہو جاتے ہیں اور کبھی قبول نہیں ہوتے لیکن——لیکن انسان کو سکون کہاں ملتا ہے'

اس کے من میں اطمینان کیسے اُترتا ہے؟ جب فیصلے ہمارے اپنے ہیں' ہم اپنے اندر سے کرتے ہیں جن کی بنیاد میں ہماری خواہشیں' اُمیدیں اور خواب ہوتے ہیں تو پھر ہم کیوں نہ یہ سوچیں کہ آخر ہم کیا چاہتے ہیں؟"

"---آپ کیا سوچ رہے ہیں؟" وہ حیرت زدہ سی بولی۔

"میں بالکل ٹھیک سوچ رہا ہوں راحیلہ! انسان کے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے جب اُسے اپنے نظریات پر نظرثانی کرنا پڑتی ہے۔ میں نے ان دنوں میں بہت سوچا ہے' کیونکہ میرے پاس سوائے سوچتے رہنے کے اور کوئی دوسرا کام ہی نہیں تھا---ایسا اس لیے نہیں ہوا کہ میں زخمی ہو کر بے بسی کی حالت میں بستر پر آن پڑا ہوں' ایسا تو پہلے کئی بار ہو چکا ہے مگر اب شاید وہ وقت آ گیا ہے کہ جب میں سوچوں کسی بھی جذبے کے بغیر فقط حقیقت کی دُنیا میں رہتے ہوئے---میں بارہا موت کے منہ سے نکلا ہوں۔ گولیاں لگیں' زخمی ہوا' حوالات میں بے انتہا تشدد برداشت کیا۔ تب مجھے اپنے نظریات پر نظرثانی کی خواہش بھی پیدا نہیں ہوئی۔"

"ایسا کیوں نہیں ہوا تھا؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"اس لیے کہ تب میرے من میں محبت نہیں جاگی تھی۔ میں اب تک عقیدت میں سب کچھ کرتا چلا جا رہا تھا' اس میں عشق نہیں اترا تھا---ہمارے مقصد کی بنیاد کیا ہے' حقیقی عشق کیا ہے؟ یہ دُرست ہے کہ ایک مسلمان کی ایمانی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ اسلامی نظریات پر آنچ نہ آنے دے' لیکن کیا یہ میرا حق نہیں کہ میں یہ سوچوں کہ جس راستے پر میں جا رہا ہوں' وہ دُرست ہے؟ وقت اور حالات کا تقاضا کیا ہے؟ ایسا تو نہیں کہ ہم زبردستی ایسے راستے پر دھکیل دیے گئے ہوں جو سیدھا نہیں ہے۔ وہ راستہ جو نبی رحمتؐ نے ہمیں دکھایا' خود چلے اور ہمیں اس پر چلنے کی تلقین کی۔ خاتم المرسل تو خود رحمت العالمین ہیں۔ جب عشق رسولؐ من میں اُترتا ہے نا' تو پھر نظریہ جنگ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ تب جنگ نہیں کی جاتی بلکہ فتنہ دور کرنے کے لیے جہاد کیا جاتا ہے۔ اصل مقصد اللہ کی حکمرانی اس زمین پر نافذ کرنا ہے۔ میرا تو یہی خیال کہ من میں عشق رسولؐ بھی ہو اور دُنیا پر اللہ کی حکمرانی نہ ہو پائے۔"

"یہ کیا سوچ رہے ہیں آپ---؟" راحیلہ نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُس کی جانب دیکھا۔

"میں ٹھیک سوچ رہا ہوں---تلوار اس وقت اُٹھائی جاتی ہے جب گفتگو کا امکان نہ رہے اور فتنہ سر چڑھ جائے۔ جس معاشرے کا میں فرد ہوں' میرے اس میں کیا فرائض ہیں اور اس سے بھی پہلے ہمیں سوچنا ہے کہ وہ کون سے امکانات ہیں جن سے فتنہ دُور کیا جا سکتا ہے۔ دورِ جدید میں بہت سارے محاذ کھل گئے ہیں۔ کیا ہم صحیح اسلامی پیغام عوام تک پہنچا پائے ہیں یا محض ہم شخصیت پرستی تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیا فرد اور اجتماعیت کی ذمہ داریاں الگ الگ کر سکے ہیں؟ پہلے خود کو مضبوط کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے اندر کا وہ طبقہ جو غریب عوام کو لوٹ رہا ہے ان پر ظلم کر رہا ہے' ہمارے وسائل پر قابض ہے' ان کے خلاف علم بغاوت نہیں اعلان جہاد کیوں نہیں کیا جاتا' کیا جہاد کے لیے قربانیاں دینا ایک مخصوص طبقے ہی سے ہے' کیا پھر پلٹ کر ان کے خاندان کی نگہداشت کرنے والا کوئی ہے؟ ان کی بیٹیوں' بیواؤں کا آسرا کون ہوگا؟ ہمارے اپنے ہی معاشرے کی اجتماعی سوچ کس سمت میں جا رہی ہے۔ ہمیں اندر سے مضبوط ہونا ہے۔ خیر---" وہ یہ کہہ کر ایک لمحے کے لیے رُکا' اُس نے طویل

سانس لی اور پھر حتمی سے لہجے میں بولا۔ ''اسے چھوڑو یہ میرے من کے معاملات ہیں۔ میں نے آج ایک فیصلہ کیا ہے۔''

''کیسا فیصلہ۔۔۔؟''

راحیلہ پوری جان سے لرزتے ہوئے بولی کہ نجانے وہ کیا بات کہہ دے۔ وہ چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھتا رہا پھر دھیرے سے بولا۔

''میں تمہارے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں۔''

''نکاح۔۔۔!'' راحیلہ کی آواز میں سرسراہٹ سی تھی۔

''ہاں نکاح۔۔۔ کیونکہ اگر ہمیں ایک چھت تلے رہنا ہے تو ایسا لازمی ہے۔'' وہ بولا۔ اگرچہ یہ ایک موہوم سی دلیل تھی لیکن اصل بات کیا تھی وہ دونوں اچھی طرح سمجھتے تھے۔

''کیا فقط اس لیے کہ ایک چھت تلے رہنا ہے؟'' راحیلہ نے انتہائی تجسس سے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔ بلکہ اس لیے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اس کی جانب دیکھتا رہا، راحیلہ کچھ بھی نہ بولی تو اس نے کہا۔

''کسی کو پرکھے بغیر یقین کر لینا اور کسی کو پرکھ کر یقین کر لینے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تم نے بنا پرکھے مجھ پر اعتماد کیا اور میں نے تمہیں پرکھ کر۔۔۔ اس سے زیادہ میرے پاس کہنے کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔ تم بتاؤ کیا میں تمہیں قبول ہوں؟''

جنید نے کہا تو راحیلہ کے چہرے پر حیرت' خوشی اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات پھیل گئے۔ کتنے ہی لمحے یونہی بیت گئے' تب وہ خواب آگیں لہجے میں بولی۔

''میں نے تو آپ کو نجانے کب سے اپنا مان لیا ہے۔۔۔ میں آپ کی مرضی میں خوش ہوں۔''

''فقط میری مرضی نہیں' تمہاری رضا بھی ضروری ہے؟'' وہ بڑے ہی اعتماد سے بولا۔

''جی۔۔۔ میں راضی ہوں۔'' اس نے دھیرے سے پلکیں جھکاتے ہوئے کہا۔

''تو ٹھیک ہے۔۔۔ آج شام تیار رہنا میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔''

جنید نے کہا اور اُٹھ گیا۔۔۔ راحیلہ کے من میں خوشیاں جگمگا اُٹھی تھیں! ان لمحات کے تصور ہی سے وہ خلاؤں میں اُڑنے لگی جہاں اپنے وجود کا احساس ہی نہیں رہتا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ منزل اس قدر جلدی اس کے پاس خود چل کر آ جائے گی۔

سہ پہر تک گھر میں خوب رونق ہو گئی تھی۔ نسرین جوزف پہنچ گئی' رضیہ نے کچن سنبھال لیا۔ اس دن راحیلہ کی ماں کے چہرے پر پہلی بار رونق آئی تھی ورنہ پہلے تو وہ یوں اس گھر میں رہتی تھی جیسے قید کاٹ رہی ہو۔ جنید اپنے پیروں پر چل کر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا تھا جبکہ راحیلہ اپنے کمرے میں تھی' وہ اس کا سامنا ہی نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ نسرین جوزف کمرے میں آئی' اس کے ہاتھ میں چند بڑے بڑے شاپنگ بیگ تھے۔

''راحیلہ! تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو؟''

''تو پھر اور کیا کروں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ڈرائنگ روم میں ہمایوں صاحب اور اُن کے ساتھ دو بندے آ گئے ہیں رضیہ کا خاوند بھی ہے۔ اب بس تمہارا انتظار ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ یہ شاپنگ بیگ تمہارے لیے ہمایوں صاحب لے کر آئے ہیں۔''

''نسرین امّی! ان مردوں میں نہیں جا سکوں گی۔'' راحیلہ نے تیزی سے کہا۔

''نہ سہی لیکن تم تیار تو ہو جاؤ۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''میں تیار ہو جاتی ہوں مگر وہاں نہیں پلیز---!''

وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولی تو نسرین چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر پلٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب راحیلہ وہ شاپنگ بیگ میں آئی ہوئی چیزیں دیکھ چکی تھی، دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور اس کے ساتھ نسرین اندر آ گئی۔

''نکاح خواں کے ساتھ ہمایوں صاحب آئے ہیں---'' وہ اسے تیزی سے بتا کر باہر کی جانب دیکھ کر بولی۔ ''آ جائیں۔''

آواز سنتے ہی ہمایوں، نکاح خواں اور ایک مرد اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے دستخط کروائے۔ ایجاب و قبول کے لیے پوچھا اور واپس چلے گئے--- مغرب کے بعد تک نسرین اور رضیہ نے جی بھر کے راحیلہ کو سجایا سنوارا۔ وہ دُلہن بنی بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ تیار ہو چکی تھی کہ اس کی ماں کمرے میں آئی اور کتنی ہی دیر تک اس کے سامنے بیٹھی اسے یوں دیکھتی رہی جیسے اپنے ذہن میں کھلی آنکھوں سے دیکھے گئے خواب دُہرا رہی ہو۔ کافی دیر تک یونہی دیکھتے رہنے کے بعد راحیلہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''جیتی رہو بیٹی! سدا سکھی رہو---''

اُس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ راحیلہ اپنی ماں کے گلے لگ کر رونے لگی، یہاں تک کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔ جب وہ خوب جی بھر کے رو چکی تو اس کی ماں نے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! مجھے تم پر فخر ہے کہ تم نے میرا مان رکھا۔ یہاں آ کر میں خوش نہیں تھی لیکن میں آ گئی میں تمہاری مجبوریاں سمجھتی ہوں۔ یہ تمہاری نہیں میری مجبوریاں ہیں۔ میرے پاس غربت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا--- خیر--- اب جنید جیسا بھی ہے، جو بھی ہے، تمہارا مجازی خدا ہے۔ آج سے پہلے تک میں اُس کے بارے میں اچھا نہیں سوچتی تھی لیکن اُس نے میری سوچ بدل دی۔ تم بیٹی! اپنی ہر سانس اُس کے نام کر دینا۔ یہی عزت والی بیٹیوں کی شان ہوتی ہے۔ اللہ تمہیں آباد رکھے۔''

''امی---!''

یہ کہہ کر وہ دوبارہ اپنی ماں کے گلے لگ گئی۔ وہ چند لمحے اس کی پیٹھ تھپکتی رہی، پھر اسے الگ کرتے ہوئے بولی۔

''بس بیٹی! بس--- تم اپنی نئی زندگی کی شروعات کرو۔ اللہ تمہارا نگہبان رہے۔''

"آؤ اب تمہیں رخصت کریں---"

رضیہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ حیران رہ گئی پھر نسرین کی جانب دیکھا تو اس نے بھی اشارے سے عندیہ دے دیا۔ وہ دونوں اسے جنید کے کمرے میں لے گئیں جہاں اک نیا سماں تھا۔ پورا کمرہ پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ سجی ہوئی سیج نے اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا۔ خوشبوؤں میں بسے کمرے میں وہ داخل ہوئی تو اس کی روح تک سرشار تھی۔

☆☆

ہمایوں اس شام بہت مضطرب تھا۔ وہ اس طرح کی اُلجھی ہوئی سوچوں میں گھرا ہوا تھا جن کا نہ کوئی سرا دکھائی دیتا تھا اور نہ ہی ان کی سمجھ آ رہی تھی۔ کسی بھی ایک سوچ کو اگر وہ تھام لیتا تو ذرا سا آگے جا کر اک نئی سوچ اس کا ہاتھ تھام لیتی۔ اسے احساس تو تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی ایسے مقام پر آ کھڑا ہوگا جب اسے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ صفیہ کے بارے میں اس کا رویہ کیا ہوگا؟ اور یہ احساس اس دن شدت اختیار کر گیا تھا جب وہ اپنے چاچا کو پولیس اسٹیشن سے لے کر آیا تھا۔ اتنی چھوٹی سی بات تو ہر بندہ سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی احسان مند ہو جائے اور دوسرے کو خود سے بھاری محسوس کرے تو اس کا جھکاؤ اسی جانب ہو جاتا ہے۔ وہ بھی سمجھتا تھا' حالات بالکل بدل کر رہ گئے تھے۔ اب تو اس کے اپنے گھر والوں کا رویہ بھی بڑی حد تک صفیہ اور اُس کے گھر والوں کے بارے میں نرم تھا۔ زیتون بی بی تیسرے چوتھے دن ان کے گھر کا چکر ضرور لگاتی تھی' دبے دبے انداز میں صفیہ کے متعلق باتیں بھی ہونا شروع ہو گئی تھیں لیکن وہ خود مطمئن نہیں تھا۔ وہ کوئی فیصلہ ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ آخر وہ کیا چاہتا ہے؟--- اس کے سامنے دو طرح کی باتیں تھیں۔ کیا وہ صفیہ سے اب بھی عشق کرتا ہے' اسے چاہتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی ویسی خواہش رکھتا ہے یا پھر اس کی اپنی ترجیحات بدل چکی ہیں۔ غربت کے اُس دَور میں اس کا اپنا ذہن اتنا وسیع نہیں تھا' جتنا اَب تھا۔ وہ کسی بھی خاندان سے اپنا ناتا جوڑنے کے بارے میں سوچ سکتا تھا جسے وہ اپنی دسترس میں سمجھتا۔ دولت اَب اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہی تھی۔ دوسری بات اس کے سامنے یہ تھی کہ اگر فقط صفیہ کا حصول ہی مقصد تھا تو پھر اتنی محنت اور ریاضت اسی کے لیے تھی؟ وہ اگر محبت نہیں کر سکتی تو اس کا یہ حق کیوں نہیں مانا جاتا۔ وہ کسی سے زبردستی محبت تو نہیں کروا سکتا' یہ تو من کی بات ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اَب تک کی محنت اور ریاضت اسی کی وجہ سے کی گئی ہے تو اَب حاصل بھی کر لینا چاہئے کیونکہ صفیہ کے حصول کی خواہش ہی اسے یہاں تک لے کر آئی تھی' چاہے اس خواہش میں انتقامی جذبہ ہی کارفرما تھا۔ وہ جیسے ہی اس طرح کے فیصلے کے قریب پہنچتا' تب اسے یہ سارا کھیل ہی مضحکہ خیز لگتا کیونکہ اگر صفیہ ہی کو جھکانا مقصد تھا تو وہ جھک چکی تھی۔ پچھلے چند دن سے فون پر کافی باتیں ہو چکی تھیں۔ ان باتوں میں صفیہ کی یہ خواہش بھی شامل تھی کہ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے' بہت ساری باتیں کرنا چاہتی ہیں۔ وہ لڑکی جو کبھی اس سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتی تھی' اَب خود ملنا چاہتی ہے۔ اس کا مقصد تو پورا ہو چکا تھا۔ اَب اُس کا انتظار کیوں؟--- کیوں بار بار اُس کا خیال آتا ہے' کیوں ہر فون کال کے بعد اس کا دل جھک اُٹھتا ہے' کیوں اُس کی یاد بار بار آتی ہے؟ وہ اسی اضطراب میں تھا اور کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ملنے کے لیے صفیہ کو وقت نہیں دے رہا تھا کیونکہ وہ خود اندر سے مطمئن نہیں تھا۔

اس شام بھی وہ اس لیے مضطرب ہو گیا تھا کہ دوپہر کے بعد صفیہ کا فون آیا تھا۔ کچھ دیر کی باتوں کے بعد اُس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی

تھی اور وہ حسب معمول مصروفیت کا بہانہ کر کے ٹال گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے؟ ـــــ پھر اچانک اسے یوں لگا جیسے وہ اس مسئلے کو حل کر لے گا۔ اس نے فون اُٹھایا اور جنید کے نمبر ملا دیے۔

''کیسے یاد آ گئی ہماری، ہمایوں صاحب ـــ؟'' جنید نے تمہیدی باتوں کے بعد خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''جب بھی کوئی اُلجھن ہوتی ہے نا تو میں آپ ہی کو یاد کرتا ہوں۔'' ہمایوں نے انتہائی سنجیدگی میں دھیرے سے کہا۔

''مطلب، کوئی اُلجھن ہے ـــ''

جنید ہنستے ہوئے بولا تو ہمایوں نے دھیرے دھیرے ذہن میں آنے والی سوچیں کہہ دیں۔ آخر میں بولا۔

''مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''میرے خیال میں تو یہ بات کوئی اتنی زیادہ اُلجھن والی نہیں ہے اور فرض کیا اگر اُلجھن والی ہے بھی تو اسے کوئی دوسرا نہیں سلجھا سکتا۔ ایسا میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کا فیصلہ تم نے خود کرنا ہے۔'' جنید نے سنجیدگی سے کہا۔

''وہی تو ـــ میں سوچ سوچ کر تھک چکا ہوں۔ میں جس قدر سوچتا ہوں، اس قدر ہی اُلجھ جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سوچوں سے ـــ''

''نہ نہیں ـــ میری جان! کوئی دوسرا جب تمہیں کوئی راہ دکھائے گا تو پھر وہ فیصلہ تمہارا اپنا نہیں رہے گا۔ چاہے جتنا بھی خلوص بھرا مشورہ ہو وہ ایک راہ کا تعین کرے گا۔ صفیہ والا معاملہ تمہارا اپنا ہے، یہ تو من سے کیا جانے والا فیصلہ ہے ـــ سوچو، ایک ایک بات پر سوچو۔ اس میں جتنا مرضی وقت لگ جائے لیکن جب کوئی فیصلہ کر لو تو پھر پورے دل سے اس پر عمل کرنا۔ اس طرح تم کبھی خود سے شرمندہ نہیں ہو گے۔'' جنید نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، مجھے ایسے ہی کرنا چاہیے لیکن وہ وقت جو مجھے سوچنے کے لیے چاہیے، اس میں سکون ہو گا تب نا! ـــ وہ ہر فون کال میں ملاقات کی خواہش کرتی ہے، ایسے میں ـــ''

''یار! تم سمجھتے کیوں نہیں ہو اور پھر تم کیسے سیاستدان ہو، تمہیں ہر بات سمجھانے کی ضرورت ہے ـــ میرے بھائی! اگر وہ تم سے ملاقات کی خواہاں ہے تو اچھی بات ہے۔ ایک اچھے سیاستدان کی مانند اپنی رائے یا فیصلہ نہ دو بلکہ اُس کا رویہ جانچو کہ وہ تمہیں کیا تاثر دینا چاہتی ہے ـــ دو باتوں میں سے ایک بات ہونی ہے، یا تو وہ تمہارے قریب ہونے کی کوشش کرے گی یا پھر وہ تم سے درخواست کرے گی کہ تم اُس کی دُنیا میں سے نکل جاؤ ـــ اس وقت وہ مجبوری کی حالت میں ہے۔ مجبور چاہے کوئی عورت ہو یا پھر قوم وہ اپنا فیصلہ نہیں دے سکتی۔'' جنید نے اسے تفصیل سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''مجھے ڈر اس بات کا نہیں ہے کہ وہ میری دُنیا سے چلے جانے والی کوئی بات کرے گی بلکہ میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ وہ میری زندگی میں آنے کی بات نہ کرے۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اُس کے پاس میرے علاوہ اب کوئی آپشن نہیں ہے اور ـــ''

"---غلط فہمی ہے تمہاری۔ اُس کے پاس بہت آپشن ہیں۔ وہ کیا ہو سکتا ہیں میں اس کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ جو زخمی ہوتا ہے اُس کا انتقام کے جذبہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں ابھی اُسے دیکھوں، پرکھوں اور جانچوں کہ وہ کیا چاہتی ہے؟" ہمایوں سوچتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال تو یہی ہے---میں نہیں سمجھتا کہ اِن حالات میں، بلکہ مجبوری والے حالات میں اُس کے من میں تمہارے لیے محبت پھوٹ پڑی ہو۔ محبت کے ظہور کے لیے ماحول میں کثافت نہیں ہوتی۔" جنید نے آہستہ سے کہا۔

"چلیں ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔" وہ حتمی سے لہجے میں بولا۔

"بالکل---اِس طرح تمہیں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی اور ویسے بھی ابھی حالات نے کوئی ایسی واضح صورت اختیار نہیں کی ہے۔ جس پر تم کوئی حتمی بات کہہ سکو۔ ابھی تو سب کچھ دھند میں ہے، ایسے میں اگر تم کوئی فیصلہ کرو گے تو وہ قبل از وقت ہوگا۔" اُس نے اپنی رائے دے دی۔

"اوکے---میں اُسے ملاقات کا وقت دیتا ہوں۔ پھر دیکھتے ہیں' کیا ہوتا ہے۔"

اِس نے جیسے ایک فیصلہ کرلیا۔ پھر چند الوداعی باتوں کے بعد رابطہ منقطع کردیا---

جنید سے بات کر کے ہمایوں ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ وہ غبار جو اس کے دماغ میں اُٹھا ہوا تھا' دھیرے دھیرے بیٹھ چکا تھا۔ یوں منظر کافی حد تک واضح ہو جانے کے بعد وہ مطمئن ہو گیا۔ یہ اِنسانی فطرت ہے کہ جب اِنسان ایک جانب سے مطمئن ہو جائے تو اک دوسرا پہلو اس کے سامنے واضح ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اِسے جنید بہت ہی پرسکون محسوس ہوا تھا۔ اس کی پرسوچ گفتگو، ٹھہرا ہوا انداز اور نرم لہجہ دیکھ کر کوئی بندہ بھی یہ محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کبھی تاریک راہوں کا راہی ہو سکتا ہے۔ اس نے سوچا کہ یہ حالات ہی ہیں جو اِنسان کو بدل کر رکھ دیتے ہیں اگر وہ زخمی نہ ہوا ہوتا تو شاید وہ راحیلہ کے اِتنے قریب نہ ہوتا۔ ممکن ہے پہلے اُسے راحیلہ میں وہ سب کچھ دکھائی نہ دیا ہو جو اس کی قربت نے اُس پر واضح کر دیا۔ یوں جنید بڑے سکون سے ایک فیصلے تک پہنچ گیا اور اُس نے راحیلہ سے شادی کرلی۔ ممکن ہے' اس کے ساتھ بھی ایسا ہو جیسا کہ حالات بتا رہے ہیں' صفیہ خود اس سے ملنا چاہتی تھی۔ صفیہ نے حالات تجزیہ کیا تو سوائے اِس کے کوئی بھی دکھائی نہ دیا ہو۔ وقت کی ٹھوکر اِنسان کو بہت کچھ سکھا جاتی ہے۔ اِس طرح خود بھی اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے وہ اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کر کے اپنی اِس دیرینہ خواہش کی تکمیل کرے جس کے لیے اس نے جدوجہد کا یہ سفر طے کیا تھا اور اس مقام تک آپہنچا تھا کہ جہاں نئے سفر اس کے سامنے تھے اور واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اہم بات یہی تھی کہ اس کی قربت میں تھوڑا وقت گزارا جائے۔ پھر صورت حال کیا بنتی ہے' اس کے مطابق فیصلہ کرلیا جائے---اس نے سوچا اور ایک طویل سانس لی پھر سامنے میز پر پڑا ہوا سیل فون اُٹھایا اور صفیہ کے نمبر ڈائل کر دیے۔

☆☆

صفیہ جہاں اس بات پر خوش تھی کہ ہمایوں نے خود فون کر کے اسے بلایا ہے وہاں وہ حیران بھی تھی کہ اس نے بات کرتے وقت ایک شرط بھی عائد کر دی تھی۔ ہمایوں نے اسے شہر کے سب سے مہنگے ہوٹل میں بلایا تھا لیکن ساتھ میں یہ بھی کہا تھا کہ وہ جب بھی آئے' پہلے اپنی والدہ زیتون بی بی سے اجازت لے اور اُسے بتا کر آئے۔ سب کچھ طے کرنے کے بعد وہ اس وقت کا اِنتظار کرنے لگی جب اس نے ہمایوں سے ملنا تھا اور پھر وہ شام آ گئی۔ وہ تیار ہو کر ہوٹل کے استقبالیہ پر پہنچی۔ جہاں اس نے اپنا نام بتا کر ہمایوں سے ملنے کے بارے میں کہا تو ایک خوش شکل خاتون میزبان نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اسے ساتھ لیتے ہوئے چل دی۔ لفٹ کے ذریعے وہ سوئیٹ تک پہنچیں جو بہر حال صفیہ نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"خوش آمدید صفیہ ---!"

ہمایوں نے صوفے سے اُٹھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ نروس سی صفیہ اُس کی جانب دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے سلام کیا' ہمایوں نے جواب دیتے ہوئے سامنے صوفے کی جانب بیٹھنے کا اِشارہ کیا' تب تک وہ میزبان لڑکی پلٹ کر اس جگہ چلی گئی جہاں مختلف مشروب پڑے ہوئے تھے۔ دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ جب وہ میزبان لڑکی ان کے سامنے مختلف مشروب رکھ کر چلی گئی تو ہمایوں نے یہ کہہ کر خاموشی توڑی۔

"لیجیے ---"

صفیہ ابھی تک اس ماحول کے زیرِ اثر تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے کزن ہمایوں سے نہیں' کسی اجنبی امیر زادے سے ملنے کے لیے آ گئی ہے۔ اس نے ہمایوں کی طرف دیکھا جو چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کی جانب مسلسل دیکھ رہا تھا۔ اس پر وہ مزید نروس ہونے لگی۔ اسے کچھ نہ سوجھا تو بولی۔

"یہ اتنا مہنگا ---- میرا مطلب ہے کہ محض باتیں کرنے کے لیے آپ نے اس قدر اہتمام کر ڈالا؟"

"کہتے ہیں کہ اچھے ماحول میں اچھی اچھی باتیں سوجھتی ہیں اور میں تم سے اچھی اچھی باتیں ہی کرنا چاہتا ہوں۔" ہمایوں کے لہجے میں بڑی حد تک خوشگواریت تھی۔

"میں بھی خوشگوار باتیں ہی کرنا چاہوں گی لیکن یہ اچھی اچھی باتیں تو کسی اور عام سی جگہ پر بھی ہو سکتی تھیں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"میں تم پر اپنی امارت یا دولت کا رُعب نہیں جمانا چاہتا اور نہ ہی میرا مقصد تمہیں مرعوب کرنا ہے ---- دراصل میں اس ملاقات کو بہت اہم اور یادگار بنانا چاہتا ہوں اس کا نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو۔"

ہمایوں نے گہری سنجیدگی سے کہا اور مشروب کی جانب اشارہ کیا۔ صفیہ نے ان مشروبات کی جانب دیکھا اور پھر ان میں سے اپنی پسند کا گلاس اُٹھا لیا۔

"ہاں' یہ بات دُرست ہے کہ ہمیں اس ملاقات کو بہت یادگار بنانا ہوگا جو ظاہر ہے' ملنے ملانے تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس میں کوئی اہم فیصلہ کیا جائے تبھی وہ یادگار رہتی ہے۔" صفیہ کا اعتماد کچھ کچھ بحال ہو چلا تھا۔

''ہاں ہونا تو ایسے ہی چاہیے' خیر۔۔۔تم بتاؤ' مجھ سے کیوں ملنا چاہ رہی تھیں؟'' ہمایوں نے فوراً ہی مدعا پر آتے ہوئے کہا۔

''میں اپنے سابقہ رویے پر معذرت کرنا چاہتی تھی۔وہ حالات۔۔۔''

صفیہ نے کہنا چاہا لیکن ہمایوں اسے ٹوکتے ہوئے بولا۔''۔۔۔ماضی بن گئے ہیں اور میں انھیں بھول چکا ہوں۔''

''اچھی بات ہے لیکن میں نے خود کو بھی تو مطمئن کرنا ہے۔۔۔میں ایسا اس لیے نہیں چاہ رہی ہوں کہ میرے اور آپ کے گھر والے کیا سوچ رہے ہیں۔آئندہ پتہ نہیں حالات کیا ہوں گے۔لیکن پھر بھی۔۔۔'' وہ کہتے کہتے رُک گئی۔

''میں سمجھا نہیں کہ آئندہ حالات سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' وہ تجسس سے بولا۔

''کل کے بارے میں کس نے جانا' کچھ بھی ممکن ہے۔۔۔'' وہ بات کو گول کر گئی۔

''ہاں' تم ٹھیک کہتی ہو اور میرا خیال ہے کہ تم اسی تناظر میں کوئی بات کہنا چاہتی ہو۔'' ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

''ہاں۔۔۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لیے اس کی جانب دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے بولی۔''ہمایوں اور اصل آج تک مجھے کسی نے سمجھا ہی نہیں۔میں ایک عام لڑکی جیسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی' میرے اپنے خواب ہیں اور میں انھیں اپنے سامنے حقیقی صورت میں دیکھنا چاہتی ہوں جو میرا حق ہے لیکن یہ معاشرہ مجھے میرا حق کیوں نہیں دیتا؟'' آخری لفظ کہتے ہوئے وہ ذرا سی تلخ ہو گئی تھی۔

''اپنے خوابوں کے حصول کے لیے کوشش کرنا ہی تو جدوجہد ہے۔ماحول' معاشرہ اور حالات کے ساتھ ہی تو نبرد آزما ہونا جاتا ہے۔اگر یہ رکاوٹیں نہ ہوں تو ہر بندے کے خواب' خواہشیں اور اُمیدیں پوری ہو جائیں اور وہ بہت آسانی محسوس کرے۔اس راہ میں تو نجانے کتنی ٹھوکریں' دھوکے اور فریب ہوتے ہیں مگر انہی راہوں میں کامیابیاں بھی ہیں۔اب تو یہ جدوجہد کرنے والے کی نگاہ ہے نا کہ وہ اپنے ہاتھ میں کیا پاتا ہے؟''

''لیکن میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے اس راہ پر چلنے ہی نہیں دیا جا رہا۔۔۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''کس نے روکا ہے؟'' اس نے بھی جواباً تیزی سے کہا اور پھر بولا۔''خیر جب انسان کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اندر سے مضبوط ہوتا ہے نا' تو وہ مقصد پا لیتا ہے اور یہ بھی شرط ہے صفیہ! کہ ماحول' معاشرہ اور حالات اسی وقت سازگار ہوتے ہیں جب وقت اور سمت کا تعین کر لیا جائے۔جب ہم اس کا خیال نہیں کریں گے تو کامیابی ہاتھ میں نہیں آتی۔'' ہمایوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ایک گھونٹ لے کر گلاس واپس رکھ دیا۔

''میں آپ کی بات سے انکار نہیں کرتی' اس سے پوری طرح متفق ہوں لیکن۔۔۔''

''لیکن کیا۔۔۔؟'' وہ دھیرے سے بولا۔

''دیکھیں' میں ماضی میں آپ کے ساتھ اپنا رویہ اچھا نہیں رکھ پائی ہوں اور اس وقت میں شرمندہ ہوں لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو میں غلط نہیں تھی۔مجھے اپنی سوچ' فیصلے اور اختیار کا بھی تو حق ہونا چاہیے۔اب بھی اگر مجھے میری مرضی کے بغیر دھکیلا جا رہا ہے تو پھر وقت تو میرے لیے ٹھہرا ہوا ہے؟'' اس نے کافی حد تک اعتماد سے کہا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب کہیں یہ تو نہیں ہے کہ اب جو ہم دونوں کے والدین سوچ رہے ہیں اُنہیں ویسا نہیں سوچنا چاہیے؟" ہمایوں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ممکن ہے اُن کی سوچ دُرست ہو اور یہ بھی کہ دُرست نہ ہو مگر یہ ہونا اور نہ ہونا بعد کی بات ہے۔ اِس سے پہلے اِس بات کا تعین کر لینا چاہیے کہ جن لوگوں کے لیے وہ سوچ رہے ہیں آیا ان کے لیے سوچا بھی جائے یا کہ نہیں؟" وہ اُس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں تمہاری بات سمجھ گیا کہ تم کہنا کیا چاہتی ہو لیکن سوال یہ ہے کہ تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟"

اُس نے کریدنا چاہا۔ اِس پر صفیہ بہت حد تک محتاط ہو گئی۔ اصل میں وہ ہمایوں سے یہی بات کرنا چاہ رہی تھی' یہی وہ نکتہ تھا جس پر وہ اپنے تعلق کی بنیاد رکھنا چاہ رہی تھی اِس لیے پہلو بدلتے ہوئے بولی۔

"دیکھیں' ہمایوں! ہر انسان کی زندگی میں کچھ ترجیحات ہوتی ہیں۔ میں مانتی ہوں کہ یہ ترجیحات وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل بھی ہوتی ہیں لیکن کچھ اتنی اہم ہوتی ہیں کہ ان سے آگے دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ ایک منزل کی مانند ہوتی ہیں جسے سر کر لینے کے بعد ہی اگلی منزل کا خیال آتا ہے۔" صفیہ نے اپنا نکتہ نگاہ اس پر واضح کرتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" ہمایوں نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"میں جب بھی اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی ہوں یا اپنے مستقبل کا خیال کرتی ہوں تو میں اپنے آپ کو ایک بزنس وومن کے طور پر دیکھتی ہوں۔ یہ میرا خواب ہے اور اِسے میں پورا کرنا چاہتی ہوں۔ آپ بتائیں' کیا ایسا خواب دیکھنا غلط ہے یا میرا حق نہیں؟" اس نے جذباتی لہجے میں پوچھا۔

"ٹھیک ہے' یہ تمہارا حق ہے۔" اُس نے دھیرے سے کہا تاکہ وہ اپنی بات جاری رکھے۔

"اب لازمی بات ہے' وہی پہلو میرے لیے ترجیح رکھتے ہیں جو میرے خواب کے لیے معاون ثابت ہوں گے۔ اب معاشرہ' حالات یا پھر ماحول مجھے دوسری راہ پر دھکیل دینے کی کوشش کرے تو مجھے مزاحمت تو کرنی چاہیے نا! ——— اب میری اس مزاحمت کو میری بغاوت سمجھ لیا جائے تو یہ انصاف نہیں ہے۔" وہ بہت زیادہ جذباتی ہو گئی تھی۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے' تمہارے پاپا نے تمہارا پورا پورا ساتھ دیا ہے اور دے رہے ہیں۔" ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

"لیکن ماما نے ہر قدم پر نکتہ چینی کی' میرا حوصلہ پست کیا اور مجھے اس راہ سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔" یہ کہتے ہوئے وہ چونک گئی' پھر تیزی سے بولی۔ "مجھے معلوم ہے اِس پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ پھر نتیجہ کیا رہا' میں نے تیمور جیسے شخص کے ہاتھوں دھوکا کھایا لیکن یہ سراسر ایک الگ معاملہ ہے۔ جس وجہ سے ماما اِس تعلق پر نکتہ چینی کرتی تھیں میں نے وہ سب کچھ تو نہیں گنوایا ———" اس نے اشارے میں بات کہہ دی۔

"لیکن پھر بھی' صفیہ! جس شخص نے تمہاری حوصلہ افزائی کی' اُسے بھی تکلیف ہوئی' دُکھ پہنچا اور اذیت کے مراحل سے گزرنا پڑا۔" ہمایوں نے تیزی سے کہا۔

"میں مانتی ہوں کہ یہ میری غلطی تھی لیکن میری مزاحمت نے مجھے ایک ایسی راہ پر ڈال دیا۔ ممکن ہے میں اس راہ میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی اگر میرے پاپا کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی۔" یہ کہتے ہوئے وہ چند لمحوں کے لیے یوں خاموش ہو گئی جیسے کچھ کہنے سے قبل وہ اپنے اندر ہمت جمع کر رہی ہو۔ چند لمحوں بعد وہ بولی۔ "جس طرح میں نے ترجیحات بدلنے کی بات کی ہے۔ میری زندگی میں اس خوفناک واقعہ کے بعد کچھ ترجیحات بدلی ہیں البتہ میرے خواب نے اب بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ وہ مزید مضبوط ارادے کے ساتھ میرے من میں سما گیا ہے۔ میں صاف لفظوں میں کہوں گی کہ میں اب بھی ایک بزنس وومن کے طور پر خود کو منوانا چاہتی ہوں اور اس میں شادی کر کے ایک گھر بسانے کا تصور بہت معمولی سا لگتا ہے۔" صفیہ نے بالآخر کھل کر بات کرنے کی ٹھان لی' اس لیے اس نے صاف طور پر اپنا مدعا کہہ دیا۔

"یہاں ایک بات سمجھنے کی ہے صفیہ! اگر تمہاری زندگی میں کوئی ایسا شخص آ جائے جو تمہارے خواب کی تکمیل میں معاون ثابت ہو تو پھر تمہیں شادی کر لینے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔۔۔"

ہمایوں نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو صفیہ کے من میں ایک خوشگوار لہر دوڑ گئی۔ وہ بھی تو چاہتی تھی' اس لیے خوشی سے بولی۔

"آف کورس' یہی تو میں چاہوں گی۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہمایوں کی جانب دیکھا اور پھر پوچھا۔ "اب آپ بتائیں' ہمارے والدین کا ہمارے بارے میں سوچنا ٹھیک ہے یا نہیں؟"

"صفیہ! جس طرح تم نے بات کی' اپنا پوائنٹ آف ویو مجھے سمجھایا' مجھے اچھا لگا۔ کسی بھی نئی زندگی کی شروعات کے لیے بہرحال ایک دوسرے کی ذات پر اعتماد بہت ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں والدین کے فیصلے پر اعتماد کیا جاتا ہے اور لوگ اپنی زندگی کو خوشگوار بھی رکھتے ہیں' تاہم بہت سارے اپنی زندگی خوشگوار نہیں رکھ پاتے اور ان میں غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔۔۔ یہ بہت اچھی بات ہے' بعد میں کسی غلط فہمی کی بنا پر زندگی تلخ کرنے سے بہتر ہے کہ پہلے ہی اس غلط فہمی کو دور کر لیا جائے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو۔ میں کوشش کروں گا کہ اپنے والدین کو یہ بات سمجھا سکوں جو تم چاہتی ہو۔"

"آپ نے ٹھیک کہا کہ پہلے ہی غلط فہمی کو دور کر لینا چاہیے۔ یہاں میں اپنے لیے ایک سوال ضرور پوچھنا چاہوں گی آپ اگر برا محسوس نہ کریں تو۔۔۔؟" وہ آخری لفظ کہتے ہوئے تھوڑا جھجک گئی تھی۔

"ہاں' بولو۔۔۔؟" ہمایوں تیزی سے بولا۔

"اس سارے معاملے کو میری خواہش یا خواب کو ایک طرف رکھ کر اگر ہمارے والدین قریب ہونا چاہیں تو پھر کیا آپ میرے خواب کی تکمیل میں معاون ثابت ہوں گے؟" صفیہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"صفیہ! تم اپنے خواب کی بات تو کرتی ہو لیکن یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ دوسرا بھی اپنے ساتھ کوئی خواب لیے پھرتا ہے' وہ بھی اپنے خواب سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تو پھر زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ زندگی تبھی گزرتی ہے جب مفاہمت سے بھی آگے قربانی دینے کا جذبہ دونوں طرف موجود

ہو۔ وہیں اعتماد آتا ہے اور وہیں پر احترام ---- فقط اپنے خواب کے بارے میں سوچنا اور یہ چاہنا کہ دوسرے اس کے خواب کی تکمیل میں معاون ثابت ہوں' یہ نری خود غرضی ہوتی ہے۔"

ہمایوں نے کہا تو صفیہ نے خود کو اپنے ہی خول میں سمٹتے ہوئے محسوس کیا۔ اس کا چہرہ اُتر گیا تھا' اس لیے دھیمے سے انداز میں بولی۔

"میں اس پہلو کو بھی سمجھتی ہوں لیکن میں ایک آئیڈیل زندگی کی بات کر رہی ہوں ورنہ میں بھی دیکھتی ہوں اور آپ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ ہر انسان اپنے ساتھ بہت زیادہ نہیں تو تھوڑی بہت محرومیاں لیے پھرتا ہے۔ زندگی تو گزارنا پڑتی ہے۔ اس میں اگر محرومیاں ہوں' چاہے نہ ہوں یا پھر کم یا زیادہ ہوں۔"

"تم نے میری ہی بات کی تائید کر دی ہے صفیہ! زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ آئیڈیل زندگی مانا کہ کسی کو بھی نہیں ملتی لیکن پھر کیا زندگی میں ہر بندے کی راہ الگ الگ ہو؟ ---- میرے خیال میں مثالی یا جسے تم کہہ رہی ہو آئیڈیل' تو وہ تب ہوتی ہے کہ اختلافات' غلط فہمیاں' محرومیاں اور یہ سب کچھ ہوتے کے باوجود بھی زندگی گزاری جائے۔" ہمایوں نے اسے سمجھایا۔

"یہ کیسے ممکن ہے آپ اسے آئیڈیل کیسے کہہ سکتے ہیں؟" صفیہ کو جیسے اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

"وہ کیا زندگی ہوئی جس میں کوئی اختلاف' غلط فہمی یا محرومی نہ ہو۔ ساری خوشیاں ہی خوشیاں ہوں' کہیں بھی دُکھ کی پرچھائیں نہ ہو۔ ایسا ممکن نہیں ہے' بلکہ اختلاف ختم کرنا' غلط فہمی کا ازالہ کرنا' محرومیوں کو ایک دوسرے کی مدد سے دور کرتے جانا ہی اصل زندگی ہے۔ دُکھ سکھ میں شراکت ہی سے دوسرے کے وجود کا احساس ہوتا ہے اور ایسا قربانی کے جذبے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔"

"یہ جذبہ آتا کہاں سے ہے ----؟"

صفیہ نے جھنجھلاتے ہوئے کہا تو ہمایوں چونک گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صفیہ اپنے آپ میں اس قدر خود غرض ہے جبکہ صفیہ اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی ---- وہ چند لمحے سوچتا رہا اور پھر دھیرے سے بولا۔

"محبت ---- محبت ہی وہ قوت ہے' صفیہ! جو خود کو دوسرے پر وار دینے کا حوصلہ پیدا کر دیتی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے گویا بات ختم کر دی۔ "خیر بہت باتیں ہو گئیں ---- آؤ اب کھانا کھاتے ہیں۔"

"ابھی تو مجھے آپ سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔

"بہت وقت پڑا ہے' پھر ہوتی رہیں گی باتیں ----" ہمایوں کا دل اچانک ہی اوب گیا تھا جسے صفیہ نہ سمجھ سکی تھی۔

ایک بڑی میز کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس میز پر وہ دونوں ہی تھے۔ ان سے ذرا فاصلے پر دو ویٹریس تھیں جو ان کے اشارے کے انتظار میں تھیں۔ صفیہ تمام وقت یہی سوچتی رہی تھی کہ ہمایوں نے اپنی امارت کا اظہار خوب کیا ہے ---- کھانے کے دوران ان کے درمیان اتنی زیادہ گفتگو نہ ہوئی جبکہ صفیہ کے من میں بہت سارے سوال سر اُٹھا رہے تھے' خاص طور پر ایک سوال جس نے اس وقت سر اُٹھایا تھا جب ہمایوں نے محبت کی بات کی تھی۔ پر تکلف کھانے کے بعد وہ پھر سے صوفے پر آ بیٹھے' تب صفیہ نے کہا۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے---؟''

''پوچھو---'' ہمایوں دھیرے سے بولا۔

''اگرچہ میں ماضی کو یاد نہیں کرنا چاہتی لیکن ماضی سے جڑا ہوا یہ سوال میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔ ہمایوں کچھ نہ بولا تو اس نے کہا۔ ''آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتے تھے' کیوں آرہے تھے قریب---آپ میرے لیے کیسے جذبات رکھتے تھے۔''

اس نے یوں کہا جیسے بہت مشکل سے وہ اپنا مدعا کہہ پائی ہو۔ اس دوران ہمایوں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کتنے ہی لمحے دبے پاؤں گزر گئے تب وہ بڑے ہی جذباتی لہجے میں بولا۔

''مجھے تم سے محبت تھی' صرف اس لیے---''

''تھی---میرا مطلب ہے اَب نہیں؟'' وہ تیزی سے حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

''میں نے فقط تمہارے سوال کا جواب دیا ہے۔ اَب ہے یا نہیں میں اس کا اظہار لفظوں میں نہیں کرنا چاہتا' محبت کا اظہار ہمیشہ عمل سے ہوتا ہے' اس کا فیصلہ تم خود کرسکتی ہو۔''

ہمایوں نے بہت سوچ کر اس کی بات کا جواب دیا تو صفیہ جیسے مایوس ہوگئی۔ اَب اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہمایوں نے اسے یہ باور کرادیا تھا کہ اَب یہ تمہارے رویے پر منحصر ہے کہ تم کیسا تعلق چاہتی ہو۔ صفیہ بچی نہیں تھی کہ وہ اس کی بات کو نہ سمجھ سکتی لیکن اس میں بھی ایک بہت بڑا اشارہ تھا کہ وہ تعلق کا خواہاں ہے۔ وہ اگر چاہے تو اس تعلق کو جس حد تک چاہے' لے جاسکتی ہے۔ یہ سوچتے ہی وہ خوشی سے بھر گئی---اَب ان کے درمیان عام سی باتیں ہونے لگیں' یہاں تک کہ دو دن بعد ملاقات کے وقت اور مقام کا تعین ہوگیا۔ صفیہ اس پر بہت خوش تھی' وہ اسے اپنی کامیابی گردان رہی تھی۔

اس وقت رات گہری ہورہی تھی جب ہمایوں نے اسے ہوٹل سے الوداع کہا۔ وہ سرشاری اپنے گھر کی جانب چل پڑی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اَب ہمایوں سے کیسا تعلق رکھنا ہے؟

☆☆

رات گہری ہوتی چلی جارہی تھی۔ مشرقی اُفق پر پچھلی رات کا چاند طلوع ہونے کے آثار واضح ہورہے تھے' سیاہ آسمان پر تارے یوں دکھائی دے رہے تھے جیسے وہ چاند کی آمد پر ٹھٹک گئے ہوں۔ موسم کی حدت دھیمی ہوا کے باعث ختم ہوگئی ہوئی تھی۔ اس خوابناک ماحول میں جنید اور راحیلہ اپنے گھر کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ راحیلہ کچھ دیر پہلے ہی وہاں آئی تھی جبکہ جنید کو وہاں بیٹھے ہوئے کافی وقت ہوگیا تھا۔ ان کے درمیان خاموشی تھی جسے راحیلہ نے توڑا۔

''آپ کچھ زیادہ ہی خاموش نہیں ہیں آج---؟'' مدھم سی روشنی میں اس نے جنید کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں تو---تم نے ایسا کیوں محسوس کیا؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ابھی میں نے آپ سے پوچھا کہ یہاں کیوں تنہائی میں بیٹھے ہیں تو آپ نے اس کا بھی واضح جواب نہیں دیا اور خاموش ہو گئے ہیں---بات کیا ہے؟"

راحیلہ نے تشویش سے پوچھا۔ اس پر جنید نے بڑی گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور اجنبی سے لہجے میں بولا۔

"راحیلہ! انسان اپنی زندگی میں بے تحاشا فیصلے کرتا ہے۔ کچھ اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں' کچھ نہیں ہوتے اور کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی پوری زندگی اپنا آپ منواتے رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی زندگی میں آنے والے موڑ ہوتے ہیں جہاں نئے منظر واضح ہوتے ہیں' تب انسان انہی کے مطابق سوچتا ہے' یا شاید انہی مناظر کی وجہ سے سوچنا پڑتا ہے اور انہی مناظر میں ہمارا مستقبل پڑا ہوتا ہے' جسے دیکھنے کو ہم بے تاب ہوتے ہیں یا پھر ہم مستقبل میں جھانکنے کی اس لیے بھی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے اندر کہیں عدم تحفظ کا احساس یا خوف پڑا ہوتا ہے۔ تب انسان تھک جاتا ہے' سوچتا ہے اور تمہیں پتہ ہے' سوچنے کا یہ عمل اپنے آپ سے گفتگو کرنا ہوتا ہے۔"

جنید نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دھیرے دھیرے کہا تو راحیلہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئی۔

"فیصلہ' منظر' مستقبل' خوف---یہ کیا سوچ رہے ہیں آپ' کہیں آپ اُلجھے ہوئے تو نہیں ہیں؟" وہ تجسس سے بولی۔

"نہیں' میں اُلجھا ہوا نہیں ہوں بلکہ اپنے اردگرد کے سارے حالات کا تجزیہ کر رہا ہوں۔ یہ اس لیے راحیلہ! کہ میں مستقبل کے لیے کوئی بہترین فیصلہ کرنا چاہتا ہوں---مستقبل ہمیشہ حال میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی انسان چھلانگ لگا کر مستقبل میں نہیں جا سکتا! اسے لمحوں کے رتھ پر بیٹھ کر وقت کی راہ پر چلنا پڑتا ہے۔ اس کا حال ہی راہیں متعین کرتا ہے۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو گویا آپ آئندہ آنے والے دنوں کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟" وہ بولی۔

"ہاں---تمہارے ساتھ سے پہلے میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ ہمیشہ حالات کے مطابق فیصلہ کیا تھا کہ اب کیا کرنا ہے۔ اس میں چونکہ زندگی کی ضمانت نہیں ہوا کرتی تھی' اس لیے مستقبل کے بارے میں سوچنے کا تردد بھی نہیں تھا۔ زندگی کی ضمانت اب بھی نہیں ہے' مجھے اگلے سانس کی بھی ضمانت نہیں ہے لیکن اُمید ہے۔ اسی اُمید کے باعث میں آنے والے دنوں کے بارے میں سوچنا چاہتا ہوں۔ ایک خوشگوار' خوشحال اور پرامن زندگی ہر انسان کا حق ہے لیکن جو انسان نے بویا ہوتا ہے' اسے کاٹنا بھی پڑتا ہے۔ کبھی خود اور کبھی آئندہ نسل کو---" وہ کہتے ہوئے اچانک خاموش ہو گیا۔

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کے سامنے آپ کا حال کیا ہے؟" راحیلہ سنجیدگی سے بولی۔

"وہ سب تمہارے سامنے ہے میں نے تم سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ میرا ضمیر اس لیے مطمئن ہے کہ میں نے اعلیٰ مقصد کے لیے خود کو وقف کیا تھا۔ میں اب بھی اس مقصد سے باہر نہیں آیا اور نہ ہی میں نے اسے چھوڑا ہے کیونکہ حقیقت یہی ہے۔ اس وقت میرے سامنے حالات کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ میں تنظیم کے لوگوں سے کس طرح چھپ سکتا ہوں تاکہ میں اُن کی نگاہوں میں نہ آسکوں ورنہ یا تو مجھے اُن کے ساتھ شامل ہونا پڑے گا یا پھر اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے کیونکہ میں اُن کا راز داں ہی نہیں' محرم راز بھی ہوں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کون سا راستہ اختیار کروں؟ اس کا اگر فیصلہ ہو جاتا ہے تو ہی مستقبل کے بارے میں سوچ سکتا ہوں---" جنید نے اسے تفصیل سے سمجھایا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس قدر اُلجھے ہوئے ہیں ورنہ میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کرتی لیکن اگر آپ مجھے بتاتے تو شاید میں کوئی ——''
راحیلہ نے کہنا چاہا تو جنید نے ٹوکتے ہوئے کہا۔ ''بات یہ نہیں کہ میں تمہیں اپنے مسائل میں شریک نہیں کرنا چاہتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہیں اِن حالات کی نزاکت کا احساس نہیں۔ تم گولیوں کی بوچھاڑ کا تصور تو کر سکتی ہو لیکن اس کی شدت اور اِن حالات میں اندر کی کیفیت کا احساس نہیں کر سکتی ہو۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہ میرے مسئلے ہیں! انہیں میں ہی حل کروں گا بلکہ اَب ہم نے مل کر اِن مسائل کا حل نکالنا ہے مگر کوئی صورت' کوئی راہ یا کوئی حل تو دکھائی دے اور پھر راحیلہ! مجھے یہ بھی احساس ہے کہ ہر لڑکی کے اپنے ارمان' خواہشیں اور خواب ہوتے ہیں۔ میں وہ بھی پورے نہیں کر پا رہا ہوں---''

''کیا نہیں ہے میرے پاس--- آپ ہیں' ایک گھر ہے۔ میری ماں میرے پاس ہے۔ خوشگوار زندگی ہے' اس سے بڑھ کر مجھے کیا چاہئے؟--- مجھے نہیں معلوم کہ آپ اس حوالے سے کیا سوچتے ہیں لیکن یقین جانیں میں نے کبھی اتنا کچھ سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ سب میری توقعات سے بڑھ کر ہے البتہ ایک خواہش ضرور ہے کہ خوف کی یہ فضا ختم ہو جائے اور ہم عام انسانوں کی مانند نارمل زندگی گزاریں۔ آپ صبح اپنے کام پر جائیں میں گھر پر آپ کا انتظار کروں۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے ہماری زندگی میں رنگ بھر جائیں۔ میں بس اتنا ہی چاہتی ہوں---'' وہ خوابناک لہجے میں کہتی چلی گئی تھی۔

''کیا یہ بہت زیادہ نہیں ہے اور یہ جو تم نے خوف کی فضا کہا ہے' یہی تو ہے جسے دُور کرنے کی سوچ رہا ہوں--- جب سے میں زخمی ہوا ہوں میں نے کسی سے رابطہ نہیں رکھا سوائے ہمایوں کے اور چونکہ میں نے کبھی اس زندگی سے نکلنے کا سوچا نہیں تھا' اس لیے مجھے راہ بھی دکھائی نہیں دے رہی ہے لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔ یہ راہ ضرور سامنے آئے گی۔ تم دیکھنا' بہت جلد ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہوں گے۔'' جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو کیا اَب ساری رات یہیں بیٹھنے کا ارادہ ہے' اپنے کمرے میں نہیں جائیں گے؟'' راحیلہ نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''کیوں نہیں —— لیکن میں ابھی تھوڑی دیر یہیں بیٹھنا چاہوں گا۔'' جنید دھیرے سے بولا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' راحیلہ نے اعتماد سے کہا۔

''مطلب---؟'' جنید نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''اس لیے کہ آپ آدھا سوچ رہے ہیں' پورا نہیں سوچ رہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''آدھی سوچ —— میں سمجھا نہیں' تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''آپ گھر میں ہیں' باہر کے حالات کا آپ کو بالکل نہیں پتہ۔ پوری سوچ اس وقت ہوگی جب آپ کو اپنے ان حالات کا پتہ ہوگا جن سے آپ نکلنا چاہتے ہیں اس لیے آدھا مت سوچیں بلکہ وہ راستہ نکالیں جو محفوظ ہو' اپنے اردگرد کے حالات جانئے تاکہ دُرست فیصلہ ہو سکے۔''

راحیلہ نے کہا تو جنید نے اس کی جانب خوشگوار حیرت سے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"بیگم! تم تو واقعتاً سمجھدار ہو ——— چلو چلتے ہیں۔"

جنید نے اُٹھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔ تب اس کے چہرے پر ہزار رنگ بکھر گئے جنہیں وہ دیکھتا چلا گیا۔

☆☆

عشق کہیں سے نہیں آتا' یہ تو ہر انسان کے من میں پڑا ہوا ہے۔ جس طرح قانونِ فطرت یہ ہے کہ بیج سے لے کر درخت تک کے سفر میں "وقت" شرط ہے' اسی طرح من میں عشق ظاہر ہونے کا بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ انسان کو بعض اوقات محسوس بھی ہوتا ہے کہ اچانک اس پر الہام کی مانند یہ انکشاف ہو جاتا ہے کہ اسے کسی سے عشق ہے مگر غور سے تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس لمحہ انکشاف سے بہت پہلے ایک سفر کا آغاز ہو چکا ہوتا ہے۔ اَب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ انسان کو معلوم کیوں نہیں ہوتا کہ اس کے من میں عشق پڑا ہوا ہے۔ عشق اپنا احساس کیوں نہیں دیتا یا پھر انسان اسے کیوں نہیں سمجھ پاتا؟ ——— معاملہ کوئی بھی ہو لیکن جب تک انسان توجہ نہیں دیتا' اس وقت تک یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ عشق من سے ظاہر ہو چکا ہوتا ہے لیکن چونکہ انسان کی نگاہ اس پر نہیں پڑتی اس لیے اسے سمجھ ہی نہیں پاتا۔ یہ بالکل ایسی بات ہے کہ انسان ساری زندگی اپنا مادی وجود اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو پوری طرح دیکھ ہی نہیں سکتا' اسے خود کو دیکھنے کے لیے ایک آئینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسے ہی وہ آئینے کے سامنے آتا ہے' اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے نقش و نگار رکھتا ہے۔ اس کی آنکھیں کیسی ہیں یا دیگر نقوش میں وہ کیسا ہے؟ ایک مثالی جسم اس کے سامنے آ جاتا ہے جسے دیکھ کر وہ اپنے بارے میں پتہ کرتا ہے۔ بحث اس سے نہیں ہے کہ آئینے کی صورت کیا ہے۔ وہ کسی کی آنکھ کا تل بھی ہو سکتا ہے یا کانچ سے بنا ہوا کوئی ٹکڑا اور یہی وہ نکتہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ پر توجہ دیتا ہے تب اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کیسا ہے۔ اسی طرح عشق کے ظہور کے لیے بھی ایک آئینہ یا صورت درکار ہوتی ہے' بنا صورت کے عشق کا ظہور بھی نہیں ہوتا۔ عشق ایک قوت کا نام ہے' جب تک وہ ظاہر نہیں ہوتی تب تک وہ اپنا احساس بھی نہیں دیتی لیکن جیسے ہی کوئی صورت سامنے آتی ہے' یہ قوت بیدار ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ انسان پر غالب آ جاتی ہے ——— مقناطیسی قوت کا پتہ اس وقت لگتا ہے' جب لوہا اس کے قریب آ جائے۔ مقناطیس اور لوہے کی قربت ہی سے اس قوت کا انکشاف ہوتا ہے۔

صورت کیا ہے؟ ——— یہ انسان کا اپنا خیال ہے' جسے ہم تصور بھی کہتے ہیں۔ دراصل انسان کے اَندر عالمِ افکار موجود ہے جہاں ہر لمحہ نجانے کتنے تصورات جنم لیتے ہیں۔ اس عالمِ افکار سے جب بھی کوئی تصور جنم لیتا ہے' اس کی اپنی ایک صورت ضرور ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس دُنیا میں ایک جھونپڑی سے لے کر محل تک جو کچھ بھی تعمیر ہوا یا ہو رہا ہے' وہ پہلے تصور میں موجود تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سامنے موجود اشیاء ہیں یہ سب تصور کا عکس ہیں۔ اَب تصور سے نئے تصورات جنم لیتے ہیں۔ ایک خیال نئے خیالات کا منبع ہے جو کسی نہ کسی طرح اپنے اَندر صورت رکھتا ہے۔ عالمِ افکار میں ہر لمحہ تصورات جنم لے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہمارے وجود میں دیگر صلاحیتیں اور قوتیں ہیں جنہیں یہ تصورات ہی تحریک دیتے ہیں' یوں عمل اور ردِعمل کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اِنسان میں حواسِ خمسہ موجود ہیں جو کہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ ممکن ہے اِنسان میں مزید حواس بھی ہوں جنہیں ابھی "دریافت" کیا

جاتا ہے یا اس پر تحقیق ہو رہی ہوگی تاہم حواسِ خمسہ طے شدہ بات ہے یعنی دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور احساس کرنے کی حس، جن سے انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ اب یہ بات ایک الگ بحث رکھتی ہے کہ مشاہدہ معتبر ہوتا ہے یا نہیں؟ بہر حال حواسِ خمسہ اطلاعات جمع کر کے ایوانِ ذہن میں لے آتے ہیں جہاں پر وہ ایک صورت اختیار کرتے ہیں۔ اس صورت کے بارے میں ذہن کوئی نہ کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے۔ جس کی بناء پر ہمارا مادی جسم حرکت پذیر ہوتا ہے کیونکہ جسم پر دماغ کا اختیار ہے وہ ہی حکم جاری کرتا ہے لیکن یہاں اس کے تمام تر افعال کا نگران دل کی صورت میں موجود ہے جہاں سے انسان کی کیفیات جنم لیتی ہیں۔ دماغ کے حکم پر نگران دل اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے اور یہیں انسان میں ایک کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ اسی کشمکش میں انسانی صلاحیتیں، مخفی قوتیں اور کیفیات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی زندگی ہے۔

انسان کے اندر جو عالمِ افکار موجود ہے، جہاں سے خیال کا ظہور ہوتا ہے، اسے من، شخصیت یا نفس بھی کہا جاتا ہے۔ منبع علم و حکمت، قرآن حکیم میں اللہ پاک نے انسان کی رہنمائی کے لیے نفس کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کے تین پہلو بیان کیئے گئے ہیں۔ نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ۔ اب جس طرح کا من ہوگا، اندر کی دنیا جیسی ہوگی، وہاں کے عالمِ افکار میں سے ویسے ہی تصورات و خیالات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس پر نگران دل ہے جہاں ضمیر موجود ہے۔ اگر دل سے مطابقت رکھنے والے خیالات و تصورات کا ظہور ہو رہا ہے تو مادی جسم اس پر عمل کرتا ہے جو انسان کے رویے کا اظہار ہے ورنہ اندر کشمکش موجود رہتی ہے۔۔۔۔ دنیا کے ہر انسان میں ضمیر موجود ہے، چاہے وہ کسی قوم، طبقے یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ جیسے کہ وجہ تخلیقِ کائنات، ہادی برحق، نبی آخرالزماں حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ یہی ضمیر انسان کے اعمال پر نگران ہے جو دراصل دل ہی کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہ دل ہی ہے جو صحیح معنوں میں انسانی وجود پر حکمرانی کرتا ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا انسانی وجود میں ایسی بھی کوئی قوت موجود ہے جو انسان کو اندر سے بدل دینے کی صلاحیت رکھتی ہے، برائی سے اچھائی کی جانب یا پھر اچھائی سے برائی کی طرف۔ تحت الثریٰ سے اوجِ ثریا تک، زمین سے آسمان کی جانب، تو بلاشبہ یہ بھی انسان کے اندر ہی موجود ہے جسے عشق کہا جاتا ہے۔ یہاں بحث اس سے نہیں کہ عشق ہوتا کس سے ہے۔۔۔۔ انسان جسے احسن تقویم پر بنایا گیا ہے اسفل سافلین بھی ہو سکتا ہے۔ پھر اسفل سافلین سے احسن تقویم کی اعلیٰ ترین بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے اندر ہی سے ہو رہا ہے۔ ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک سفر کرانے والی کون سی قوت ہے، یہی عشق ہی تو ہے۔ سمجھنے کی حد تک اس کی مثال یوں ہوگی کہ ہوا مادے کی ایک قسم ہے لیکن ہمیں دکھائی نہیں دیتی کیونکہ وہ صاف و شفاف پاکیزہ ہے۔ ایک لمحے کو اس پر غور کیا جائے تو یہ انسانی زندگی کے لیے کس قدر اہم ہے، چند منٹ اس کے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ کتنے رازوں کی امین ہے جدید دور میں اس کی اہمیت ظاہر ہوتی چلی جا رہی ہے کہ موسم کی تبدیلی سے لے کر ماحول کی تبدیلی تک کس قدر اثر انداز ہے۔ یہی ہوا جب تھوڑی سی کثافت میں آتی ہے تو پانی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بے رنگ، بے بو، بے ذائقہ، زندگی بخش، جس کے بغیر کچھ دن نکالے جا سکتے ہیں لیکن انسانی زندگی کے لیے بے حد ضروری۔ اس کا وجود دکھائی دینے لگتا ہے۔ اسی ہوا میں مزید کثافت آئی تو پھر یہ برف بنتی ہے اور ایک جگہ جم جاتی ہے۔ اس کی اڑان، موسم کی تبدیلی کی صلاحیت، زندگی بخش ہونے کی صلاحیت اس میں بہت کم رہ جاتی ہے۔ پھر یہی ہوا جب برف سے پتھر بنتی ہے تو پھر خود عاجز آ جاتی ہے۔ اس کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ انسانی زندگی، موسم یا ماحول پر کس قدر اثر رکھتا

ہے۔ ہوا سے پتھر تک کے سفر میں ٹھنڈک کی ایک قوت ہے جو ہوا کے رُوپ بدلتی ہوئی اسے فنا کی جانب لے جاتی ہے لیکن اگر یہی سفر پتھر سے ہوا کی جانب شروع ہو تو وہی قوت گرمی کا روپ دھارتی ہے۔ پتھر پگھل کر برف بنتا ہے پھر پانی کی صورت اور پھر ہوا تک جا پہنچتی ہے ---- عشق میں جتنی شدت ہو گی اِس قدر سفر آسان تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ راہ میں آنے والی جس قدر رکاوٹیں ہوتی ہیں انہی سے شدتِ عشق کا پتہ چلتا ہے۔ فنا و بقا کے اِس سفر میں عشق ہی کارفرما ہے۔ اِسی طرح اگر اِنسان جب عشق کرتا ہے تو اس کا ایک ہدف بہر حال ہوتا ہے۔ عشق میں اپنی تمام تر توجہ ہدف پر رکھتا ہے۔ جس قدر عشق میں ڈوبتا ہے اِس قدر ہی اِس کی تمام تر توجہ صلاحیتیں قوت اس ہدف پر لگ جاتی ہیں۔ اب ہدف کیا ہے؟ یہ ہدف پر منحصر ہے کہ وہ فنا کی جانب لے جاتا ہے یا پھر بقا کی طرف۔ مٹ جانے والا ختم ہو جانے والا مادی وجود اگر ہدف ہے تو بلاشبہ فنا ہی اس کا مقدر ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہدف ہے تو کوئی شک نہیں وہ بقا کا راستہ ہے اور یہی اِس کی قسمت ----!

☆☆

ہمایوں مسلسل صفیہ کے بارے میں سوچتا چلا جا رہا تھا۔ اس ایک طویل ملاقات میں وہ بہت حد تک اس کی ذہنیت کے بارے میں سمجھ گیا تھا۔ ٹھوکر کھا کر بھی وہ اپنے خوابوں' خواہشوں اور اُمیدوں کو اہمیت دے رہی تھی۔ اُسے اس سے قطعاً غرض نہیں تھی کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کیا اور کیسا سوچتی ہے' یہ اُس کا حق ہے لیکن اُسے تھوڑا بہت یہ افسوس ضرور ہوا تھا کہ اُس کے من میں کہیں بھی اس کے لیے محبت نہیں جاگی تھی' ہمایوں سے تو یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ اُس کے خوابوں کی تکمیل میں کس حد تک ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ اچھی بات تھی کہ صفیہ نے اپنا اظہار کر دیا' اپنا آپ اس پر کھول دیا۔ مصنوعی یا جھوٹی محبت کی دعویدار نہیں ہوئی' اِس کے من میں جو تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ اب یہ فیصلہ ہمایوں نے کرنا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے' آیا وہ اپنی محبت میں اُس کا ساتھ چاہتا ہے یا پھر اس نفرت کے ساتھ اُسے قبول کرے گا جو ایک تھپڑ کے ساتھ اس کے اندر جاگی تھی اور جس نے اسے ایسی جدوجہد میں ڈال دیا' اسے اِس مقام پر لاکھڑا کیا ہے۔ اس کے من میں کئی طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھتا' پرکھتا اور پھر نئے خیال کی جانب متوجہ ہو جاتا' وہ مطمئن نہیں ہو رہا تھا ---- اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے من میں صفیہ کی محبت موجود تھی۔ کوئی وقت تھا جب اُس نے اپنے سارے خوابوں میں صفیہ کو دیکھا تھا' اس کے خوابوں کی تکمیل اُسی سے ہوتی تھی۔ وہ اپنے اندر اُس کی قربت محسوس کرتا تھا تبھی مجبور ہو کر اُس کے کالج کے سامنے جا پہنچا تھا۔ وہ اُسے خود سے الگ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ اِس محبت کے ساتھ وہ جدوجہد چاہتا تھا' وہ اُس کے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا' وہ جو ایک خاص طرح کا معیارِ زندگی چاہتی تھی' اس کے حصول کے لیے وہ پوری طرح آمادہ ہو چکا تھا۔ اس کا ہدف وہ تھی لیکن جیسے ہی وہ اُس کے قریب گیا' اسے احساس ہو گیا کہ یہ وہ تو نہیں ہے جسے وہ اپنے قریب سمجھتا ہے۔ یہ اس کے تصورات میں بسی ہوئی صفیہ تو نہیں بلکہ یہ تو کوئی سراپا نفرت ہے جس نے اس کے اندر بھی نفرت بیدار کر دی۔ اِسی محبت اور نفرت کی کشمکش میں وہ اِس مقام تک آ گیا۔ ہدف اس کا صفیہ ہی رہی۔ اُس کا بت ٹوٹا نہیں' اِس کے من مندر میں پورے طمطراق سے ایستادہ رہا۔ کبھی اُسے دیکھ کر اُس کے تصورات اِس کی زندگی میں خوشگواریت بھر دیتے تھے' اب اِسی بت کو دیکھ کر اُٹھنے والے تصورات میں سے ایسی کیفیات اُٹھتیں جو نہ خوشگواریت کا باعث بن جاتیں۔

ہمایوں کی زندگی میں وہ مقام آ گیا تھا جہاں اس نے فیصلہ کرنا تھا کہ یا تو اس بت کو اِس کی تمام تر خوبیوں' رعنائیوں اور سحر طرازیوں

سمیت اپنے من میں یونہی ایستادہ رکھے پھر زندگی جو دے اُسے قبول کرے۔ سر جھونے یا خواہش بر آئے یا پھر اس معاملے کو اپنی زندگی سے نکال باہر کرے اور اپنی مرضی سے زندگی کی نئی شروعات کرے جس میں صفیہ اس کا ہدف نہ ہو۔ اَب فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

ہمایوں کے لیے یہ فیصلہ اس قدر اہم تھا جس قدر زندگی ---- وہ فیصلہ کر لینا چاہتا تھا کیونکہ زندگی اُسے ایسے دوراہے پر لا چکی تھی جہاں اُسے یہ فیصلہ کرنا تھا۔ اس کے لیے کوئی بھی دوسرا اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ من کے معاملات تھے اور وہی اپنے من کو بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا۔

یہ دوراہا اس وقت سامنے آیا جب اُس کی والدہ نے اسے اپنے سامنے بٹھا کر یہ پوچھا تھا کہ بتاؤ" تمہاری صفیہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ وہ چاہتا تو بہت زیادہ بحث کرتا' اس کے بارے میں کوئی رائے دیتا لیکن وہ ایسا کچھ بھی نہ کر سکا۔ وہ اپنی ماں کو یہ بھی نہ بتا سکا کہ اس وقت صفیہ کی ذہنیت کیا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ اس رشتے میں اس کی ماں اپنی اَنا رکھتی ہے۔ جسے کبھی اس معاملے میں بات تک کرنے سے روک دیا گیا تھا' آج اُنہوں نے خود دستِ سوال دراز کیا تھا۔ ماں کے سامنے وہ خاموش رہا تھا' ایک لفظ بھی تو نہ کہہ سکا اور بس سوچنے کے لیے مہلت مانگ لی تھی۔

اَب بیٹھا وہ یہی تجزیہ کر رہا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہوا' وہ کیوں خاموش رہا' دوٹوک انداز میں اپنی رائے کیوں نہیں دے سکا؟ یقیناً اس کے من میں کہیں نہ کہیں صفیہ کی محبت موجود ہے' باوجود نفرت کرنے کے وہ اُسے بھلا نہیں سکا۔ شاید محبت نے ہی نفرت کا رُوپ دھار لیا تھا۔ کہتے ہیں نا کہ شدید نفرت بھی محبت کا ایک رُوپ ہوتی ہے۔

"اگر میں صفیہ کو قبول کر لیتا ہوں تو پھر میری زندگی میں کیا تبدیلی آئے گی ---- بس اُس کا مادی وجود میری دسترس میں آجائے گا' اس کے من میں محبت تو نہیں ہوگی۔"

"قربت ہمیشہ تبدیلی لاتی ہے۔ تم اُس کے قریب ہو گئے تو ہی محبت کا ظہور ہوگا۔"

"لیکن ممکن ہے کہ محبت نہ ہو اور نفرت شدید ہو جائے۔ تب پھر زندگی اجیرن ہو جائے گی۔"

"کیا اس طرح تمہاری زندگی پرسکون ہے؟ ---- صرف اُس کے سامنے اپنا آپ منوانے کے لیے تم نے دن رات ایک کر دیا ہے۔ تم نے دولت کے حصول کے لیے ایسے فیصلے بھی کیے ہیں جن پر تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کرتا ہے۔ تمہارے سامنے اچھائی یا بُرائی کا معیار نہیں رہا اور ایسا تم نے صرف ایک مقصد کے لیے کیا اور وہ مقصد کیا تھا؟ یہی نا کہ تم صفیہ کو اپنے سامنے جھکا لو ---- اب جبکہ وہ وقت آ گیا ہے۔ تم اپنی جدوجہد میں کامیاب ہو گئے' تمہارا مقصد تمہارے سامنے ہے تو پھر کیوں تذبذب میں ہو؟"

"یہاں تک تو ٹھیک تھا' میں نے جیسے بھی کیا' جو بھی کیا' اس میں کامیاب ہوا۔ میں یہاں تک کا سفر کر آیا ہوں لیکن جیسے ہی صفیہ کو اپنی زندگی میں لے آیا' اک نئے سفر کا آغاز ہو جائے گا۔ اُس کی خواہشیں پوری کرنا میری ذمہ داری ہوگی۔ اُسے اپنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔"

"ایسا بھی تو ممکن ہے کہ وہ تمہارے محبت بھرے رویے سے پگھل جائے۔ اپنا آپ تمہیں سونپ دے' تمہاری مرضی کے مطابق چلے ----"

"اِک نئے سفر کا آغاز تو ہوا نا! ایک نئی جدوجہد ایک نئی منزل ——"

"تو پھر کیا تم پُر سکون رہو گے؟ —— فرض کرو وہ دوبارہ تیمور کی جانب بڑھ جاتی ہے یا پھر کوئی بھی ایسا شخص جو اُس کے خوابوں کی تکمیل کر دے تو کیا تم برداشت کرلو گے، نظر انداز کر سکتے ہو؟"

"میرے خیال میں دُکھ تو مجھے ضرور ہوگا۔ اَب ایسا بھی نہیں کہ میں اُسے نظر انداز کرسکوں۔"

"درمیان میں فقط دولت ہے نا؟ تم دولت سے اُس کا مادی وجود خرید لو یہ خریدنے والی بات ہی ہے نا، پھر یہ تمہاری محبت کی قوت ہوگی جو اُسے اپنی ذات کی جانب متوجہ کرلو۔ آخر وہ انسان ہے اور عورت بھی ---- اِس طرح تمہاری اَنا کو بھی تسکین ہوگی۔ پھر جب وہ تمہاری دسترس میں آ گئی، تب اُسے جھکانا اور جھکائے رکھنا ہی تمہاری مردانگی ہوگی۔"

"کیا میری زندگی اسی کشمکش میں گزر جائے گی؟"

"اِسے ہی تو مقدر کہتے ہیں۔ اپنا آپ منواؤ ---- کیا تم صفیہ سے محض اس لیے ڈر رہے ہو کہ اس پر دولت نچھاور کرنا پڑے گی؟ یہ تو بہت سستا سودا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو دولت سے ایک نگاہ کی جنبش بھی نہیں خرید سکتے۔ اَب دولت تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آگے بڑھو اور ایک ذرا سے لفظوں کے ساتھ اُسے اپنی دسترس میں کرلو۔ وہ لوگ جو تمہیں کبھی اِس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ تم سے بات کی جائے، اُنہیں نیچا دکھانا بھی تو تمہاری جدوجہد تھی۔ اِس میں فقط تم ہی نہیں، دوسرے لوگوں کی خواہش بھی شامل ہے۔"

اُس نے سوچا اور پھر اچانک فیصلہ کرلیا۔ تب اُس نے فون اُٹھایا اور اپنے گھر کے نمبر ڈائل کیئے فون ملازمہ نے اُٹھایا۔

''امی سے بات کراؤ۔''

تھوڑی دیر بعد اُس کی والدہ نے اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں بیٹے! کیا بات ہے؟''

''امی! آپ آج ہی ابو کے ساتھ چاچا اصغر علی کے گھر جائیں اور صفیہ کا رشتہ مانگ لیں۔'' اُس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''کیا واقعی پتر۔۔۔؟'' اُس کی والدہ حیران رہ گئیں۔

''ہاں۔۔۔اگر آپ سلمیٰ کو بھی اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں تو آپ بھائی سے بات کرلیں۔''

''وہ میں نے کرلی ہے اور میں آج ہی جاتی ہوں۔۔۔''

اُس کی والدہ نے کہا تو اُس نے فون بند کر دیا' پھر کرسی سے اپنا سر ٹیک دیا۔۔۔ یہ فیصلہ کر کے اُس نے بہت سکون محسوس کیا تھا۔

☆☆

جنید اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ اس منظر میں پوری طرح کھویا ہوا تھا' یوں جیسے اُس کے سامنے لہو رنگ ہوتا ہوا سورج نہ ہو بلکہ وہ آئینہ ہو جس میں وہ اپنا عکس دیکھ رہا ہے۔۔۔ سورج کس طرح اُبھرتا ہے؟ تاریک رات کے اندھیرے میں اپنے ہونے کا احساس دیتا ہے۔ کرنیں اس کی آمد کی پیامبر بنتی ہیں۔ سیاہ آسمان لمحہ بہ لمحہ نیلا ہونا شروع ہوتا ہے اور پھر اس کا گہرا نیلگوں پن دھیرے دھیرے ہلکا نیلا ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر پہلے اندھیرے میں پڑی ہوئی دُنیا روشن ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ سورج کے سفر کا آغاز ہوتا ہے' یہاں تک کہ نصف النہار پر آجاتا ہے۔ وہ سائے تک گھٹا دیتا ہے' اپنے ہونے کا پورا پورا احساس دلاتا ہے اور پھر جیسے تھک جاتا ہے۔ دھیرے دھیرے وہ جھکنا شروع ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ لہو رنگ ہو کر غروب ہو جاتا ہے۔ کیا یہی اس کی کہانی ہے؟۔۔۔ نہیں' کہانی یہیں تک آ کر ختم نہیں ہوتی بلکہ اِک نئی کہانی کے آغاز کی بنیاد بنتی ہے۔ اندھیرا چھا جانا بھی کوئی حتمی بات نہیں ہے بلکہ اس میں بھی قدرت کے راز ہیں' وہ راز جنہیں انسان اِس وقت سمجھتا ہے جب وہ اندھیرے کو بھی مثبت انداز میں دیکھے۔ اصل میں اِنسانی زندگی میں نگاہ ہی سب سے بڑی اور اہم شے ہے۔ یہی نگاہ جب بلندی کی جانب اُٹھتی ہے تو آسمان کی وسعتیں اِس میں سما جاتی ہیں اور جب اِنسان زمین کی جانب دیکھتا ہے تو زمین اس کے من میں بسیرا کر لیتی ہے۔ یہ نگاہ ہی ہے جو اِنسان کو آسمان یا زمین کی جانب لے جاتی ہے ورنہ تو صدیاں گزر چکی ہیں' زمین بھی وہیں موجود ہے اور آسمان بھی' اس کے درمیان میں اِنسان ہی ہے جو زمین کی تہہ میں جانے کے باوجود دوسروں کے دل میں دھڑکتا رہ جاتا ہے' یہی فنا و بقا ہے۔ نگاہ کا ایک مقصد ہے اور اِس مقصد کو عشق ہی قوت دیتا ہے۔ تب اِنسان فنا یا بقا کی جانب محوِ سفر ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ کہانی ختم ہو کر پھر سے شروع ہو جاتی ہے۔ زمین وہیں' آسمان وہیں' اِنسان کا سفر جاری ہے۔۔۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ اس نے بقا کا راستہ چنا تھا' پھر کیوں راستے ہی میں تھک کر رُک گیا؟۔۔۔ اَب یہ سوال بہت پرانا ہو چکا تھا۔ عشق تو اُس کے من میں پہلے ہی سے موجود تھا لیکن اُسے تحریک دینے والی کوئی صورت نہیں تھی۔ جونہی کوئی صورت اُس کے سامنے آئی'

اُسے اپنے خدوخال کا اندازہ ہوا۔ اُس نے خود کو دیکھا اور احساس کیا کہ وہ تو کسی اور منزل کا راہی ہے۔ اس کے من میں ایک سورج غروب ہو گیا تو نیا سورج طلوع ہو گیا۔ گو مقصد وہی تھا لیکن روشنی میں اُسے بہت سارے راستے دکھائی دیے جن پر چل کر وہ اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔ اُسے یہ پوری طرح یقین تھا کہ یہی بقا کا راستہ ہے۔

''جنید! کہاں کھو گئے ہیں آپ---؟''

راحیلہ نے اُس کے کاندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تو وہ چونک گیا' پھر اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا تم کچھ دنوں کے لیے میری جدائی برداشت کر سکتی ہو؟''

''یہ کیا بات ہوئی---؟'' وہ چونکتے ہوئے بولی۔

''مَیں جو پوچھ رہا ہوں' اس بات کا جواب دو۔'' اُس نے یونہی راحیلہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''ہاں---چند دنوں سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک' جس قدر بھی جدائی دیں۔'' وہ اعتماد سے بولی۔

''ایسا کیوں---؟'' اُس کے لہجے میں سرسراہٹ تھی۔

''یہ میرا یقین ہے' جنید! آپ جہاں بھی ہوں گے۔ جس حال میں بھی ہوں گے آپ میرے ہیں۔'' وہ بھی دھیرے سے بولی۔

''اتنا یقین کیوں ہے تمہیں---؟'' اُس نے پھر پوچھا۔

''مَیں نے اپنی محبت کو تو دیکھا ہی ہے جو میرے من میں مچلتی رہتی ہے۔ مَیں نے اپنا تڑپنا بھی محسوس کیا ہے۔ اسی طرح مَیں آپ کی محبت بھی دیکھ چکی ہوں۔ آپ میرے من میں یوں سما چکے ہیں کہ اب فقط موت جدا کر سکتی ہے۔ اس طرح کی دیوانگی کے لیے مادی وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم ایسی باتیں کیسے کر لیتی ہو---؟'' وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولا۔

''پرندے کو اُڑان کون سکھاتا ہے بھلا! اسی طرح محبت بھی باتیں کرنا سکھا دیتی ہے۔'' راحیلہ بھی مسکرا دی۔

''ہاں' راحیلہ! یہ اندر کی کیفیات ہوتی ہیں جو خود بخود راستہ بناتی ہیں---'' یہ کہہ کر وہ کھڑکی سے ہٹ گیا اور کمرے کے وسط میں پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''خیر آؤ' مَیں نے تم سے ایک بات کہنی ہے۔'' اُس کے یوں کہنے پر وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تو وہ کہتا چلا گیا۔

''راحیلہ! یہاں میرے لیے خطرہ ہے۔ اس شہر میں' بلکہ اس ملک میں---مَیں ساری زندگی گھر کی اس چار دیواری میں بسر نہیں کر سکتا۔ مجھے باہر تو نکلنا ہے' اس لیے مَیں نے سوچا ہے کہ یہ ملک ہی چھوڑ دوں۔''

''کب جانا چاہتے ہیں آپ---؟'' اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

''چند دنوں میں---'' یہ کہہ کر اس نے پھر راحیلہ کی جانب دیکھا جہاں انتظار کے دیے ابھی سے روشن ہو گئے تھے اور آنکھوں میں یاس اُتر آئی تھی' تب وہ بولا۔ ''لیکن مَیں کچھ ہفتوں کے لیے جاؤں گا۔ ایک اچھی جاب کی کوشش کروں گا اور پھر تمہیں بھی اپنے پاس بلا لوں گا۔''

"مطلب' جب تک آپ کو وہاں ٹھہرنے کا جواز نہیں مل جاتا' تب تک میں انتظار کروں؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"ہاں ---- ہمیں ایسا ہی کرنا ہو گا۔ حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ممکن ہے بہت جلد میرے لیے یہاں خطرہ نہ رہے۔ ہم واپس بھی آ سکتے ہیں لیکن میں جو اپنی تنظیم کے لیے گم ہو چکا ہوں فی الحال ابھی کچھ عرصے کے لیے گم ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

"جنید! میں' کبھی بھی آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی۔ آپ جو چاہیں' کریں۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کا دیا ہوا! انتظار بھی مجھے قبول ہے۔" اس نے حتمی انداز میں کہا' لیکن لہجہ بھیگ چکا تھا اس لیے وہ جلدی سے اٹھی اور باہر کی طرف جانے لگی۔

"ٹھہرو! راحیلہ! ---- کیا تم میرے فیصلے سے مطمئن نہیں ہو؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔

"بات فیصلے پر مطمئن ہونے کی نہیں' آپ کے حکم کی ہے ---- یہ بات نہیں کہ مجھے جدائی پر دکھ نہیں ہو رہا ہے۔ مجھے دکھ ہو گا لیکن خوشگوار اور آپ کے ساتھ والی زندگی کے لیے میں یہ انتظار قبول کر سکتی ہوں۔"

"میں نے تمہاری مصروفیت کے بارے میں بھی سوچا ہے۔ چند ہفتے مجھے دو میں سب ٹھیک کر لوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ چاہیں۔" اس نے کہا۔ پھر بدلے ہوئے لہجے میں بولی۔ "وہ ہمایوں کا فون آیا تھا' آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کب فون آیا تھا ----؟"

"تھوڑی دیر پہلے ---- میں یہی بتانے کے لیے آئی تھی۔"

"بلوا لو اسے ---- دیکھیں' کیا کہتا ہے؟"

اس نے نرم سے انداز میں کہا' پھر خود ہی اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

کھانے کی میز پر جنید اور ہمایوں دونوں موجود تھے۔ راحیلہ کھانا لگا رہی تھی' رضیہ اپنے کام ختم کر کے راحیلہ کی والدہ کو کھانا دے کر اوپر اپنے بچوں کے پاس چلی گئی تھی۔ راحیلہ کھانا لگا چکی تو ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"ہمایوں بھائی' بسم اللہ کریں ----"

"لیکن پہلے وہ بات تو سن لو جسے سنانے کے لیے یہاں تک آیا ہے یہ ----" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ خوشخبری ہے تو سنا دیں لیکن اگر کوئی ایسی ویسی بات ہے تو کھانے کے بعد ----" راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ بتا چکا ہے' اب تم سن لو ----" جنید نے پھر سے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"چلیں بتائیں ----؟" وہ جنید کے لہجے سے سمجھ گئی تھی کہ کوئی خوشخبری ہی ہو سکتی ہے۔

"اس کی منگنی ہو رہی ہے اور وہ بھی اس لڑکی کے ساتھ جسے یہ بے حد چاہتا ہے بلکہ عشق کرتا ہے ----"

"وہی' صفیہ ----؟" راحیلہ نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

"ہاں' وہی ----" ہمایوں نے دھیرے سے کہا۔

''ارے واہ یہ تو اچھی خبر ہے۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''پتہ نہیں اچھی ہے یا بُری---؟'' جنید نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ایسی بات کیوں کہتے ہیں آپ---ہمایوں بھائی نے جسے چاہا تھا' ان کے من کی مراد مل گئی ہے---اور کیا چاہیے؟'' اس نے جنید کی جانب دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

''خیر' کھانا کھاؤ---بعد میں بات کرتے ہیں---''

جنید نے کہا اور پھر وہ کھانے کی جانب متوجہ ہو گئے---کھانے کے بعد وہ تینوں چائے کے مگ لیے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ راحیلہ منتظر تھی کہ ہمایوں بات کرے' تب وہ بولا۔

''آپ سارے پس منظر سے واقف ہیں' اس سے ملاقات کی تفصیل بھی مَیں نے آپ کو بتا دی تھی۔ اب میرے گھر والے بہت خوش ہیں بلکہ دونوں طرف سے ہی خوشی کا اِظہار ہو رہا ہے---''

''اصل بات کیا ہے---؟'' وہ بے تابی سے بولی۔

''وہ یہ ہے کہ معاملہ میرے اور صفیہ کے درمیان آ کر ٹھہر گیا ہے۔ ہمارے درمیان خوشگوار زندگی کا ہونا ایک سوال ہے۔ زندگی خوشگوار ہو بھی سکتی ہے' نہیں بھی ہو سکتی۔ وہ دونوں خاندان جو قریب آ گئے ہیں' پھر سے جدا بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم اکٹھے رہ بھی سکتے ہیں اور---''

وہ تذبذب میں تھا کہ جنید نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''ہمایوں' در اصل تم خود مطمئن نہیں ہو۔ سب سے پہلے تمہارا اپنا اطمینان بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تم اُس سے کوئی اِنتقام وغیرہ لے ہی نہیں سکتے' اس لیے کسی بھی فیصلے سے قبل یہ سوچ لو کہ تمہیں آخر کرنا کیا ہے؟''

''وہی تو---''

''نہیں' ہمایوں!'' جنید نے پھر اُسے ٹوک دیا۔ ''مَیں نے اَب تک جو دیکھا ہے' تم لاکھ باصلاحیت سہی' آگے بڑھنے کی تم میں قوت بھی ہے لیکن صفیہ کے معاملے میں تم ڈسٹرب ہو کر کچھ بھی نہیں رہ جاتے ہو۔ اس راہ پر بھی خود کو مضبوط کرو اور ایک آخری بات---تم نے اس بارے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنے کے لیے اَب میرے ساتھ مشورہ نہیں کرنا۔'' جنید نے دھیرے دھیرے کہتے ہوئے قدرے سختی سے کہا۔

''ایسا کیوں' جنید---؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''دُنیا کا سب سے احمق ترین شخص وہ ہوتا ہے جو میاں بیوی کے معاملات میں آتا ہے---وہ تمہاری ازدواجی زندگی ہو گی۔ تم جو بہتر سمجھتے ہو وہی کرو۔''

جنید نے کہا اور خالی مگ میز پر رکھ دیا---ہمایوں چند لمحے بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اچانک اُٹھ کر اجازت چاہی اور باہر نکلتا چلا گیا۔

''ایک بات اور---'' جنید نے اِسے نکلتے نکلتے روکا۔ ''مَیں نے تم سے پہلے بھی سرسری انداز میں کہا تھا کہ مجھے یا راحیلہ کو فون کرتے

وقت موبائل کی سم تبدیل کرلیا کرو۔ جو نمبر سب کو معلوم ہے اس سم سے تم مجھے کال نہیں کرو گے۔" جنید نے جیسے تنبیہ کی۔

"مجھے احساس ہے جنید! آپ فکر نہ کرو---" ہمایوں نے جواب دیا اور رخصت ہو گیا۔

"آپ کو اتنی سختی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" راحیلہ نے دھیرے سے کہا۔

"مجھے اس سے بھی زیادہ سختی سے پیش آنا تھا لیکن میں نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ وہ سمجھدار ہے اور بات کو سمجھتا ہے' چپ چاپ چلا گیا ہے۔"

"کیوں---؟" وہ حیرت سے بولی۔

"اس کے دل میں چور ہے۔ وہ بظاہر صفیہ سے نفرت کرتا ہے لیکن اندر سے شدید محبت کرتا ہے بلکہ ایسا بھی نہیں ہے۔ وہ اس سے نفرت یا محبت کچھ بھی نہیں کرتا بلکہ وہ صرف دولت سے عشق کرتا ہے---دیکھ لینا' وہ اس کے لیے بہت کچھ کرے گا۔"

"آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اس لیے کہ میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ صفیہ سے نفرت کرتا ہے لیکن یہ محض ایک جواز تھا' ان دنوں آکر مجھے احساس ہوا کہ وہ اندر سے کچھ اور ہے' وہ صفیہ کو دولت بنانے کی مشین کی مانند استعمال کرے گا---خیر چھوڑو' ہمیں ان سے کوئی لینا دینا نہیں---"

یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھنے لگا تو راحیلہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"تو کیا آپ نے باہر جانے کا ارادہ کرلیا ہے؟"

"بالکل' میں اب اک نئے راستے سے اپنی منزل تک پہنچوں گا' یہ امن کا راستہ ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اُٹھ گیا' راحیلہ اُس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

جنید کو اچھی طرح یہ احساس تھا کہ گزرنے والا ہر لمحہ اُس کی زندگی کے لیے انتہائی قیمتی ہے۔ اس لیے کوئی بھی لمحہ ضائع کیے بغیر وہ ملک سے باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ سب سے پہلے پاسپورٹ حاصل کرنے کا مرحلہ تھا جو دنوں میں اُس نے طے کرلیا' نجانے اُس کے ذہن میں کیا خیال آیا کہ اپنے ساتھ ہی اُس نے راحیلہ کا پاسپورٹ بھی حاصل کرلیا۔ دوبئی میں اُس کے دو انتہائی قابلِ اعتماد ساتھی تھے۔ اُن سے رابطہ ہونے پر اُس نے سرسری طور پر انہیں تمام معاملہ سمجھایا اور تقریباً اُس کی تیاری مکمل ہی تھی کہ ایک دن ہمایوں کا فون آ گیا۔ چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ بولا۔

"میں نے اب مشورہ کرنے کے لیے نہیں' آپ کو دعوت دینے کے لیے فون کیا ہے۔"

"کس سلسلے میں---؟" جنید نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"سب معاملات سلجھ گئے ہیں' جنید بھائی! اسی لیے گھر والوں نے فوری طور پر دو دن بعد منگنی کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس فنکشن میں آپ نے لازمی آنا ہے---بھابی کو بھی لایئے گا۔" ہمایوں نے کہا۔

''تم جانتے ہو ہمایوں! میں یہ دن کیسے گزار رہا ہوں۔ایسی صورت حال میں میرا نکلنا' کسی فنکشن میں شرکت کرنا ممکن نہیں ہے۔'' جنید نے اسے سمجھایا۔

''میں آپ کی ہر بات مان لیتا ہوں' جنید بھائی! لیکن یہ بات نہیں مانوں گا ——چلیں' زیادہ دیر کے لیے نہیں لیکن تھوڑی دیر کے لیے شرکت کرنے ضرور آ جائیے گا اور اگر آپ نہ آئے تو میں فی الحال یہ فنکشن ہی ملتوی کر دیتا ہوں ایسی خوشی جس میں میرا محسن ہی شامل نہ ہو، کیا فائدہ رہے گا سمجھیں' فنکشن ملتوی۔'' ہمایوں نے جیسے قطعی لہجے میں کہا۔

''نہیں' فنکشن ملتوی مت کرنا --- اب ضد کر رہے ہو تو میں آ جاؤں گا لیکن صرف چند لمحوں کے لیے' اور راحیلہ نہیں آ سکے گی۔ میں چند ضروری کاموں کے سلسلے میں باہر ہوں گا اور وہیں سے تمہارے فنکشن میں شرکت کروں گا ---'' جنید با دل نخواستہ رضامند ہو گیا۔

''بہت شکریہ' جنید بھائی! آپ تھوڑی دیر کے لیے ہی آ جائیں' میرے لیے یہی کافی ہے۔'' ہمایوں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

جس دن ہمایوں کی منگنی تھی' جنید صبح ہی گھر سے نکل آیا۔اُسے چند انتہائی اہم کام نمٹانے تھے۔سارا دن اِس بھاگ دوڑ میں گزر گیا۔شام کو اُس نے کچھ خریداری کی کہ اگلے دن صبح اُس کی روانگی تھی۔جس وقت وہ ہمایوں کی منگنی میں شرکت کے لیے پہنچا تو تقریب میں خوب گہما گہمی تھی' میڈیا والے بھی وہاں موجود تھے جنہیں دیکھ کر اُس کا ماتھا ٹھنکا لیکن پھر بھی وہ بہت محتاط انداز میں ہمایوں سے ملا اور جلد ہی وہاں سے نکل آیا --- گھر آنے کے بعد بھی وہ راحیلہ کو زیادہ وقت نہ دے سکا کہ صبح اُس کی روانگی تھی۔

☆☆

صفیہ لان میں بیٹھی اپنے خیالوں میں گم تھی جیسے جیسے دن ڈھلتا چلا جا رہا تھا' اس کے من میں بے چینی اسی قدر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔وہ دن اس کی زندگی کا اہم ترین دن تھا۔اس کی نگاہیں گیٹ پر لگی ہوئی تھیں اور ذہن میں ہاں اور ناں کے درمیان وہ کرب ناک کیفیت میں خود کو محسوس کر رہی تھی۔وہ دن اسی کرب کی انتہا کا تھا جو گزشتہ چند دنوں سے دھیرے دھیرے اس کے من میں اُٹھا تھا۔اِن لمحات میں وہ اِن دنوں کا تجزیہ کر رہی تھی ---ہمایوں سے ملاقات میں اس نے اپنا آپ کھول کر اُس کے سامنے رکھ دیا تھا۔جہاں اس نے ہمایوں کی حیثیت کو تسلیم کیا تھا' وہاں اپنی خواہش بھی واضح کر دی تھی۔یہی وہ نکتہ آغاز تھا جہاں سے اس کے من میں کرب انگیز کیفیت نے جنم لیا تھا اور وہ ہونے یا نہ ہونے کے درمیان آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔بظاہر اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔اس کے بارے میں گھر والے جو فیصلہ کرتے ہیں' وہ قبول کر لینے کو ذہنی طور پر تیار تھی لیکن ہمایوں سے فون پر ہونے والی باتوں نے بے چینی بڑھا دی تھی۔صفیہ کے ذہن میں یہ بات پوری طرح واضح تھی کہ ہمایوں اس سے اپنا انتقام لے گا' جی بھر کے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے گا۔جس قدر اس نے نفرت کی تھی اس کو جواب اسے بھی بڑھ کر ملے گی یا پھر اُس نے وہی کرنا تھا جو اس کی محبت اُس سے کراتی۔اگر اُس کے دل میں محبت ہے تو پھر وہ اس کی خواہشوں کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ہمایوں سے ملاقات کے بعد اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر ہمایوں کے دل میں اس کے لیے محبت ہے تو وہ اسے استعمال کرے گی۔اس کے نزدیک محبت انسان کو بے حد کمزور کر دیتی ہے۔وہ بظاہر پرسکون انداز میں دونوں گھروں کے درمیان بڑھتے ہوئے تعلق کو دیکھتی رہی تھی۔زیتون بی بی اور زینب دونوں ہی اِس میں پیش

پیش تھیں۔ جس کا منطقی نتیجہ ان دونوں کی منگنی کی صورت میں نکلا۔ وہ اور سلمیٰ دونوں ہی اس گھر کی بہوئیں ہوں گی' یہ طے ہو گیا۔ دونوں گھر ہی بہت خوش ہوئے اور اس خوشی کا اظہار منگنی کی رسم کو دھوم دھام سے منا کر کیا گیا۔ سیاستدان اس موقعہ سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ تو کسی کی میت پر بھی جائیں تو واضح ہو کر تصویر بنواتے ہیں یا اس کا چرچا اخباروں میں دیکھ کر خوشی محسوس کرتے ہیں اور کچھ کرنا یا نہ کرنا ہو کسی بھی سانحے یا حادثے پر مذمتی بیان ضرور داغ دیتے ہیں۔ فی زمانہ سیاستدان یا شوبز کے بندے میں اس حوالے سے کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا۔ ہمایوں نے بھی اس موقعہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنے حلقہ کے بااثر لوگوں کو نہ صرف دعوت دی بلکہ اس کا چرچا اخباروں میں بھی ہوا۔ اس پر صفیہ بہت خوش ہوئی تھی' اس حوالے سے نہیں کہ اس کی منگنی دھوم دھام سے ہوئی ہے یا شہر بھر میں چرچا ہوا تھا بلکہ اس نے اس سارے واقعے میں ہمایوں کی اس خوشی کو محسوس کیا تھا جو اس کے من میں تھی۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ صفیہ اس کی ہو جائے اور اس خواہش کی تکمیل پر اس نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا تھا اور پھر اس دن صفیہ پر یہ بات واضح ہو گئی جب فون پر باتیں کرتے ہوئے ہمایوں نے کہا تھا۔

"صفیہ! تمہارا خواب بھی ہے نا کہ تم ایک بزنس وومن کے طور پر پہچانی جاؤ۔ میں تمہارا وہ خواب پورا کر سکتا ہوں' جب بھی تم چاہو لیکن کیا تمہارے اندر اتنا اعتماد ہے کہ تم کسی بھی بزنس کو سنبھال سکو؟"

"کیوں نہیں ---- میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہی یہی ہے۔ میں نے ہمیشہ خود کو ایک بزنس وومن کے طور پر دیکھا ہے۔ میرا امتحان نہ ہوتا تو میں پاپا کے ساتھ بزنس شروع کر بھی چکی ہوتی۔ اب میرے امتحان ختم ہو گئے' رزلٹ آ گیا اور میں مزید نہیں پڑھنا چاہتی لیکن اگر مجھے پڑھنا پڑا تو پڑھوں گی۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ پڑھنا نہیں چاہتی اور ----؟"

"دیکھیں! اگر بزنس کی کوئی بھی صورت بن گئی' پاپا راضی ہو گئے یا آپ کوئی میرے لیے صورت بناتے ہیں تو پھر میں کہاں تعلیم حاصل کروں گی' بزنس میں تو تجربہ چاہتا ہے لیکن اگر کوئی بھی میرے لیے کچھ نہ کر پایا تو پھر مجبوری میں مجھے پڑھنا ہی پڑے گا یا پھر آپ کے گھر کا کچن سنبھالنا پڑے گا۔"

"تم نے ابھی تجربے کی بات کی ہے' وہ تو آتے آتے آئے گا نا؟"

"پاپا ہیں نا' وہ بھائی کے بزنس کو دیکھ رہے ہیں۔ دو چار مہینے وہ مزید ملازمت کریں گے' پھر میں اور پاپا دونوں مل کر ہی بزنس کریں گے ---- تجربہ خود بخود آتا چلا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے صفیہ! میں تمہیں اور تمہاری خواہش کو مقدم رکھتا ہوں۔ میں تم سے شادی ہی اس وقت کروں گا جب تم کہو گی۔ میں آج ہی سے چاچا سے مل کر تمہارے لیے کسی سیٹ اپ کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"اس میں شک والی بات بھی کیا ہے' تم چند دن تک خود ہی دیکھ لو گی۔"

اس دن کے بعد سے صفیہ کے خواب اور سوچیں ایک نیا رنگ لیے ہوئے تھے۔ ہر آنے والا دن اُسے اپنی کامیابی کے نزدیک کرتا چلا جا رہا تھا۔ روزانہ اس کا باپ اس سے باتیں کرتا' کوئی نئی بات بتاتا' اسی طرح ہمایوں سے بھی فون پر باتیں چلتی رہیں۔ دنوں میں وہ لمحہ بھی آ گیا جب کاغذات پر حتمی دستخط کے بعد وہ ایک کاروبار کی مالک بن جاتی اور اس دن وہی لمحے اس کی خوشی اس کی جھولی میں ڈال دینے والے تھے۔ کرب اور بے چینی اپنے عروج پر تھی۔ لان میں بیٹھی وہ اپنے پاپا ہی کا انتظار کر رہی تھی جنہوں نے آج ہر شے کو حتمی شکل دینا تھی۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا چلا جا رہا تھا اور وہ منتظر تھی--- پھر اس کا انتظار ختم ہو گیا۔ اس کے پاپا کی گاڑی جو نہی پورچ میں رُکی وہ بے تابی سے کھڑی ہو گئی۔ اس کے پاپا گاڑی سے نکلے اور گہری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا' پھر اس کی جانب ہی بڑھتے چلے آئے۔ اُن کے ہاتھ میں بیگ تھا جو انہوں نے بید کی میز پر رکھا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"بہت بے چین دکھائی دے رہی ہو---؟"

"جی پاپا---!"

وہ دھیرے سے بولی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ تب اس کے پاپا نے بریف کیس کھولا اور اس میں سے سفید رنگ کی فائل نکالی' اُسے میز پر رکھ کر بولے۔

"آج میری ہمایوں سے ایک تفصیلی نشست رہی جس میں سارے معاملے طے پا گئے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لیے رُکے اور پھر کہتے چلے گئے۔ "وہ میرے ہی انتظار میں تھا۔ جس طرح میں نے سوچا تھا' اُس نے بھی ویسی ہی بات کی۔ جو کاروبار تم کرو گی' اس میں وہ بھی شریک ہوگا۔"

اس کے پاپا نے کہا تو صفیہ کے دل میں خوشی بھر گئی۔ پھر ان کے درمیان اس سارے معاملے کی تفصیلات زیر بحث رہیں' یہاں تک کہ پاپا نے آخری بات کہتے ہوئے کہا۔

"میں نے آفس بھی دیکھ لیا ہے' تم اسے اپنی پسند سے سجا لینا--- میں جلد سبکدوش ہو جاؤں گا اور پھر تمہاری ہر طرح سے مدد کروں گا۔"

"پاپا! آپ میرے لیے---!" وہ جذباتی ہو گئی تھی۔

"ہاں بیٹا! والدین کو اپنے بچوں کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

اُنہوں نے بھی گلوگیر لہجے میں کہا۔ نجانے اُن کے دل میں کیا کچھ تھا--- پھر ان میں کوئی گفتگو نہ ہوئی اور دونوں اُٹھ کر اندر چلے گئے۔

☆☆

راحیلہ کے ڈرائنگ روم میں خوشگوار ماحول کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے نسرین بیٹھی ہوئی تھی' اُس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا اور سامنے دھرے لوازمات میں سے بسکٹ اُٹھاتے ہوئے اُس نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"راحیلہ! ہاسٹل کے پچھلے تین برس ہم نے کس قدر ذہنی پریشانی میں گزارے تھے اور میرا خیال ہے کہ تم نے اس طرح کی زندگی کے بارے میں

سوچا بھی نہیں ہوگا۔۔۔۔کیا میں درست کہہ رہی ہوں؟"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ہاسٹل کی زندگی واقعتاً ذہنی پریشانی کی زندگی تھی۔ وہ ڈاکٹر جمیل اور اس جیسے لوگ۔۔۔خیر چھوڑو۔۔۔"

اس نے ماضی کی تلخی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"او ہاں یاد آیا' تم تو ہاسٹل پھر آئی نہیں ہو۔ وہ ڈاکٹر جمیل اب نہیں رہا' برین ہیمرج ہوا اور۔۔۔"

نسرین نے دھیرے سے کہا جس پر راحیلہ نے کوئی بھی تاثر نہیں دیا۔ جیسے نہ اسے خوشی اور نہ دکھ ہوا ہو' بس نسرین کی جانب دیکھتی رہ گئی تھی۔۔۔اصل میں انسان کبھی نہیں مرتا۔ جب تک وہ کسی نہ کسی حوالے سے یاد رہتا ہے' ایک طرح سے وہ زندہ ہی ہوتا ہے۔ بحث اس سے نہیں کہ اس کی یاد کس حوالے سے ہے؟ جیسے حضرت آدم رہتی دنیا تک زندہ ہی رہیں گے۔ الہامی مذہب ہو یا غیر الہامی' خدا کو ماننے والے ہوں یا نہ ماننے والے' کسی نہ کسی حوالے سے وہ حضرت آدم کو ضرور یاد رکھتے ہیں۔ تب سے لے کر آج تک کے درمیان میں کتنے لوگ اس دنیا پر آئے اور چلے گئے لیکن حوالہ کن کا زندہ رہا ہے' یہی لمحہ فکریہ ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان اپنے ہونے کا ایک حوالہ رکھتا ہے۔ وہ حوالہ جیسا بھی ہو' اگر اپنی زندگی میں وہ خود ختم کر لیتا ہے۔ اس سے دستبردار ہو جاتا ہے تو سمجھو اسی وقت فنا ہو گیا۔ فنا اور بقا کی اصل حقیقت ہی یہی ہے کہ یہ دونوں طرفین ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کی پیدائش کے ذمہ دار ہیں۔ فنا سے بقا ہے اور بقا سے فنا' یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے زندگی سے موت اور موت سے زندگی کا احساس موجود ہو۔ مادی جسم تو اس کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ جب تک مادی جسم موجود ہے' فنا اور بقا کا اظہار رہا ہے' اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔ مادی جسم سے جو اظہار ہو رہا ہے وہ کردار کہلاتا ہے اور کردار ہی فنا اور بقا کی سمت متعین کرتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک عام سی بات ہے' کوئی فلسفہ نہیں۔ کوئی اگر یہ چاہے کہ اس کا کوئی سائنسی پہلو یا اس کی کوئی سائنسی دلیل ہے تو وہ زیادہ اہمیت کے ساتھ اسے ثابت کر رہی ہے۔ مثال کے طور پر آئن سٹائن کا قانون توانائی۔ اس کے مطابق مادہ توانائی میں تبدیل ہو سکتا ہے اور توانائی مادے میں بدل سکتی ہے۔ اگرچہ یہ نظریہ وجدان کی بنیاد پر رکھا گیا تھا لیکن ڈیڑھ صدی گزرنے کے بعد اسے سائنسی اہمیت ملی ہے۔ فنا اور بقا کی بحث اس معاملے کو بھی سمجھنے کی بنیاد ہے کہ دوبارہ زندگی کیسے ملے گی؟

"ہاں۔۔۔جو اس دنیا میں آیا ہے' اس نے جانا بھی ہے۔"

راحیلہ نے پُرسوچ لہجے میں کہا جیسے وہ اس خبر پر اس سے زیادہ تبصرہ نہیں کرنا چاہتی۔ اس پر دونوں کے درمیان خاموشی آ گئی' یوں جیسے ان کے پاس بات کرنے کے لیے کوئی موضوع ہی نہ رہا ہو۔ چند لمحوں بعد نسرین ہی نے اس خاموشی کو توڑا۔

"جنید بھائی دکھائی نہیں دیئے؟"

اس پر راحیلہ نے یوں اس کی جانب دیکھا جیسے وہ ایک دنیا سے نکل کر دوسری دنیا میں آ گئی ہو۔ اس کا تاثر ہی بدل گیا' مسکراتے ہوئے بولی۔

"وہ یہاں نہیں ہیں' میں نے اسی لیے تمہیں بلایا ہے۔"

"ہائیں وہ نہیں ہیں اور مجھے بلایا ہے--- کچھ نہیں آئی؟" نسرین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ اس ملک میں نہیں ہیں۔ چند دن ہوئے دوبئی چلے گئے ہیں اور یہ معاملہ اُنہوں نے انتہائی خفیہ رکھا ہے۔ سوائے میرے کسی کو بھی نہیں معلوم---"

"یہ تم کیسی اُلجھی ہوئی باتیں کر رہی ہو--- اگر اُنہوں نے اپنا دوبئی جانا خفیہ رکھا ہے تو مجھے کیوں بتا رہی ہو؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اس لیے کہ اُنہوں نے ہی مجھ سے کہا تھا--- خیر میں تمہیں تفصیل سے بتاتی ہوں۔ اُن کا خیال ہے کہ وہ دوبئی یا کسی دوسرے ملک میں رہنے کا بندوبست کریں گے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اپنی پرانی زندگی میں لوٹ جائیں لہٰذا یہاں رہنے کے لیے کوئی جواز نہیں اور نہ ہی وہ رہ سکتے ہیں' دوسرے دیس ہی میں جانا ہوگا۔ جاتے ہوئے اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں یہاں اپنے پاس لے آؤں۔ ہم دونوں نے نرسنگ کورس کیا ہے سو یہاں کلینک بنائیں اور جہاں تک ممکن ہو لوگوں کی خدمت کریں۔ وہ لوگ جو کسی نہ کسی حوالے سے مستحق ہیں ان کے کام آئیں۔ اگر تم رضامند ہو تو میرے ساتھ آؤ' یہاں رہو اور چاہو تو نوکری کرو---"

راحیلہ نے تفصیل سے بتایا اور کسی متوقع جواب کے لیے اُس کی جانب دیکھنے لگی۔ نسرین ستے ہوئے اور حیرت زدہ چہرے کے ساتھ اس کی جانب دیکھتی رہی' پھر اُس کی پلکیں بھیگنے لگیں یہاں تک کہ اُس نے سر میز پر رکھا اور گہری سانس لے کر بھیگے ہوئے لہجے میں بولی۔

"راحیلہ! مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ زندگی میں کوئی تو اپنا ہے اور ایک انسان دوسرے انسان کے کام بھی آتا ہے--- مجھے لوگوں کی خدمت کا اتنا شوق نہیں لیکن میں ایک گھر کے لیے ترس گئی ہوں۔ ماں باپ کے ساتھ تھی تو وہ مجھے ذہنی طور پر یہی باور کراتے رہے کہ میں پیدا ہی اس لیے ہوئی ہوں کہ پیسہ کماؤں۔ مشنری سکول کے ہاسٹل میں رہی' وہاں سے نرسنگ ہاسٹل--- میرا نہیں خیال کہ تم میرے والدین سے کبھی ملی ہو۔ اُنہیں بس میری تنخواہ کے آدھے حصے سے غرض ہے اور مزید کا مطالبہ رہتا ہے۔ اُنہوں نے کبھی میرے ساتھ یہ بات نہیں کی کہ میں عورت ہوں۔ میرے بھی جذبات ہیں' میرا بھی ایک گھر ہونا چاہئے اور وکٹر--- وہ یہاں نہیں ہے۔ وہ تو مذہب کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر چکا ہے۔ اب کوئی میری جانب ہاتھ بھی بڑھائے گا تو اسی وجہ سے کہ میں اچھا خاصا کماتی ہوں اور وہ ساری زندگی بیٹھ کر کھائے گا۔ کیا ہے زندگی؟--- اب تم نے مجھے اپنے ساتھ رہنے' ایک گھر میں رہنے کی آفر دی ہے تو مجھے یوں لگا جیسے میں بھی انسان ہوں میں بھی کسی گھر میں رہ سکتی ہوں اور اس پر حیرت والی بات یہ ہے کہ جنید بھائی کو میرا خیال رہا---"

وہ یوں کہتی چلی جا رہی تھی جیسے پھٹ پڑی ہو۔ انسان دوسروں کی توجہ' ہمدردی اور محبت کے لیے یوں بھی ترستا ہے؟ راحیلہ کے لیے یہ حیران کن تھا۔

"تم اگر پہلے کبھی اشارہ بھی دے دیتیں تو میں ضد کر کے تمہیں اپنے ساتھ رکھتی۔" راحیلہ بولی۔

"کیسے کہتی' تم بھی تو--- خیر میں مان گئی ہوں کہ محبت میں جب یقین شامل ہوتا ہے تو سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ میری محبت وہ محبت نہیں تھی جو تمہاری ہے۔ تم جو راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دُعائیں کیا کرتی تھیں اس کا نتیجہ میں دیکھ رہی ہوں--- کبھی کبھی بن مانگے ملتا ہے اور کبھی ان لوگوں

سے تعلق کی بنا پر بھی مل جاتا ہے اور جو خدا کے حضور پسندیدہ ہو جائیں خدا انہیں برکت دے دیتا ہے---" وہ ممنونیت بھرے لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"چھوڑو ان باتوں کو---جنید نے اگر تمہارے بارے میں کہا ہے تو کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا۔اب کیا خیال ہے تمہارا؟"

"میں ابھی سے تمہارے گھر میں ہوں----نہیں بلکہ اپنے بھائی کے گھر میں ہوں۔ جہاں تک نوکری کا معاملہ ہے وہ بھی میں چھوڑ دوں گی۔ جو بھائی نے کہا ہے وہی کروں گی۔" وہ ایک دم سے خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"تو پھر ٹھیک ہے تم اس کمرے میں رہو جو میرا تھا۔ جس قدر جلدی ممکن ہو سکا ہم کلینک بنا لیں گے۔ سب تلخیاں بھول جاؤ۔اب ہم ایک نئی زندگی کی شروعات کریں گے---"

راحیلہ نے کہا تو وہ ایک دم سے رونے لگی۔ راحیلہ اٹھی اور اس کے پاس چلی آئی' کافی دیر تک اس کی دلجوئی کرتی رہی یہاں تک کہ وہ نارمل ہو گئی۔وہ سمجھ گئی تھی کہ اچھے جذبات' خلوص نیت اور خوش گمانی اپنا اثر ضرور رکھتی ہے۔

☆☆

ہمایوں اس وقت اسی صنعت کار سیٹھ حفیظ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو اس کا باس بھی تھا اور سیاست میں اس کا گاڈ فادر بھی---کوئی وقت تھا جب جنید نے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تھا اور جس کے بل بوتے پر وہ علاقے میں نہ صرف اپنا سیاسی اثر ورسوخ بنا چکا تھا بلکہ شہر کے اہم لوگوں میں بھی اس کا شمار ہو چکا تھا۔ سیٹھ حفیظ سے اس کی ملاقات بہت کم ہی ہوا کرتی تھی زیادہ تر فون پر یا پھر ان کے جنرل منیجر کی طرف سے کوئی بات اس تک پہنچ جاتی تھی ورنہ ہمایوں اپنے معاملات میں آزاد تھا اور بہت تیزی سے اپنی جگہ بنا چکا تھا۔ اس دن جب سیٹھ حفیظ کی جانب سے بلاوا آیا تو وہ دونوں تھے ان کے درمیان تیسرا کوئی فرد نہیں تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ کوئی نہ کوئی اہم بات ہوگی۔ سیٹھ حفیظ حسب عادت حالات کے بارے میں سوال کر کے خاموش ہو گیا اور ہمایوں بتاتا رہا۔ وہ کہہ چکا تو سیٹھ حفیظ نے دھیرے سے پوچھا۔

"تم جنید کے بارے میں جانتے ہو کہاں ہے وہ آج کل----؟"

اس غیر متوقع سوال پر ہمایوں نہ صرف گڑبڑا گیا بلکہ یہ سوال اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھا۔

"عرصہ ہوا' اس سے ملاقات نہیں ہوئی' کبھی کبھار وہ خود ہی فون کر لیتا ہے۔ میں اگر چاہوں بھی تو اس سے رابطہ نہیں کر سکتا' وہ کہیں روپوشی کی زندگی گزار رہا ہے۔" اس نے محتاط انداز میں کہا۔

"دیکھو ہمایوں! تمہیں یاد ہوگا کہ اس نے ہی تمہارا تعارف کرایا تھا اور تم میری توقع کے مطابق بالکل ٹھیک رہے ہو---اس کا پس منظر کیا ہے میں پہلے نہیں جانتا تھا لیکن کچھ دنوں سے مجھے اندازہ ہوا۔ میں شاید یہ جاننے کی کوشش بھی نہ کرتا لیکن یہ میری مجبوری تھی کہ مجھے یہ سب جاننا پڑا۔" باس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں---؟" ہمایوں تیزی سے بولا۔

"میں سمجھاتا ہوں---تمہیں اور بہت کچھ بھی سمجھانا ہے لیکن دھیرے دھیرے ہی تو سمجھا پاؤں گا۔" سیٹھ حفیظ نے اسی سنجیدگی سے کہا

اور پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "مجبوری میری یہ ہے کہ جس بندے نے مجھے احساس دلایا ہے وہ میرا دوست بھی ہے اور صنعتکار ہونے کے ناتے ہمارے سیاسی مقاصد ایک ہی ہیں---- خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ میں تمہارے بارے ہی میں بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر سیٹھ حفیظ نے اپنا بجھا ہوا سگار منہ میں لیا' اسے جلایا اور دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے بولا۔ "الیکشن بہت قریب ہیں۔ ہماری پارٹی ڈانواں ڈول ہے کہ الیکشن میں حصہ لے یا نہ لے مگر اندر کی خبر یہی ہے کہ ہم الیکشن میں حصہ ضرور لیں گے ہماری بقا ہی اسی میں ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ کم از کم ایم پی اے کا ٹکٹ تمہیں ملے اور ٹکٹ نہ بھی ملا تو آزاد حیثیت سے الیکشن تو لڑنا ہی ہے۔ تم نے منگنی کی اور بڑی دھوم دھام سے کی اچھا کیا۔ اس سے شہر بھر کو معلوم ہو گیا کہ جس لڑکی کے ساتھ تم شادی کر رہے ہو وہ تمہاری چچا زاد ہے۔ اب تمہاری شادی کا پروگرام کیا ہے۔ مطلب' کب کر رہے ہو؟"

"فی الحال تو کوئی طے نہیں کیا لیکن جلد ہی----" ہمایوں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے گول مول جواب دیا۔

"ظاہر ہے' تم شادی کرو گے تو شادی کے بعد کچھ عرصہ تک تمہاری باہر کی مصروفیات کم ہو جائیں گی۔ ممکن ہے' تم ہنی مون کے لیے کسی دوسرے ملک بھی جاؤ تو ایسے میں حالات---- میرا مطلب ہے سیاسی حالات پر نگاہ رکھنے میں بہت دشواری آئے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا----؟" سیٹھ حفیظ نے یہ کہا اور سگار کا کش لیتے ہوئے اس کی جانب غور سے دیکھا۔

"میں سمجھ گیا' شادی الیکشن کے بعد ہی بہتر رہے گی----" ہمایوں تیزی سے بولا۔

''ہاں یہ اچھی بات ہے لیکن جس بندے نے ---- میرا مطلب ہے جنید نے تمہارا تعارف کروایا مگر وہ اب منظر پر نہیں ہے۔ اب جبکہ تم الیکشن میں جا رہے ہو تو وہ تمہاری کیا مدد کرے گا؟'' باس نے دھیمے سے لہجے میں پوچھا۔

''اب وہ سامنے تو بے نہیں۔ تاہم جیسے ہی اس کا فون آتا ہے میں اُسے ساری صورت حال بتاؤں گا۔'' ہمایوں نے تحمل سے کہا۔

''مجھ سے بھی تو کوئی رابطہ نہیں ہوا اُس کا ----'' سیٹھ حفیظ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں آپ کا پیغام دے دوں گا ---- بلکہ وہ آپ سے رابطہ کرے گا۔'' ہمایوں نے یقین دہانی کروائی۔

''دیکھو یہ تمہارے کیرئیر کا سوال ہے۔ اس میں جنید بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے' اس کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ شاید ہم وہ کچھ نہ کر پائیں جو ہم سوچ رہے ہیں ----''

سیٹھ حفیظ نے پھر اصرار کیا تو ہمایوں کو لگا جیسے وہ کوئی اور بات کرنا چاہتا ہے' اس لیے پوچھا۔

''جیسے اس کی روپوشی ہے اور پہلی والی کارکردگی بھی نہیں' اس سے لگتا ہے کہ وہ اپنی تنظیم میں نہیں رہا' اگر ایسا ہوا تو پھر ----؟''

''یہی نکتہ سمجھنے کی بات ہے ---- بات یہ نہیں ہے کہ اس کے بغیر میں تمہاری مدد نہیں کروں گا جبکہ میں تم پر بہت زیادہ سرمایہ کاری کر چکا ہوں۔ تمہیں ہر حال میں الیکشن جتوانا میری مجبوری ہے لیکن اگر میرا نقصان کسی دوسری طرف سے پورا ہو جائے تو میں اس سے بھی دستبردار ہو سکتا ہوں۔''

''میں سمجھا نہیں ---- میں تو الیکشن کے بعد ہی آپ کا سرمایہ ----''

ہمایوں نے دھیرے سے کہنا چاہا تو سیٹھ حفیظ نے اس کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ ''ارے نہیں' تم میرا سرمایہ الیکشن سے پہلے یا بعد میں کیا لوٹا سکو گے۔ میں تمہیں سمجھاتا ہوں ----'' یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر کو ہمایوں کے چہرے کی جانب دیکھا پھر بولا۔ ''ہر طبقے کے لوگوں میں مسابقت کے ساتھ ساتھ مل کر چلنے کی مجبوری بھی ہوتی ہے جیسے ہم صنعتکار ہیں' تھوڑے سے تو ہیں اس شہر میں ---- ہم اگر ایک دوسرے کے ساتھ نہ چلیں تو بہت جلد ہم ختم ہو جائیں۔ جہاں پر ہمیں نقصان آ رہا ہو تو ہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ جس طرح میں نے تم پر سرمایہ کاری کی ہے' کسی دوسرے نے بھی تو کی ہے ---- خیر یہ معاملہ بھی نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جنید نے ہمارے ایک صنعتکار دوست کو لوٹا ہے۔ اس کا بیٹا تیمور اغوا کیا تھا ----''

''جنید نے ----؟'' ہمایوں بُری طرح چونک گیا۔ اسے یوں لگا جیسے خطرے کا الارم بج چکا ہو۔

''ہاں اُسی نے ---- میرا دوست اُسے نہیں جانتا تھا۔ اُس کے نزدیک چند دن پہلے تک وہ ایک اغواء کار تھا لیکن جیسے ہی تمہاری منگنی کی تصویریں اخبار میں آئیں' لوگوں کو پتہ چلا تو میرے صنعتکار دوست کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔'' سیٹھ حفیظ نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں اب بھی نہیں سمجھا کہ میرے معاملات سے اغواء کا تعلق کیا ہو سکتا ہے؟'' ہمایوں دھیرے سے بولا۔

''جھوٹ بولتے ہو تم ---- تم جانتے ہو اور شامل بھی ہو اس معاملے میں لیکن کس حد تک' اس کی تصدیق بہر حال نہیں ہے سو میں صاف

صاف کہتا ہوں کہ جنید ہمیں چاہیے اُسے دے دو اور اپنا کیریئر بچا لو۔ ہم بھول جائیں گے کہ تم اس میں کس حد تک ملوث ہو۔ ہم جانیں اور جنید--- تمہارے ساتھ ہمارا معاملہ ویسے ہی رہے گا جیسے کہ اب ہے۔" وہ سختی سے کہتا چلا گیا تو ایک دم سے ماحول میں تلخی گھل گئی۔

"میں نہیں جانتا کہ اُس نے یہ سب کیوں' کیسے اور کب کیا ہے--- میں مانتا ہوں کہ میرا جنید سے تعلق رہا ہے۔ اُس نے میری بہت مدد کی ہے لیکن اغواء وغیرہ میرے علم میں نہیں' آپ میرا یقین کریں۔" ہمایوں نے بہت نرم لہجے میں یقین دہانی کروائی۔

"ہمایوں! تم اپنی منگیتر اور تیمور کے تعلق کے بارے میں جانتے ہو۔ ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ ہوا' یہ بھی تم جانتے ہو اور اسی طرح تیمور کا باپ جو میرا دوست ہے وہ بھی جانتا ہے۔ جنید کا اور تمہارا تعلق میں جانتا ہوں۔ ذرا سے غور کرنے پر کوئی بچہ بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اصل معاملہ کیا تھا؟"

"وہی جو میں کہہ چکا ہوں۔" ہمایوں نے حتمی سے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے---- تم جنید کو لے آؤ اور اپنا شاندار مستقبل لے جاؤ' ورنہ---" سیٹھ حفیظ یہ کہتے ہوئے ایک لحظہ کو رکا اور پھر سخت لہجے میں بولا۔ "ورنہ میں تمہارا کیریئر خود تباہ کر دوں گا۔ تمہیں اس قابل بھی نہیں چھوڑوں گا کہ کسی عدالت کے احاطے میں اپنا بینچ بھی رکھ لو۔ اس لیے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا---- جنید نے دو کروڑ لوٹے ہیں۔ بات رقم کی نہیں' انا کی ہے۔ شیر کے منہ سے نوالہ چھین لینا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس پر اگر چار کروڑ بھی خرچ آ گیا تو کوئی پرواہ نہیں' کسی کی قربانی بھی دینا پڑی تو دے دیں گے لیکن جنید ہمیں چاہیے۔ بہتر ہے کہ تم ہی اُسے کسی نہ کسی طرح ہمارے حوالے کر دو۔ انعام ملے گا' رکن اسمبلی بھی بن جاؤ گے اور تمہاری ہونے والی بیوی کے کاروبار کے لیے رقم بھی ملے گی' اسے تحفظ بھی دیں گے ورنہ وہ کاروبار شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا---- جاؤ' شام تک مجھے سوچ کر بتا دینا۔"

سیٹھ حفیظ نے آخری لفظ کچھ زیادہ ہی سختی سے کہے تو مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ وہ لاتعلق سا ہو کر بیٹھ گیا تو اسے اُٹھنا پڑا---- ہمایوں کے لیے ایسا امتحان آن پڑا تھا جس میں ہر طرف خسارہ ہی خسارہ تھا۔

☆☆

صفیہ کو اپنی منزل انتہائی قریب دکھائی دے رہی تھی۔ ایک آفس کا تصور' صبح تیار ہو کر آفس کے لیے نکلنا' وہاں سارا دن مصروف رہنا۔ شہر اور بیرون شہر بزنس والوں سے باتیں' اُن سے ڈیل' شہر کی مجلسی زندگی اور ایک خاص قسم کا انفرادیت کا تصور ہی سحر انگیز تھا۔ جب سے اُس کے پاپا نے خوشخبری سنائی تھی تب سے ایک خمار آلود سی کیفیت اُس پر حاوی تھی۔ وہ پُرسکون نہیں تھی بلکہ اُس کے اندر بہت کچھ کرنے کی بے چینی عود آئی تھی۔ وہ سکون سے بیٹھتی ہی نہیں تھی۔ دن بھر اگر اپنے بھائی اشعر کے آفس میں گزارتی تو رات کا بیشتر حصہ کمپیوٹر استعمال کرتے گزر جاتا۔ وہ تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر لینا چاہتی تھی۔ وہ شخص جو اُس کے بارے میں نہ جانتا ہو' اسے پہلی نگاہ میں دیکھ کر یہی اندازہ لگاتا کہ وہ پاگل ہو گئی ہے۔ اُس نے جو ایک خاص اسٹیٹس اور دولت سے عشق کیا تھا' اس کا ہدف سامنے تھا اور وہ پوری لگن سے اس کی جانب متوجہ تھی۔ اس رات بھی وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے بیڈ پر نیم دراز تھی۔ اُس کی ساری توجہ سکرین پر تھی۔ رات ابھی اتنی گہری نہیں ہوئی تھی کہ اُس کا فون بج اُٹھا۔ اُس نے بے

خیالی میں فون اُٹھایا' نمبر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی اور فون کان سے لگا کر ہیلو کہہ دیا۔

"میں ہوں ــــ کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا' تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔" دوسری طرف تیمور کی آواز میں جہاں خوشگواریت تھی وہاں کسی حد تک طنزیہ انداز بھی تھا۔

"کون ــــ؟" صفیہ نے جان بوجھ کر اُسے نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہا نا' ہم بھی ایک دوسرے کے آشنا تھے۔ تم بھول سکتی ہو اور تمہیں بھولنا بھی چاہیے لیکن میں تمہیں نہیں بھولا اور ہاں ایک بات سن لو۔ فون بند کرنے کی غلطی مت کرنا ورنہ تمہاری تباہی زیادہ بھیانک ہو جائے گی۔"

تیمور نے غراتے ہوئے کہا تو صفیہ ایک دم سے چونک گئی۔ ایسا لہجہ تو اس نے کبھی نہیں سنا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو ــــ؟"

"میں مانتا ہوں کہ تم بہت ساری لڑکیوں سے منفرد ہو' ان سے حسین بھی ہو۔ کسی بھی مرد کو اپنی جانب متوجہ کر لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہو لیکن اتنی چنچل بھی ہو گی' یہ مجھے چند دن پہلے ہی معلوم ہوا ہے۔" وہ پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔

"یہ تم کیا بکواس کرتے چلے جا رہے ہو ــــ تم ہوش میں تو ہو؟" صفیہ نے غصے میں کہا۔

"میں پورے ہوش و حواس سے بات کر رہا ہوں اور میں یہ سمجھتا بھی ہوں کہ تم سے اب بات کرنی چاہیے۔" تیمور نے سرد سے لہجے میں کہا۔

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو' جلدی بولو۔ میرے پاس فضول وقت نہیں ہے۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔

"نہ ایسے نہیں کہتے' دوسرے کو بُرا بھی لگ سکتا ہے ــــ خیر پہلے تو میں تمہارے ساتھ فقط کھیل رہا تھا' ایسا کھیل جو میں کئی دوسری لڑکیوں سے کھیلتا رہا ہوں اور یہ کھیل اَب بھی جاری ہے۔ تمہارے جیسی کئی خواہشوں کی ماری خود بخود اس کھیل میں شامل ہو جاتی ہیں اور میں ــــ"

تیمور کہہ رہا تھا کہ اُس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بکتے جاؤ گے یا کام کی بات کرو گے ــــ؟"

وہ ہذیانی انداز میں بولی لیکن تیمور سنی اَن سنی کرتے ہوئے کہتا چلا گیا۔

"اَب میں تم سے خود کھیلوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم کیا کر رہی ہو۔ میں تمہاری منگنی سے بھی واقف ہوں اور وہ جو تم بزنس شروع کرنے جا رہی ہو اپنے منگیتر کے ساتھ ــــ"

"تو پھر تمہیں کیا تکلیف ہو رہی ہے؟" وہ انتہائی غصے میں بولی۔

"تکلیف تو مجھے ہوتی ہے کیونکہ میرے پیسے ہی سے تم یہ کاروبار شروع کر رہی ہو۔ وہ تمہارا منگیتر جو دنوں میں امیر ہوا ہے' یونہی نہیں ہو گیا۔ اسے یہ سمجھ ہی نہیں ہے کہ دولت لوٹ لینا کوئی بڑی بات نہیں لیکن اسے ہضم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے' خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو پہلے

درجے کے غریب لوگ ہوتے ہیں۔" اُس کے لہجے میں پھر سے طنز سا گیا تھا۔

"دیکھو تم میرے ساتھ سیدھی بات کرو۔ آخر تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" وہ جھنجلاتے ہوئے بولی۔

"ہاں اَب ہوگی کام کی بات۔ تو سنو ——— تمہارے منگیتر نے مجھے اغواہ کرایا اور دو کروڑ کی رقم تاوان کے طور پر حاصل کی۔ میں نہیں جانتا کہ اُس نے اس رقم کے کتنے حصے کیئے ہیں یا اَب اُس کے پاس کتنی رقم رہ گئی ہے لیکن میں ایک ایک پائی اس کے حلق سے نکالنے والا ہوں۔ وہ میرا اور اس کا معاملہ ہے لیکن تم اَب وہی کرو گی جو میں چاہوں گا۔" وہ غصے میں کہتا چلا گیا۔

"مثلاً کیا کرو گے تم ———؟" اس نے انتہائی طنز سے کہا حالانکہ ذہنی طور پر ایک دَم سے بکھر گئی تھی۔

"جو میرا دل چاہا ——— میں جب چاہوں تمہیں اپنے فارم پہ بلاؤں گا۔ وہ جو پہلے تمہاری مرضی سے چاہتا تھا اَب اپنی مرضی ———"

"بکواس بند کرو۔ تم میرے لیے ایک خارش زدہ کتے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ہو سمجھے تم ——— اور آئندہ اگر تم نے مجھے فون کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔"

صفیہ نے انتہائی غصے میں کہا اور فون بند کر دیا ——— وہ اس انکشاف پر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ یہ سوالیہ نشان اسکے ذہن میں تھا کہ ہمایوں دنوں میں امیر کیسے ہو گیا اور اُسے یہ بھی یقین تھا کہ راتوں رات امیر ہونے والے جائز دھندہ نہیں کرتے۔ اس میں کالک ضرور ہوتی ہے مگر دولت کالی ہے یا سفید اُسے اس سے غرض نہیں تھی، بس دولت ہونی چاہیے ——— تیمور یکدم پیچھے کیوں ہٹ گیا تھا اور ہمایوں اس سارے منظر پر اچانک کیسے چھا گیا؟ ان سوالوں کے جواب بھی اُسے مل گئے۔ اگرچہ یہ سوال ہنوز اپنی جگہ تھا کہ یہ سب اُس نے کیسے کیا لیکن یہ حقیقت تھی کہ ایسا ہو گیا اور اَب جبکہ وہ اپنی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکی ہے تو تیمور اُسے دھمکیاں دینے لگا تھا۔ اسکا ایک دوسرا پہلو بھی تھا کہ ہمایوں اس سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لی، کیا واقعی محبت تھی یا اس کی نفرت کا ردِعمل؟ اگر تیمور کی بات سچ ہے تو پھر وہ ہمایوں کو کبھی نہیں چھوڑیں گے اور اگر ہمایوں کے پاس دولت نہ رہی تو سب کچھ بکھر جائے گا۔ یہی سوچ کر اُس نے پریشانی کے عالم میں فوراً ہمایوں کے نمبر ملائے، رابطہ ہوتے ہی اُس نے کہا۔

"ہمایوں! مجھے بہت عجیب سی فون کال ملی ہے۔" اُس نے محتاط انداز میں کہا۔

"کیا ———؟" وہ بولا۔

"کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ تم نے تیمور کو اغواہ کرایا اور دو کروڑ حاصل کیئے۔ اَب انہی سے تم کاروبار کر رہے ہو اور جو تم راتوں رات ———"

"یہ ایک سازش ہے، تم گھبراؤ مت ———" اس نے تحمل سے کہا، تبھی صفیہ کے فون پر تیمور کی کال ویٹنگ پر آ گئی۔

"کون لوگ سازش کر رہے ہیں؟" وہ تیزی سے بولی۔

"ان کا پتہ ہوتا تو میں اَب تک سارا معاملہ ختم بھی کر لیتا ——— میں نے کہا نا تم پریشان نہیں ہونا۔ تم ایسی فون کالز پر ذرا بھی دھیان نہ دو بلکہ سنا ہی نہ کرو ———" ہمایوں نے عام سے انداز میں کہا۔

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میرا دل تو بہت گھبرا رہا ہے۔" اُس نے پھر تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"کہا نا نظر انداز کرو اور وہی کرو جو تم کر رہی ہو۔" ہمایوں نے اُسے تسلی دی۔

"ٹھیک ہے---"

اُس نے تیمور کی کال دیکھ کر تیزی سے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ تبھی تیمور کے نمبر سکرین پر اُبھر آئے۔ اُس نے چند لمحے دیکھا اور پھر فون ریسیو کر لیا۔

"بولو کیا چاہتے ہو تم---؟" صفیہ نے انتہائی غصے میں کہا۔

"یہی کہ میں وہ کروڑ نظر انداز کر سکتا ہوں اگر تم میری بات مانتی رہو میں جب چاہوں---"

"تیمور! بہت ہو گئی میں آخری بار وارننگ دے رہی ہوں---"

"تم مجھے کوئی وارننگ نہیں دے سکتی ہو وہ اس لیے کہ فارم ہاؤس میں لگے ہوئے خفیہ کیمرے وہ سب کچھ ریکارڈ کر چکے ہیں جو ہم وہاں کرتے تھے۔ میری بات نہیں مانو گی تو تم بزنس وومن تو شاید نہ بن سکو لیکن کال گرل کے طور پر مشہور ہو جاؤ گی۔ ذرا سوچو کیسا رہے گا یہ سب؟--- موبائل کی دُنیا میں یہ جو ایم ایس کی سہولت ہے ایسے کاموں کے لیے کتنی بڑی سہولت ہے۔ پھر انٹرنیٹ ہے--- خیر شاید تمہارا منگیتر جو تمہارا کزن بھی ہے آنکھوں دیکھی مکھی نگل کر خاندان کی عزت بچا لے۔ تم سے شادی کر لے لیکن دُنیا تمہیں معاف نہیں کرے گی۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"جھوٹ بول رہے تم' بکواس کر رہے ہو---" وہ ہذیانی انداز میں بولی لیکن اندر سے کانپ کر رہ گئی تھی۔ اگر یہ سب سچ ہوا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔ ابھی چند لمحوں کی روداد تمہیں بھیج رہا ہوں' دیکھنا اور انجوائے کرنا پھر سوچنا--- اپنا ای میل ایڈریس بھیجو' بہت کچھ تمہیں دیکھنے کو ملے گا اور اب تم مجھے فون کرو گی۔"

اُس نے انتہائی سرد لہجے میں کہا اور اچانک فون بند کر دیا۔ صفیہ ایک دَم سے اپنے آپ ہی میں نہ رہی۔ یہ اچانک کیسی افتاد پڑ گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ ہواؤں میں اُڑتی ہوئی اچانک زمین کی طرف جا رہی ہے جہاں گرتے ہی چور چور ہو جانا اُس کا مقدر ہے۔ اپنے خاندان کے ایک ایک فرد کا چہرہ اُس کے سامنے آتا چلا گیا' وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی اُنہیں کیسے یقین دلائے گی؟--- تبھی اُس کے فون نے اُسے متوجہ کر لیا۔ اُس نے جلدی سے فون اُٹھایا اور اُسے دیکھا۔ چند لمحوں کی فلم سے اُس کے ہوش اُڑ گئے' وہ ساکت ہو کر رہ گئی۔ اگر یہی فلم--- وہ اس سے آگے نہ سوچ سکی۔

☆☆

ہمایوں اس وقت ذہنی دباؤ کی اس سطح پر تھا' جہاں اُسے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اُس کے دماغ کی کوئی نس پھٹ سکتی تھی یا نروس بریک ڈاؤن ہو سکتا تھا۔ وہ انتہائی مشکل سے اس پارک تک پہنچا تھا جو اُس کے گھر کے راستے میں آتا تھا۔ اگرچہ پریشانی تو اُسے پہلے ہی تھی وہ اس وقت سے سوچ کی سولی پر لٹکا ہوا تھا جب سیٹھ حفیظ نے جنید کو اس کے سامنے لانے کے لیے کہا تھا۔ وہ کسی طور بھی محسن کشی نہیں کر سکتا تھا اس لیے جنید کے بارے میں سوچنے کی بجائے وہ یہی سوچتا رہا تھا کہ کوئی ایسا راستہ نکالے جس سے سارا معاملہ حل ہو جائے۔ اُسے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ جنید کے بارے میں

اسے کہا ہی اس لیے گیا ہے کہ وہ خود سامنے نہیں آنا چاہتے تھے بلکہ راز افشا کرنے کا سارا بوجھ اور ذمے داری اسی پر ڈال کر خود بری الذمہ ہونا چاہتے تھے۔ تیمور کے اغواء سے چاہے جنید نے تاوان وصول کیا ہو یا نہیں لیکن اُس کی اپنی زندگی میں بہت زیادہ انقلاب آ گیا تھا۔ وہ حالات جنہیں وہ محض خواب سمجھتا تھا' حقیقت کا روپ دھار گئے تھے۔ اُسے جو حاصل کرنے کی تمنا تھی' دنوں میں اُس کی دسترس میں آتا چلا گیا تھا۔ اُسے یہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ صفیہ سے منگنی کے بعد اُنہوں نے دو اور دو چار کر کے معاملہ کس طرح فوراً سمجھ لیا تھا۔ اُسے یہ اچھی طرح احساس تھا کہ وہ چاہے جتنا جھوٹ بولتا رہے وہ حقیقت جان گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کے سیٹھ حفیظ نے بلالیا اور انتہائی سرد لہجے میں کہا تھا۔

''اتنا وقت گزر جانے کے باوجود ابھی تک تم نے جنید کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔ کیا تم اس معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے ہو؟''

''سر! میں کوئی فیصلہ تو نہیں دے رہا ہوں کہ اُس نے تیمور کو اغوا کیا تھا یا نہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک انتہائی سنجیدہ معاملہ ہے لیکن' سر! اصل مسئلہ یہ ہے کہ میرا پچھلے کئی دنوں سے اُس کے ساتھ کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔ میں نے آپ کو بتایا بھی تھا کہ جب وہ چاہتا ہے تو رابطہ کرتا ہے۔ میں---''

اُس نے کہنا چاہا لیکن سیٹھ حفیظ نے اُسے ٹوکتے ہوئے پوچھا۔ ''اُس کا کوئی رشتے دار تو ہوگا؟''

یہی وہ سوال تھا جس سے وہ گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا' اسی سوال پر اُس کا امتحان بھی ہو سکتا تھا۔ اگر وہ انکار کرتا ہے اور اس بارے اُنہیں معلوم ہوا تو پھر سب کچھ ایک لمحے میں ختم ہو جاتا جبکہ دوسری صورت میں --- وہ اس سے آگے نہیں سوچ سکا لہٰذا اُس نے رسک لینے ہی کی ٹھانی اور بڑے اعتماد سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں --- اگر ہوگا بھی تو مجھے نہیں معلوم---''

''بس یہیں سے تمہاری نیت کے بارے میں پتہ چل گیا ہے' ہمایوں! تم مجھ سے مسلسل جھوٹ بولتے چلے آ رہے ہو۔ میرے بھی ذرائع ہیں، انہوں نے کنفرم کیا ہے کہ جنید کی بیوی ہے اور اسی شہر میں ہے اور تم اُس سے واقف ہو --- کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' اُس کا لہجہ انتہائی غصے سے بھرا ہوا تھا۔

''میں نے کہا نا' مجھے اس کے بارے میں نہیں معلوم---'' اُس نے سختی سے تردید کر دی۔

''چلو مان لیا کہ تمہیں نہیں پتہ' لیکن میں تمہیں فقط آج کی رات دیتا ہوں۔ ساری رات میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا --- طلوع صبح تک اُس کی بیوی ہمارے قبضے میں ہوگی تو وہ خود بخود سامنے آ جائے گا اور اگر تم ایسا نہ کر سکے تو---'' وہ غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔

''میں اگر اُس کی بیوی کو تلاش کر بھی لوں' تب بھی وہ اگر سامنے نہ آیا تو پھر---؟''

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے' تمہارا کام ختم ہو جائے گا پھر ہم جانیں یا وہ---'' اُس نے قدرے نرم پڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں' سر! میں نہیں سمجھتا کہ اِتنے کم وقت میں اُسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔'' ہمایوں نے موہوم سی دلیل کے سہارے ذرا سی مزاحمت

کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو ہمایوں! تم میرے لیے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے ہو میں چاہوں تو ابھی تشدد کے ذریعے تم سے سب کچھ اُگلوا لوں۔ میں نے تمہارا جھوٹ بھی نظر انداز کیا ہے تو اِس لیے کہ تم اَب تک میرے ایک مہرے کی سی حیثیت رکھتے ہو ورنہ میں ٹشو پیپر کی طرح تمہیں مسل کر رکھ دیتا۔ جس طرح کوئی حاکم کسی بڑے سیاستدان کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ میں چاہوں تو بکری چوری کے الزام میں جیل کے اندر ڈال دوں اور اِس کی ضمانت بھی نہ ہو میں تمہیں ایک پیپر ویٹ چوری کرنے کے الزام میں ابھی اندر کروا سکتا ہوں۔ تم شاید نہیں جانتے' اَب تک نجانے کتنے کاغذات' کتنی دستاویزات میرے پاس موجود ہیں جو تمہیں ساری زندگی کے لیے جیل میں سڑنے پر مجبور کر دیں گی لہٰذا جو کہتا ہوں' وہی کرو ورنہ کل سورج طلوع ہونے کے بعد تمہارا مستقبل تاریک ہو جائے گا--- جاؤ' چلے جاؤ۔"

سیٹھ حفیظ نے کچھ اِس انداز میں حتمی بات کی تھی کہ ہمایوں بُری طرح چونک گیا۔ اُسے احساس تو تھا کہ بلی اپنے سارے داؤ نہیں سکھاتی مگر اُسے اِس قدر محسن کشی کے لیے مجبور کیا جائے گا' یہ اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ انتہائی خستہ ذہنی حالت کے ساتھ وہاں سے نکلا تھا۔

اُسے ہر حال میں فیصلہ کرنا تھا کہ وہ کیا کرے؟--- ایک طرف اُس کا محسن تھا' جس نے اُسے یہاں تک پہنچا دیا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا' اُسے مل گیا' پھر اُس کی اپنی خواہشوں نے ہی اُسے یہ دن دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا' اُس کی خواہشیں ہی اُس کے گلے پڑی تھیں ورنہ وہ تو ٹھیک جا رہا تھا۔ یہ تیمور اور صفیہ ہی کا مسئلہ تھا جو اُس کے مستقبل کو تباہ کرنے کا باعث بن رہا تھا اور اَب وہ پھنس چکا تھا۔ اُسے جنید تک رسائی چاہیے تھی ورنہ اُسے پورا یقین تھا کہ وہ ایک دفعہ پھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا اور کوئی اُسے بچا بھی نہیں پائے گا۔ شاید بے گناہی اور معصومیت اپنی جگہ خود ایک قوت ہوتی ہے جو کسی نہ کسی طرح اپنا آپ منوا لیتی ہے لیکن انسان جب جرم کرتا ہے تو ضمیر بھی اِس کا ساتھ نہیں دیتا' کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی حد تک اعتماد میں دراڑیں ضرور پڑ جاتی ہیں جن کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلتا ہے کہ ایک خوف مَن میں سرایت کر جاتا ہے جو اِسے ثابت قدم رہنے ہی نہیں دیتا۔ وہ جنید کو بُری طرح یاد کر رہا تھا' وہ ہوتا تو کم از کم اُسے بتا کر کوئی مشورہ ہی کر لیتا۔ وہ اگر سیٹھ حفیظ سے ملوا سکتا تھا تو اِس جیسے کچھ اور لوگ بھی تو اُس کے پاس ہو سکتے تھے یا پھر کم از کم وہ محسن کشی کا مرتکب تو نہ ہوتا--- راحیلہ کا چہرہ بار بار اُس کے سامنے آ رہا تھا۔ اِس بے چاری نے کیا قصور کیا تھا جو وہ اِسے اُن لوگوں کے ہاتھوں میں دے دے؟ اُن سے کچھ بھی بعید نہیں تھا' وہ اِس پر بے جا تشدد بھی کر سکتے تھے۔ اِس سے ہٹ کر جب اِسے یہ معلوم ہوگا کہ ہمایوں نے اُسے اِس حال تک پہنچایا تو اُس کا اعتماد انسانیت ہی سے اُٹھ جائے گا۔ اُس کا فقط یہی گناہ ہے کہ اُس کا تعلق جنید سے ہے--- نہیں میں کم از کم اِسے اُن لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ وہ بے گناہ ہے' اِس سارے معاملے میں اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

"تو پھر کیا کرو گے---؟"

یہی سوال اُس کے ذہنی دباؤ میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ پارک کے ایک تنہا گوشے میں بیٹھا مسلسل یہی سوچتا چلا جا رہا تھا۔ اچانک ایک خیال اُمید کی کرن کی مانند اُس کے ذہن میں آیا کہ اگر انہیں راحیلہ کے گھر کے بارے میں معلوم ہوتا تو وہ کبھی اِس قدر اُس پر دباؤ نہ ڈالتے' فوراً جاتے اور اُسے قابو میں کر لیتے۔ تب اُنہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ جنید بھی وہیں ہے۔ وہ اُسے درمیان میں ہی نہ لاتے۔ راحیلہ کو قابو

کرنے یا جنید کو اپنے دام میں پھنسا لینے کے بعد ہی سب کچھ اُسے بتایا جاتا --- تو اُنہیں جنید اور راحیلہ کے گھر کے بارے میں نہیں معلوم اس لیے وہ اَب تک محفوظ ہیں۔ میں اگر ساری صورتِ حال سے راحیلہ کو آگاہ کر دوں اور وہ --- اِس کے ساتھ ہی بہت ساری سوچیں اُس کے ذہن میں آتی چلی گئیں۔ اُس نے جلدی سے اپنا فون نکالا' سم تبدیل کی اور راحیلہ کے نمبر ڈائل کر دیئے' تھوڑی دیر بعد ہی راحیلہ سے رابطہ ہو گیا۔

"ہاں' ہمایوں بھائی! کیسے ہو --- بڑے دنوں بعد فون کیا؟" وہ خوشگوار لہجے میں اُس سے پوچھ رہی تھی۔

"میں ایک بہت بڑی اُلجھن میں پھنس گیا ہوں بلکہ --- میں ہی نہیں' جنید اور تم بھی --- خدا کے لیے میری جنید سے بات کرواؤ' اُس سے رابطہ بہت ضروری ہے۔" وہ ہذیانی انداز میں کہتا چلا گیا۔

"خیریت تو ہے' ہمایوں بھائی! آپ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟" وہ تشویش سے بولی۔

"بات ہی کچھ ایسی ہے ---" وہ انتہائی شکستہ لہجے میں بولا۔

"پھر بھی' کچھ تو پتہ چلے؟" صنیفہ نے اسی لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہیں کیا بتاؤں --- جنید کو تفصیل بتاؤں گا تو وہ اس کا کوئی نہ کوئی حل نکال لے گا۔" وہ بولا۔

"اصل میں وہ یہاں ہیں ہی نہیں' کسی دوسرے ملک میں ہیں --- مجھے بتائیں بلکہ یہاں آ جائیں' اطمینان سے بات کر لیتے ہیں۔" راحیلہ نے کہا۔

"خیر میں آ رہا ہوں لیکن تم نے بہت احتیاط کرنی ہے۔ اگر ذرا سا بھی خطرہ محسوس کرو' کسی اجنبی کو اپنے اِرد گرد دیکھو تو سامنے مت آنا پلیز' اِس وقت تمہیں بہت خطرہ ہے۔" وہ مایوسی کی اِنتہا کو چھوتے ہوئے بولا۔

"آپ گھبرائیں نہیں' ہمایوں بھائی! آپ آئیں میں بہرحال محتاط رہوں گی ---"

راحیلہ نے اِسے ڈھارس دیتے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا --- لاعلمی بھی کس قدر نعمت ہوتی ہے۔ اگر اُسے معلوم ہو جائے کہ دوسرے اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں تو خوف کے عالم میں جانے کیا کچھ کر بیٹھے' یہی سوچتا ہوا ہمایوں وہاں سے اُٹھ گیا۔ اُس نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ہر حال میں راحیلہ کو بچائے گا' اِس کے لیے چاہے اُسے سب کچھ قربان کرنا پڑے۔ سیٹھ حفیظ کے پاس اگر کوئی بلیک میل کرنے کا مواد ہے تو اس نے کون سا معاف کیا تھا --- وہ ایک اعتماد کے ساتھ پارک سے نکلتا چلا گیا۔

☆☆

صنیفہ ساری رات اور پھر سارا دن سوچوں میں ڈوبی رہی تھی۔ تیمور کا یہ انداز بہت ہی بھیانک تھا' وہ زخمی ناگ کی طرح پھنکار رہا تھا۔ اُس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ ڈنگ مار دے۔ وہ نہ صرف اُس کے زہر سے بچنا چاہتی تھی بلکہ اُس کا زہر بھی نکال لینا چاہتی تھی لیکن وہ پاگل تھی۔ ایسا سوچا تو جا سکتا تھا لیکن اس پر فقط عمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے بہت زیادہ تجربہ' ذہانت اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سارے منتر بندے کو آتے ہوں جو اس کام کے لیے ضروری ہوتے ہیں --- شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ اس دوران اس نے کئی بار ہمایوں کو فون کیا تھا

لیکن ہر بار وہ تسلی سن کر خاموش ہو جاتی۔ وہ اُسے یہ بتا بھی نہیں سکتی تھی کہ تیمور نے اسے کس طرح کی دھمکی دی ہے اور اس کے ثبوت میں کیا کچھ بھیج دیا ہے۔ تیمور کے معاملے میں اِسے جو کچھ بھی کرنا تھا' خود ہی کرنا تھا یا تو اُسے اپنا آپ پیش کر دیتی اور جو وہ چاہتا' وہی کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتی یا دوسری صورت میں وہ بزنس وومن کی بجائے کال گرل کے طور پر مشہور ہو جاتی جو اسے کسی صورت بھی منظور نہیں تھا۔ تو پھر کیا کرے؟---- فیصلہ تو بہر حال اِسے خود ہی کرنا تھا' اس میں وہ ہمایوں کی مدد لے ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ اِنہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس کا فون بج اُٹھا۔ سکرین پر تیمور کے نمبر جگمگا رہے تھے۔

''ہیلو---'' اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں مَیں ہوں تیمور---- تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟'' اس نے یوں کہا جیسے وہ صفیہ کے کسی بھی متوقع فیصلے کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ کیا فیصلہ کرے گی۔

''دیکھو' تیمور! تم بہت ہی گھناؤنی اور گھٹیا حرکت کر رہے ہو۔ مَیں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہی تھا نا' کہ تمہارے اصرار پر فارم ہاؤس چلی جاتی تھی مگر تم نے ان ملاقاتوں کو کیا رنگ دیا۔ مَیں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اتنے گھناؤنے بھی ہو سکتے ہو۔'' وہ انتہائی غصے میں کہتی چلی گئی۔

''مَیں اس سے بھی بُرا ہوں۔ مَیں شاید بھول جاتا' جس طرح اور بہت ساری لڑکیوں کو بھول چکا ہوں۔ ضروری نہیں کہ ہر لڑکی میری مرضی کے مطابق چلے' لیکن تم نے اور تمہارے منگیتر نے جو کچھ کیا' وہ مَیں نہیں بھول سکتا' میری جان!'' وہ طنزیہ لہجے میں غراتے ہوئے بولا۔

''جو کچھ تم نے کل کہا یا اَب کہہ رہے ہو' مَیں اس کے بارے میں بالکل نہیں جانتی۔ مجھے کچھ پتہ نہیں ہے تو پھر اس کی اتنی بڑی سزا مجھے کیوں دی جا رہی ہے؟---- اصل میں تم یہ سب الزام لگا کر ----''

''نہیں' یہ الزام نہیں ہے' جرم کیا ہے تم دونوں نے اور اس کی سزا تو ملنی ہی چاہئے---- کیا تم نے ایسی موت کو قریب سے دیکھا ہے' جس میں ایک ہی وقت میں بار بار مرنا پڑے۔ اس کی اذیت مَیں جانتا ہوں۔ کس طرح اُس بندے نے مجھے ذلیل کیا۔ مَیں رجڈل واپس اسی لیے نہیں گیا ہوں کہ اِن بندوں کا سراغ لگا سکوں۔ پتہ نہیں مَیں نے کتنا پیسہ بہایا ہے اس مقصد کے لیے---- مَیں تم تینوں کو وہی ذہنی اذیت دینا چاہتا ہوں۔'' وہ غصے میں کہتا چلا گیا۔

''تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔'' اچانک صفیہ نے انتہائی اعتماد سے کہا۔

''کیوں نہیں کر سکوں گا؟---- تمہارا منگیتر کسی سدھائے ہوئے کتے کی مانند' اُس جنید نامی شخص کی بو سونگھتا پھر رہا ہے۔ اس کے پاس فقط صبح تک کا وقت ہے' پھر اس کے بعد وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا۔ اس کے لیے مقدمات تیار ہو چکے ہیں۔ اگر کتے کی طرح وفاداری کرے گا تو شاید اسے معاف کر دیا جائے ورنہ مَیں خود اسے بھیانک سزا دوں گا اور تم تو میری ہو ہی جاؤ گی---- ویسے اگر تم کہو تو مَیں تمہیں مستقل طور پر اپنے فارم ہاؤس میں رکھ لوں گا۔ وہاں تم----''

''تیمور! مَیں تم سے ملنا چاہتی ہوں' ابھی اور اسی وقت---- کہاں مل سکتے ہو؟'' صفیہ نے اجنبی سے لہجے میں کہا۔

''ارے واہ! اتنی جلدی موم ہوگئی ہو---- چلو ٹھیک ہے۔ آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' اُس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''میں پوچھ رہی ہوں' کہاں مل سکتے ہو؟'' وہ سنی اَن سنی کرتے ہوئے بولی۔

''اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے میری جان! میرے فارم ہاؤس پر آجاؤ۔'' وہ پھر ہنستے ہوئے بولا۔

''نہیں! اس وقت میں وہاں نہیں آسکتی---- شہر کے کسی ریستوران کے بارے میں بتاؤ۔'' وہ بولی۔

''تو اُسی ریستوران میں آجاؤ جہاں ہم اکثر ملتے تھے وہ تمہیں بہت پسند ہے نا!---- اچھا ہے آمنے سامنے بیٹھ کر بات ہوگی تو شاید کوئی اچھا پہلو نکل آئے---- کب تک پہنچ رہی ہو؟'' وہ خوشگواریت کے لہجے میں فتح مندانہ انداز لیے بولا۔

''شاید تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاؤں---'' صفیہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

پھر صفیہ نے کسی کو بھی نہیں بتایا' اپنا پرس چیک کیا اور باہر کی جانب چل دی۔ زیتون بی بی ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھی' اُس نے سرسری سے انداز میں پوچھا تو وہ بولی۔

''ہاں میں' کچھ دیر کے لیے باہر جا رہی ہوں۔ اگر زیادہ وقت ہو جائے تو پریشان نہیں ہونا۔''

''پھر بھی' جا کہاں رہی ہو؟'' زیتون بی بی نے اُس کے ستے ہوئے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کہانا' کسی کام سے جا رہی ہوں۔'' وہ بولی اور باہر نکلتی چلی گئی۔

وہ شہر کا معروف ریستوران تھا' جہاں اِن دونوں کی اکثر ملاقاتیں رہا کرتی تھیں۔ صفیہ اپنی کار میں اِس ریستوران کے سامنے پہنچ چکی تھی لیکن ابھی اس نے ریستوران کی جانب ٹرن نہیں لیا تھا' سڑک پر ہی تھی کہ اس نے تیمور کی گاڑی دیکھی جو ٹرن لے چکی تھی اور کسی بھی لمحے پارکنگ کی جانب مڑنے والی تھی۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ آگیا ہے۔ اس نے بڑے سکون سے گاڑی پارکنگ کی جانب موڑ لی۔ شاید وہ بھی اِسی کا منتظر تھا' اُس نے صفیہ کو دیکھ لیا اور گاڑی سے باہر نکل کر بڑی پرشوق نگاہوں سے اِسے دیکھنے لگا۔ صفیہ نے اطمینان سے گاڑی پارکنگ میں لگائی اور اپنا پرس اُٹھا کر باہر آگئی۔ دونوں آمنے سامنے ہوئے تو اُنہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا' تب تیمور نے مصنوعی دُکھ سے کہا۔

''پہلے سے بہت زیادہ کمزور دکھائی دے رہی ہو---- سچ بتانا میرے ساتھ نہ ہونے کا غم تھا؟''

''کچھ بھی نہیں تھا---- میں تم سے حتمی بات کرنے آئی ہوں' تیمور! تم میری زندگی سے نکل جاؤ' اس میں ہم دونوں ہی کا بھلا ہے۔'' صفیہ نے بڑے ہی نرم لہجے میں کہا۔

''اب میں چاہوں بھی تو ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ بات میرے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ پاپا براہ راست اس مسئلے میں دلچسپی لے رہے ہیں---- میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''لیکن تم مجھے کیوں بلیک میل کرنا چاہ رہے ہو' کیا یہ بھی تمہارے پاپا کی مرضی ہے؟'' اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''سمجھ لو تمہیں دھمکانے اور اصل لوگوں تک پہنچ جانے کی ایک کوشش ہے۔ ہم تو تمہیں بھی اس میں ملوث سمجھتے ہیں اور تم ہو بھی کیونکہ اتنی

مضبوط پلاننگ وہی کرسکتا ہے جو بہت قریب رہا ہو---خیر آؤ۔ اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ مجھے ایک اہم فون کا انتظار ہے۔ جونہی وہ فون آ گیا مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔" اُس نے عام سے انداز میں کہا۔

"اتنا اہم فون تھا تو پھر یہاں تک آئے کیوں---میں نے کہا نا میں تم سے حتمی بات کرنے آئی ہوں؟" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ فون تمہارے لیے بھی بڑا اہم ہے۔ تمہارے منگیتر نے آج رات ہی جنید تک رسائی حاصل کرنی ہے اُس نے فون کرنا ہے تو مجھے معلوم ہونا ہے---آؤ وہیں بیٹھ کر حتمی بات کر لیتے ہیں۔"

اُس نے یوں کہا جیسے صفیہ اَب اُس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔ وہ اس کے ساتھ ایسا رویہ اپنائے ہوئے تھا جو کوئی فاتح اپنے مفتوح کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ اُس نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ صفیہ نے بڑے اطمینان سے اپنا پرس کھولا اُس میں سے ریوالور نکال کر اُس پر تان لیا۔

"تمہارا کھیل ختم ہو گیا تیمور!"

صفیہ کے یوں کہنے پر تیمور نے پلٹ کر دیکھا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں اکیلا نہیں ہوں میرے گارڈز میرے ساتھ ہیں---نیچے کر و ورنہ وہ تمہیں گولی مار دیں گے---"

لفظ اُس کے منہ ہی میں تھے کہ صفیہ کانپ کر رہ گئی اُس نے جیسے تیمور کی بات ہی نہ سنی ہو یکدم وہ فائر ہوئے کسی طرف سے انجانی گولی صفیہ کو لگی اور اس سے ٹرائیگر دب گیا۔ دو گولیاں تیمور کے سینے میں جا لگی تھیں۔ دونوں ہی چکرا کر گرے---لمحوں ہی میں وہاں ہجوم اکٹھا ہونا شروع ہو گیا۔

☆☆

رات ابھی اتنی گہری نہیں ہوئی تھی۔ راحیلہ انتہائی پریشانی کے عالم میں ٹہل رہی تھی۔ جنید کا نمبر ہی نہیں مل رہا تھا حالانکہ اس نے دوپہر کے وقت اس سے بات کی تھی۔ ممکن تھا کہ وہ اس سے بات ہی نہ کرتی لیکن ہمایوں کے فون نے اسے بُری طرح ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حالات اس قدر خطرناک ہو جائیں گے۔ اس نے ہمایوں کی بات بہت تحمل سے سنی تھی۔ اسے احساس تھا کہ وہ فوراً جنید سے بات کرے گی اور پھر جو وہ کہے گا اسی پر عمل کرے گی۔ ایسے نازک حالات میں جبکہ ہمایوں بھی اس کی جانب آ رہا تھا جنید کا فون نہ ملنا اسے پریشان کر گیا تھا۔ اب اگر ہمایوں آ بھی جائے تو وہ اسے خطرناک صورت حال کے بارے میں بتا بھی دے تو وہ کیا جواب دے پائے گی؟

"کیا بات ہے راحیلہ! تم اتنی پریشان کیوں ہو---؟"

نسرین جوزف نے اس سے پوچھا تو وہ چند لمحوں تک اس کی جانب دیکھتی چلی گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ہمایوں کے بارے میں اُسے بتائے یا نہیں؟

"کچھ نہیں---- تم آرام کرو۔" وہ بولی مگر اس کا لہجہ بے چینی چھپا نہ سکا۔

"راحیلہ! یہ کیا بات ہوئی' کیا میں اتنا بھی اندازہ نہیں لگا سکتی کہ اس وقت تمہاری کیفیت کیا ہے--- بولو تاکہ مجھے کہ بات کیا ہے۔ کیوں اتنی پریشان ہو؟" وہ نرم سے لہجے میں بولی۔

"ہمایوں آ رہا ہے اور اس کے پاس کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ کہہ رہا ہے کہ میرے اور جنید کے لیے انتہائی خطرناک حالات ہیں--- جنید کا فون بھی نہیں مل رہا' سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں۔" وہ کہتی چلی گئی۔

"اوہ--- تم کوشش جاری رکھو شاید بھائی کا فون مل جائے اور اگر ہمایوں آ بھی گیا تو بات سن لیں گے' تبھی سارے حالات کا بہتر پتہ چلے گا۔ آدھی ادھوری بات سے کیا معلوم ہو گا؟"

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو لیکن---"

لفظ اس کے منہ ہی میں تھے کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اجنبی سے نمبر تھے' اس نے چند لمحے سننے یا نہ سننے کے بارے میں فیصلہ کیا' پھر فون سن لیا۔

"ہیلو---" اس نے دھیرے سے کہا۔

"شکر ہے خدا کا' تم نے فون سن لیا---" دوسری جانب سے جنید بول رہا تھا۔

"لیکن یہ نمبر اور میں کب سے---"

"کچھ بھی مت کہو--- فوراً یہاں سے نکلو۔ کچھ بھی مت لو اور میری نسرین سے بات کراؤ۔" جنید نے تیزی سے کہا۔

"وہ میرے پاس کھڑی ہے---" اس نے کہا۔

"تو سپیکر آن کرو' جلدی---"

وہ تیزی سے بولا تو راحیلہ نے سپیکر آن کر دیا۔

"جی جنید بھائی! کہیں ---؟" نسرین نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

"حالات ٹھیک نہیں ہیں لیکن تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ پریشان نہیں ہونا' راحیلہ کی امی کا بہت خیال رکھنا۔ بہت جلد میں اور راحیلہ تمہیں آن ملیں گے۔ کلینک بنانے کی جلد از جلد ہر ممکن کوشش کرنا --- اور راحیلہ! تم سنو۔ فوراً یہاں سے نکلو۔ میں یہیں ہوں' تم گھر سے باہر نکل کر مارکیٹ تک آؤ۔ فون بند نہیں کرنا میں تمہیں پک کر لیتا ہوں۔"

"آپ یہیں ہو ---؟" وہ حیرت سے بولی۔

"سوال جواب بعد میں --- تم فوراً نکلو' اپنی امی کو بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور ہاں' نسرین! میں تم سے بعد میں رابطہ کرتا ہوں' تم نے ہر کسی کو یہی بتانا ہے کہ ہم دونوں یہاں رہتے تھے لیکن شادی کے بعد یہاں سے چلے گئے ہیں ہنی مون وغیرہ کا کہہ دینا --- اب چلو' نکلو۔"

جنید نے کہا تو راحیلہ نے ایک نگاہ نسرین پر ڈالی' اس کے گلے لگ کر چند لمحے یونہی رہی اور پھر تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے مارکیٹ کی جانب چلی گئی۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہو سکتا ہے' اس لیے وہ ایک سمت چلتی چلی گئی۔ اس کا فون آن تھا' وہ بتاتی جا رہی تھی کہ اس وقت وہ کہاں پر ہے۔ جلد ہی اسے سرخ رنگ کی مرسیڈیز دکھائی دی۔ جنید اسی میں تھا' راحیلہ کے بیٹھتے ہی گاڑی چل دی۔ ان کے علاوہ فقط ایک ڈرائیور تھا۔

"آپ یہیں تھے ---؟" وہ دھیرے سے بولی۔

"نہیں --- دوپہر کے وقت دوبئی میں تھا لیکن حالات ٹھیک نہیں تھے۔ یہ تو قسمت اچھی ہے کہ مجھے بروقت پتہ چل گیا ورنہ ہمایوں اب تک تمہیں ایسے لوگوں کے ہاتھ --- خیر اس کا بھی پتہ چل جائے گا۔"

"نہیں' وہ غلط نہیں ہو سکتا ورنہ وہ مجھے فون کر کے انفارم نہ کرتا ---"

"کیا اس نے تمہیں فون کیا تھا؟"

اُس نے حیرت سے پوچھا تو راحیلہ نے تفصیل بتا دی۔

"اوہ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ خود بھی خطرے میں ہے --- خیر' دیکھتا ہوں۔"

اُس نے کہا ہی تھا کہ راحیلہ کا فون بج اُٹھا۔

"کون ہے؟" جنید نے پوچھا۔

"ہمایوں ---"

"لاؤ میں بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون لیا اور بولا۔ "ہاں ہمایوں! کیا بات ہے؟"

"اوہ آپ --- آپ فوراً وہاں سے نکل جائیں۔ کسی بھی لمحے ---"

"میں وہاں نہیں ہوں' ایک بہت ہی محفوظ ٹھکانے پر ہوں۔ میں اس وقت تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو فوراً روپوش ہو جاؤ---"

"میں اگر مر بھی جاؤں نا' جنید بھائی! تو کوئی غم نہیں۔ میں بس محسن کشی کے الزام کے ساتھ نہیں مرنا چاہتا تھا۔ اللہ کرے کہ آپ محفوظ رہیں' میری یہی خواہش ہے۔" وہ مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے' میں بعد میں فون کروں گا۔"

جنید نے کہا اور فون بند کر دیا۔

"یہ---- یہ سب کیا ہے---؟" راحیلہ نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تفصیل کا وقت نہیں ہے۔ بس اتنا جان لو کہ جس نے جو کیا' اسے بھرنا پڑے گا مجھے ہمایوں سے ہمدردی ہے۔ اس کی منگیتر جس کے لیے اس نے یہ سب کیا' وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی ہے۔ وہ قتل ہو گئی ہے۔"

"کیا---- آپ کو کیسے پتہ؟"

"نجانے میری چھٹی حس کیوں مجھے یہ باور کرا رہی تھی کہ اگر مجھے کبھی نقصان ہوا تو وہ ہمایوں کی طرف ہی سے ہو گا۔ میں نے کچھ بندے اس کے اور اس کے سیٹھ حنیف کے اردگرد چھوڑے ہوئے تھے۔ روپوش ہونا ان کی بھی مجبوری تھی۔ آج دوپہر کے وقت مجھے ساری کہانی معلوم ہوئی کہ ہمایوں کس قدر شکنجے میں آ چکا ہے۔ میں پھر وہاں نہیں رہا' فوراً چلا آیا اور اب ہمیشہ کے لیے یہ ملک چھوڑ رہا ہوں---- ہم ایئر پورٹ جا رہے ہیں' باقی باتیں اطمینان سے جہاز میں بیٹھ کر کرتا ہوں گا۔ اب مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا---" جنید نے کہا اور فون کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اس نے ایک نئی سم ڈالی اور ہمایوں کے نمبر ملا دیئے۔

"جی---" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میری بات غور سے سننا۔"

"آپ---؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں میں---- غور سے سنو' صفیہ قتل ہو چکی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ---؟" وہ چیختے ہوئے بولا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں---- اپنے جذبات قابو میں رکھنا۔ ابھی پلٹ جاؤ' توبہ کا راستہ ہر وقت کھلا ہوتا ہے۔ نسرین جوزف یہیں ہے' اس کی ہر ممکن مدد کرنا' میں زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ تمہارا یہ فون کہیں نہ کہیں ٹیپ ضرور ہو رہا ہو گا' اس لیے---"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ پھر اطمینان سے ایک گہری سانس لیتے ہوئے راحیلہ کی جانب دیکھا تو راحیلہ نے اپنا سر اس کے کاندھے سے لگا دیا۔

☆☆

وہ دونوں ایئرپورٹ کی عمارت کے اندر داخل ہوئے تو ایک جانب سے نوجوان سا لڑکا ان کی جانب بڑھا' اُس نے پاسپورٹ اور کاغذات ان کی طرف بڑھائے اور بنا کچھ کہے دوسری جانب چلا گیا۔ تب جنید نے راحیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نسرین کو فون کرو اور اُسے سمجھاؤ کہ ہمایوں بہت دل برداشتہ ہوگا۔ اگر وہ اس کے پاس آئے تو دلجوئی کرنا——باقی باتیں پھر سہی۔''

''ہاں' ایسا ہی ہونا چاہئے۔ ہمایوں کے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہوگی۔''

راحیلہ نے کہا اور نسرین سے باتیں کرنے لگی۔ چند منٹ تک وہ یونہی مصروف رہی' پھر فون بند کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد اُن کی پرواز کا اعلان ہونے لگا۔ اُنہوں نے قدم بڑھا دیئے۔

ایک پُرسکون زندگی اُن کی منتظر تھی۔

ختم شد